ارشاداتِ نبوی
اور جدید سائنس

اسلام
ادارہ اشاعت
0333-2103655

مؤلف
محمد انور میمن

مؤلف
محمد انور میمن

ادارہ اشاعت اسلام
0333-2103655

ادارہ اشاعت اسلام
0333-2103655

خط وکتابت کا پتہ: مکتبہ زکریا، سلام مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 4855305

نام کتاب .... ارشاداتِ نبوی اور جدید سائنس

مؤلف .... محمد انور میمن

اشاعت اوّل .... جنوری 2011ء

نفیس اکیڈمی اُردو بازار، کراچی۔ فون: 0333-2103655, 021-2722080

ملنے کا پتہ: **کراچی**: کتب خانہ مظہری گلشن اقبال نمبر 2۔ فون: 4992176
بیت القرآن اُردو بازار، کراچی۔ اقبال بک ڈپو (اقبال نعمانی صدر) علمی کتاب گھر اُردو بازار، کراچی۔
بیت الکتب گلشن اقبال نمبر 2۔ فون: 4975024 مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن۔ فون: 4856701
مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی۔ فون: 45914144 مکتبہ رحیمیہ اُردو بازار، کراچی۔ فون: 2744994
ادارۃ الانور، بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 4914596 نور القرآن، اُردو بازار، کراچی۔ فون: 2624609
دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی۔ فون: 2213768

لاهور: مکتبہ رحمانیہ غزنی اسٹریٹ اردو بازار، لاہور۔ ادارہ اسلامیات انارکلی بازار، لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار، لاہور۔

راولپنڈی: مکتبہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔

فہرست مضامین

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوع نمبر ۱

دو افراد کا اکٹھے بستر پر سونے کا نقصان اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۲

کتے کو پالنا اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۳

عورتوں کے سر منڈوانے کا نقصان اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۴

جراثیم اور امراض پھیلنے کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۵

آکسیجن (ہوا) پر ارشادات نبوی ﷺ اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۶

پرندوں کو قید کرنے کی ممانعت اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۷

وضو کا استعمال کیا ہوا پانی اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۸

حضور ﷺ کے دور کا علاج (پچھنے لگوانا) اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۹

کافر کو دوست بنانے اور اس کی صحبت اختیار کرنے کی ممانعت اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۱۰

انسانی دل کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ پر جدید سائنسی تحقیق

موضوع نمبر ۱۱

دوپہر کا قیلولہ اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۱۲

پیشاب کا ناپاک ہونا اور جدید میڈیکل تحقیقات

موضوع نمبر ۱۳

جانوروں کے شرعی ذبیحے پر جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۱۴

درختوں کا دیکھنا اور سننا اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۱۵

قیامت میں انسانی جسم کے اعضاء کی گواہی اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۱۶

چھوت چھات اور جدید تحقیقات

متعدی امراض سے حفاظت کی اسلامی تعلیمات

موضوع نمبر ۱۷

غیر مسلم مردوں سے شادی اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۱۸

پھلوں کے ساتھ ان کے بیج کھانا اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۱۹

بیمار جانوروں کے گوشت کا استعمال اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۲۰

آواز کی سائنس اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۲۱

اجتماعی عمل اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۲۲

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۲۳

دھوپ کی بالائے بنفشی شعاعیں اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۲۴

توہم پرستی اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۲۵

بدنگاہی اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۲۶

عذر پیش کرنا اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۲۷

شہد کا استعمال اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۲۸

غذا کو چبا کر کھانا اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۲۹

دولت کی ہوس اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۳۰

چہل قدمی اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۳۱

ناپاک اور حرام ادویات کا استعمال اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۳۲

جانوروں کو زلزلے کا پہلے سے علم ہو جانا اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۳۳

بچوں کی تربیت اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۳۴

خنزیر کا گوشت اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۳۵

ایمان اور یقین کی طاقت اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۳۶

شیطانی وساوس کا انجکشن اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۳۷

سودی نظام اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۳۸

بچے کی والدین سے مشابہت اور اسلامی تحقیقات

موضوع نمبر ۳۹

پیری مریدی کے گھناؤنے دھندے

موضوع نمبر ۴۰

رشوت اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۴۱

شہرت پسندی اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۴۲

بغیر چھنے آٹے کی افادیت اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۴۳

وحی یعنی خدا کا پیغام اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۴۴

مصیبت میں خدا یاد آتا ہے

فرمان نبوی ﷺ اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۴۵

روحانیت اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۴۶

پیٹ کے بل سونا

موضوع نمبر ۴۷

کھانے کو وسط سے نہ کھانا اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۴۸

منہ کے بل لیٹ کر کھانے کی ممانعت جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں

موضوع نمبر ۴۹

پگڑی اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۵۰

تیز گرم چیزیں کھانا اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۵۱

جماہی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھنا اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۵۲

خوشبو کا استعمال اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۵۳

خوش رہنا اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۵۴

سادہ پانی اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۵۵

گوشت کو کچا کھانا اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۵۶

حسین وجمیل عورت سے شادی اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۵۷

نومولود بچے کے منہ میں کھجور چبا کر دینا اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۵۸

مسواک اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۵۹

غیر عورت سے اختلاط اور جدید تحقیقات

موضوع نمبر ۶۰

رونا اور جدید سائنسی تحقیق

موضوع نمبر ۶۱

علم حاصل کرنا گود سے گور تک اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۶۲

صحت پر فکر و خیالات کے اثرات اور جدید سائنسی تحقیقات

موضوع نمبر ۶۳

عشق و محبت کی شادیوں کے نقصانات اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۶۴

عورت کی خواہش پوری کرنا اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۶۵

حشرات الارض اور جانوروں کو مارنا اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۶۶

دو عورتوں کی گواہی دو مردوں کے برابر اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۶۷

خون کی گردش کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ۶۸

زمین و پودوں کا زندہ ہونا اور جدید تحقیق

موضوع نمبر ٦٩

زمین کے نیچے جہنم اور جدید سائنسی تحقیق

موضوع نمبر ٧٠

اللہ کے نافرمانوں پر عذابات اور جدید تحقیقات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض محقق

محترم قارئین کرام!

دین اسلام ایک اکمل و مکمل دین ہے جس نے اپنے پیروکاروں کے لئے زندگی کے ہر گوشے سے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔ حتیٰ کہ چلتے وقت اور سوتے وقت انجام دینے کے افعال بھی متعین فرمادیئے اور اس کے لئے رسول ﷺ کی سیرت مبارکہ کو ہمارے لئے مشعل راہ بنادیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے بہت سے اعمال تو وہ ہیں جو آپ ﷺ نے انجام دیئے اور جنہیں سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن بہت سے اعمال ایسے ہیں جو آپ ﷺ کے ذریعے انجام پذیر نہیں ہوئے، بلکہ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں واضح ارشادات فرما کر ان کے امر و نہی ہونے کا تعین کر دیا۔

اس کتاب میں احقر نے اسی طرح کے ۵۰ کے قریب ارشادات کے حسین مجموعے کو ترتیب دیا ہے۔ اس تالیف کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ ان تمام ارشادات کی جدید سائنس اپنے جدید ترین ذرائع سے تصدیق کر چکی ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر بصیرت افروز ذہن عطا فرمایا تھا کہ آنے والے تمام تر انسانوں کے لئے آپ ﷺ ایسے واضح ارشادات فرما گئے کہ دل و دماغ حیران رہ جاتے ہیں۔

اس کتاب میں موجود تقریباً تمام تر ارشادات دور جدید کی ایٹمی دنیا کی ایجادات سے متعلق ہیں، جن کی دریافت و ایجادات میں تو کئی سال لگے، لیکن جونہی ان کی تکمیل ہوئی تو سائنسدانوں نے ان کے مثبت و منفی اثرات کو فوراً اسلام کی سچی اور آفاقی تعلیمات کے عکس میں موجود پایا اور اسلام کے اس قدر پھیلنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ جب دور جدید کے منکر اور دہریئے افراد نبوی تعلیمات کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل فوراً پالیتے ہیں تو ان کو اسلام کے سچے دین ہونے پر یقین آجاتا ہے اور یوں ان کا قولی یقین فعلی یقین میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں اس بندۂ عاجز نے زندگی کے ہر ہر شعبے سے متعلق نبوی ارشادات کے سچے ثبوت کے طور پر تحقیقات جمع کی ہیں جو سب کے سب چوٹی کے ماہرین کی آراء پر مشتمل ہیں، جن کے مطالعے سے انشاء اللہ قارئین کا یقین ضرور قوی ہوگا۔ انشاء اللہ۔

آخر میں قارئین سے دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس حقیر بندے کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور خداوند کائنات سے دعا ہے کہ اللہ میری اس کاوش کو فلاح دارین کا ذریعہ بنادے اور تمام مسلمانوں کو ہر ہر پہلو سے اسلام کی نجات بخش تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

والسلام

محمد انور بن اختر

كان الله له عوضاً عن كل شيء

موضوع نمبر ۱

دوافراد کا اکٹھے بستر پر سونے کا نقصان اور جدید تحقیقات

حضور ﷺ نے دوافراد کے اکٹھے سونے سے منع فرمایا۔

......دوافراد کے ایک ہی جگہ سونے کے آداب میں سے ہے کہ ایک دوسرے سے کم از کم دوفٹ دور سویا جائے۔

......سوتے وقت انسان کو ہوش نہیں ہوتا اور اگر دوافراد کے ساتھ سونے سے اور کروٹ بدلنے سے دوجسم ٹکرا جائیں یہ اسلامی تعلیمات کی رو سے سخت گناہ میں شامل ہے۔

......دوانسان جتنے فاصلے سے سوئیں گے اتنی ہی نیند پرسکون آئے گی اور سونے میں دقت نہیں ہوگی۔

بچوں کا الگ بستر:

نبی ﷺ کی ایک حدیث بھی اس مسئلے میں ہماری رہنمائی کا سامان فراہم کرتی ہے۔ مشہور روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچہ جب سات سال کا ہوجائے تو اسے نماز کا باقاعدہ حکم دینا چاہیے اور جب دس سال کا ہوجائے تو اسے مار کر نماز پڑھوانی چاہیے ساتھ ہی اس عمر کے بعد ان کے بستروں کو الگ الگ کر دینا چاہیے۔

مروا اولاد کم بالصلاة وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشرو فرقوابینھم فی المضاجع

اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جبکہ وہ سات سال کے ہوں اور انہیں مار کر نماز پڑھواؤ جبکہ وہ دس سال کے ہوجائیں اور ساتھ ہی ان کے بستروں کو بھی الگ الگ کردو۔

رسول خدا ﷺ کی اس تاکید پر مسلمان معاشرے میں بھی شاید کم ہی عمل ہوتا ہے۔

دس سال کی عمر میں بچوں کا بستر الگ الگ کر دینا چاہیے۔ اس میں حکمت کا بڑا پہلو یہی ہے کہ اس عمر کو پہنچنے کے بعد بچے کے اندر جنسی احساسات رینگنا شروع ہو جاتے ہیں۔ بستر الگ کر دینے سے ان کی رفتار سست اور بچہ زیادہ مدت تک اپنی فطری سادگی کو قائم رکھنے میں کامیاب رہتا ہے۔

اس کے برعکس اگر اس عمر کے بعد بھی ایک ہی بستر پر دو یا اس سے زیادہ بچے سوتے رہیں تو جسمانی رگڑ سے جنسی جذبات میں بھی نسبتاً تیز ترقی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے اور وہ وقت سے پہلے بلوغت کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اسلام کمسن بچے کا بستر الگ کر کے جنسی معاملات میں مناسب وقت تک اسے زیادہ سے زیادہ معصوم دیکھنا چاہتا ہے تو کلاس روم میں جنسی رازوں کا افشاں کر کے وہ بچوں کے جنسی جذبات کو بھڑکانا کسی صورت پسند نہیں کر سکتا۔

والدین، بھائی بہن اور دادا دادی وغیرہ بچوں کو اپنے ساتھ سلانے کو محبت اور پیار کی علامت یا ثبوت خیال کرتے ہیں کسی حد تک یہ بات سچ بھی ہے۔ ہمیں جس بچے سے جتنی زیادہ محبت ہوتی ہے۔ ہم اسے اتنا ہی زیادہ اپنے قریب رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ماں اگر اپنے ننھے منے بچے کو اپنی چھاتی اور اپنی گود سے محروم کر دے تو ماں کی ممتا اور محبت مشکوک ہو سکتی ہے۔ اس کی محبت بے غرض ہوتی ہے اور کئی ایسی باتیں ہیں۔ جو ماں باپ کی ممتا اور شفقت کا بین ثبوت ہیں۔

ایسی صورت میں بڑوں کا بچوں کو اپنے ساتھ سلانا عام رواج کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ ہر گھر میں اس کو قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن لوگ اس رواج کو سینے سے لگائے رہنے کے نقصانات کو نہیں جانتے یا کبھی انہیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ شفقت کسی وقت عداوت کا روپ بھی اختیار کر سکتی ہے۔ بچوں کا بڑوں کے ساتھ سونا خواہ کسی مجبوری کے تحت ہو یا بخوشی، بہر صورت حفظان صحت کی رو سے بچوں کے لیے مضر ہے۔ بہت سے بچے اس ضرر رساں دلآویزی کے شکار ہو جاتے ہیں اور اپنی اعصابی اور ذہنی قوتوں کو مضمحل کر لیتے ہیں۔

آیئے حضور ﷺ کے اس ارشاد پر چند تحقیقات ملاحظہ فرمائیں۔

اکٹھے بستر پر سونا جدید ریسرچ کی روشنی میں:

بچپن کا دور نشوونما کا اہم دور ہوتا ہے۔ اسی دور میں جسم کے اندر بڑی تیزی سے تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس دور میں اعصابی طاقتیں پیدا ہو کر زندگی کی معاون و مددگار بنتی رہتی ہیں۔ اگر اس قسم کی تبدیلی اور معاونت کے دور میں بچوں کو اپنے بڑوں کے ساتھ سونا پڑے تو بچے کم زور اور نحیف، زادرو، پژمردہ، سست، غبی اور چڑ چڑے ہو جائیں گے۔ تھکان اور ماندگی کی حالت میں دوسرے شخص سے جسم دبوانا، یہ ایک قسم کی بیماری یا کمزوری ہے جو ساتھ سلانے سے بچے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دو جسموں کے باہم ملنے سے ایک جسمانی برق یا برقی کرنٹ دوسرے میں نفوذ کر جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ بڑے شخص کے ساتھ بچوں کو سلا کر بچوں کے اجسام کی برق غیر محسوساتی طور پر بڑوں کے جسموں میں جذب ہوتی ہے۔ بڑوں کے ساتھ بچے سلانے سے بڑوں کی ہمہ قسم کی بیماری بچے میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ماں باپ اپنے بچوں کی بہتر صحت اور نشوونما کے خواہاں ہیں انہیں سب سے پہلے ہی احتیاط کرنا چاہیئے کہ بچوں کو بڑوں کے ساتھ نہ سونے دیں۔ یہ ہی نہیں انہیں یہ خیال بھی رکھنا چاہیے کہ مریض بچوں اور تندرست بچوں کو بھی الگ الگ سلائیں چوں کہ بیمار بچے کی بیماری کا علم ہمیں اکثر فوری طور پر نہیں ہوتا' اس لیے بیمار اور تندرست بچے میں امتیاز کر لینے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

بس بچوں کو بڑوں سے الگ ہی سلانا حفظ ماتقدم کے طور پر بہتر ہے۔ بچوں کے ایک ہی بستر پر سونے سے جہاں مریض بچے کے جلد تندرست ہونے کی توقع ہے۔ وہاں تندرست بچے کے جلد بیمار ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ ماں باپ اپنی محبت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو رات میں بچوں کو اپنے پاس نہ سلانا چاہیے۔

ریسرچ سے یہ ثابت ہے کہ بچوں پر کوئی بھی بیماری بہت جلد اثر کرتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑوں کو کئی ایک بیماریاں ہوتی ہیں۔ جو ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن جب بچہ ماں کے ساتھ سوتا ہے تو ماں کی بیماری بچے میں آ جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بہت کمزور ہوتا ہے۔ اور کسی بھی بیماری کو بہت جلد قبول کرتا ہے۔ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو سکے بچوں کو اپنے ساتھ سلانے سے

گریز کریں۔

بچوں کا اکٹھے سونا اور ڈاکٹر ہرش کی تحقیق:

ڈاکٹر ہرش ہم جنس پرستی کی وجہ معاشی بدحالی بتاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:
معاشی بدحالی اور مالی مجبوری کے سبب اکثر والدین ایک ہی چارپائی پر کئی بچوں کو سلانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ بہت سے بچوں کا اکٹھے سونا اس غیر فطری عادت کا باعث بنتا ہے اس لیے ہم جنس پرستی سے بچنے کے لیے یا بچوں کو بچانے کے لیے ضروری ہے۔ تمام بچوں کو الگ الگ بستر مہیا کیے جائیں۔

اکٹھے بستر پر سونے سے امراض کی منتقلی کا خطرہ:

ڈاکٹروں کی تحقیق ہے کہ دو آدمیوں کو ایک بستر پر نہیں سونا چاہیے کیونکہ حفظِ صحت کے اصولوں کے مطابق اگر ان میں سے ایک کو کوئی مرض ہوا تو دوسرا بھی اس کے پنجے میں مبتلا ہو جائے گا۔ جسم میں ایک قسم کی طاقت یا کشش ہوتی ہے جو باہم لپٹے چپٹے رہنے سے ایک دوسرے کے جسم میں داخل ہو سکتی ہے۔

اکٹھے ایک بستر پر سونے کا نقصان ایک مریضہ کی زبانی:

بہت سی لڑکیوں سے خط و کتابت کے ذریعے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کا نچوڑ یہ خط ہے۔

مکرمی ڈاکٹر صفدر حسین برق صاحب

آداب!

امید ہے آپ تندرست ہوں گے۔ خدا کرے کہ آپ تندرست ہی رہیں۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ مگر ہم کیا کریں جو بیماری کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ زندگی خاک بسر کر رہے

ہیں موت بسر کر رہے ہیں خدا کے لیے ہمیں بچائیے۔ میری ایک دوست نے مجھے بتایا تھا۔ کہ ڈاکٹر برق نے مجھے راہنمائی دی ہے اور اب میں ٹھیک ہوں۔ میں بھی اسی مرض کی شکار ہوں۔ قصہ یہ ہے کہ آج سے دس سال پہلے جب میں بورے والا میں پڑھتی تھی۔ وہیں ایک مکان کرائے پر لے کر ہم رہتے تھے۔ میرے ساتھ چار لڑکیاں اور بھی تھیں۔ ہم بہت شریف گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکٹھے رہنے کی وجہ سے کبھی کبھی ہم رات گئے تک پڑھنے کے بعد ایک ہی بستر پر سو جاتے تھے۔ ہم ایک دوسرے کی پشت پر صابن مل کر بھی نہانے میں مدد لیتے رہتے تھے۔ بس ایک دوسرے کو برہنہ دیکھ کر یا جسمانی لمس پا کر ہم اس عادت کا شکار ہو گئیں۔ اور پھر ہوتی چلی گئیں۔ اب میں ٹیچر ہوں۔ لیکن میری یہ عادت جسے آپ سمجھ گئے ہوں گے اب تک نہیں چھوٹی قسم لے لیں جو مجھے کسی مرد نے چھوا بھی ہو۔ میں اب شادی کرنے سے بھی ڈرتی ہوں نہ جانے کیوں؟ میں سوچتی ہوں اگر عورت عورت سے شادی کر سکتی تو میں بھی ''کیو۔ اے'' سے شادی کر لیتی لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کسی مرد سے بیاہ کرنا مجھے پسند نہیں۔

خدارا بتائیے میں کیا کروں۔ مجھے بچے پیدا کرنے سے بھی نفرت ہے آپ کہیں گے کہ یہ تو عورت کی فطرت ہے۔ مگر میں نہیں مانتی۔ اگر بچے پیدا کرنا عورت کی فطرت ہے تو ہوا کرے۔ میری یہ فطرت نہیں۔ شاید میں عورت نہیں ہوں۔ حالاں کہ میں عورت ہوں' عورت ہوں' عورت ہوں۔

اکٹھے سونے سے شہوت بڑھنے کا خطرہ:

ہمارے ہاں عام طور پر جب مہمان آتے ہیں تو متوسط طبقے اور غریب لوگوں کا یہ قاعدہ ہے کہ بچوں کو اکٹھا سلا دیتے ہیں۔ یہ طریقہ بہت غلط ہے۔ ابھی پچھلے دنوں راولپنڈی سے ایک لڑکے کا خط آیا۔ وہ چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ گاؤں سے اس کا چچا زاد بھائی آ گیا۔ وہ دسویں پاس کر کے کالج میں داخلہ لینے آیا تھا۔ اس نے رات کو چاقو دکھا کر لڑکے کے ساتھ زیادتی کی اور کئی سال ایسا کرتا رہا۔ یہ لڑکا جب کالج میں آیا تو اس نے سنا کہ یہ گناہ کبیرہ ہے اور اللہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس لڑکے نے اپنے آپ

کو سزا دینی شروع کی۔ بھوکا پیاسا رہتا۔ پوری پوری رات نفل پڑھ کر توبہ کرتا۔ جیب خرچ صدقہ کر دیتا۔ اس نے خط میں لکھا۔

''ان سب باتوں کا ذمے دار میرا باپ ہے۔ میں نے جب بھی چچا زاد بھائی کی شکایت کی وہ مجھے ڈانٹ کر چپ کرا دیتے اور کمرے میں جا کر سونے کی تاکید کرتے۔''

لڑکے کے ذہن پر گناہ کا احساس حاوی ہو چکا تھا۔ اس نے پیسے جمع کر کے پستول خریدا اور مجھے خط لکھا۔

''صرف مجھے اتنا بتا دیجئے۔ اللہ میاں میرا گناہ معاف کر دیں گے۔ مجھے عذاب تو نہیں ہوگا۔''

اس لڑکے کو میں نے خط کے ذریعے جواب دیا اور سمجھایا شکر ہے اس نے بات سمجھ لی اور خودکشی سے تائب ہو کر مجھے شکریے کا خط لکھا۔ یہ حال ہی کے سچے واقعات ہیں۔ ہمارے معاشرے کا یہ بہت بڑا المیہ ہے۔ کوئی ذی ہوش یہ سوچ سکتا ہے کہ معصوم بچے اور بچیوں کو اس طرح تشدد کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ ابھی چند ہفتے ہی گزرے ہیں۔ اخبار میں ایک خبر چھپی تھی۔ چھ سات سالہ معصوم بچی کو تشدد کا نشانہ بنا کر مار ڈالا گیا۔ کتے اس کی لاش بھنبھوڑتے رہے۔

بڑوں کے بستر پر سونے والے بچوں کی اموات بڑھنے لگیں:

امریکہ میں بڑے افراد کے بستروں پر سونے والے بچوں کی اموات میں اضافہ ہونے لگا۔ تفصیلات کے مطابق 1999ء سے 2001ء تک دو سال سے کم عمر کے کم از کم 180 بچے بالغوں کے بڑے بستر پر سلائے جانے کے باعث موت کی وادی میں پہنچ گئے۔ منتظمین کا کہنا ہے کہ 180 اموات میں سے زیادہ تر دم گھٹنے کے باعث ہوئیں اور یہ تفصیل بتانے کا مقصد والدین کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ بالغ افراد کے لیے بنائے گئے بڑے بستروں پر بچوں کو سلانے کے کس قدر سنگین خطرات برآمد ہو سکتے ہیں۔

موضوع نمبر۲

کتے کو پالنا اور جدید سائنسی تحقیقات

کتے کو نہ پالنے کا حکم:

اسلام دین فطرت اور زمانے کے بدلتے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے والا دین ہے جس میں جمود کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ہر دور کے مسائل کا حل ہے۔ یہاں فرامین محسن انسانیت ﷺ میں سے ایک مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں تاکہ ساڑھے چودہ سو سال قبل فرمائی گئی باتوں کی گہرائی سے آپ واقف ہوسکیں۔ گزرے کل یہ حکمت سمجھ نہ آسکتی تھی جو آج ہر کسی کے فہم وشعور کی پہنچ میں ہے۔ یہی حسن کلام اور حکمت بالغہ ہے مثلاً:

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں کتا اور تصویر ہو اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے مگر کھیت اور مویشی کی رکھوالی کے لیے کتا رکھنے کی اجازت ہے۔

کتے کو پالنا اور جدید سائنسی تحقیق:

مذکورہ فرمان رسالت مآب ﷺ کے مفہوم نے اپنے اندر ایک پہلو تو وہی رکھا ہے جو وہاں بیان ہوا ہے مثلاً کتے اور تصویر والے گھر میں فرشتے نہیں آتے، مگر اس فرمان کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو اپنی جگہ اہم ہے اور عقل وشعور اسے اہم تسلیم بھی کرتے ہیں۔ جوں جوں ہم ''ترقی'' کے زینے پر قدم بڑھاتے جائیں گے کئی دوسرے پہلو نکھر کر سامنے آتے جائیں گے۔ سائنس ہر بات کی تائید کرنے پر مجبور دیکھی جائے گی مثلاً کتے کے لعاب میں مہلک وائرس ''ریبیز'' پائے جاتے ہیں۔

لعاب کا ناپاک ہونا تو اپنی جگہ انتہائی ناپسندیدہ اور غیر مطلوب ہے ہی کہ گھر میں کتے کی موجودگی میں معیاری پاکیزگی کا تصور ہی مشکل ہے جو دین کی بنیادی ضرورت ہے مگر

پاکیزگی کے بعد دوسری مطلوب چیز اہل خانہ کی صحت ہے۔ کتے کے ''ریبیز'' وائرس انسانی جسم میں داخل ہوکر ہفتوں اور مہینوں بعد (خصوصاً کتے کے باؤلا ہونے کی صورت میں) مرض پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

یہ مرض جب نمودار ہوجائے تو لا علاج ثابت ہوتا ہے۔ یہ وائرس اس قدر سخت جان بتائے جاتے ہیں کہ منٹوں پانی کھولایا جائے تو بھی نہیں مرتے۔ نبی اکرم ﷺ نے کتے کے لعاب سے پلید برتن کو مٹی سے بار بار رگڑ کر صاف کرنے کا حکم فرمایا اور یہ اسی سبب سے ہے۔ رکھوالی کے لیے کھیت کھلیان میں رکھنے کی اجازت اس بنیاد پر دی کہ وہاں کھلے ماحول میں بچوں بڑوں میں کتے کا گھلنا ملنا ویسا نہیں ہوتا جو صورت گھر میں ہوتی ہے۔ گھر میں کتے پر جو محبت نچھاور کی جاتی ہے، افراد خانہ اس کے زیادہ مستحق ٹھہرتے ہیں۔

موضوع نمبر ۳

عورتوں کے سر منڈوانے کا نقصان اور جدید تحقیق

اسلام نے عورت کو سر منڈوانے سے منع فرمایا:

جناب رسول اللہ ﷺ نے عورت کو سر منڈوانے سے منع فرمایا اسلامی طرز معاشرت میں عورتوں کے سر منڈوانے کو سختی سے روکا گیا ہے (نسائی شریف) کیونکہ عورت کے حسن وحیات کا تعلق بالوں سے بہت زیادہ ہے جب بھی بال کاٹ لیے جاتے ہیں یا ان کے بالوں کو خاص زیبائش ونمائش یا سٹائل میں بنایا جاتا ہے تب جسم انسانی پر اس کے کیا نقصانات پڑتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

عورتوں کے سر منڈوانے پر کریسنٹ ہیومین فیلڈان ریسرچ:

امریکہ (State of Virgina) کی یونیورسٹی کی تحقیقات کے مطابق بالوں کا بڑھنا خواتین کی صحت وتندرستی کے لیے بہت ہی زیادہ ضروری ہے کیونکہ جتنا بال بڑھتے جائیں گے اتنی زیادہ یادداشت، قوت برداشت، سلیقہ اور بے شمار بیماریوں سے بچاؤ ہوتا جائے گا کیونکہ عورتوں کے جینز اور ہارمونز میں اور مردوں کے جینز اور ہارمونز میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اس لیے اگر مرد سر کے بالوں کو ترشوائیں یا کٹوائیں گے تو یہ عمل ان کے لیے بہت ہی زیادہ مفید اور مؤثر ہے لیکن اس کے برعکس وہ خواتین جن کے بال قدرتی طور پر لمبے، گھنے اور دراز ہیں وہ اگر بالوں کو کاٹیں گی تو ان میں بے شمار بیماریاں ایسی پیدا ہوتی ہیں جن کا تذکرہ بیماریوں کی لسٹ میں نہیں ایسی عورتیں نفسیاتی بیماریوں مثلاً ڈپریشن، فرسٹریشن انگزائیٹی اور خودکشی کا شکار بہت زیادہ ہوتی ہیں۔

ایک سنسنی خیز تحقیق:

اس یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ڈاکٹر ہیرس کی رپورٹ کے مطابق ''میری سالہا سال کی تحقیق جو میں نے کریسنٹ یونیورسٹی کی طالبات پر کی ہیں۔ میری تحقیق ہے کہ وہ خواتین جو اپنے سر کے بالوں کو مونڈتی ہیں یا انہیں خاص اسٹائل میں واضح کرتی ہیں یا انہیں ترشواتی ہیں ایسی خواتین جنسی برانگیختگی اور حد درجہ شہوت میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ خواتین کے بالوں کے اثرات فوراً جنسی ہارموز پر پڑتے ہیں میں نے ایسی خواتین کو دیکھا وہ ہمیشہ کسی نہ کسی جنسی سرگرمی میں مصروف پائی گئیں۔ ایسی خواتین جتنا زیادہ بھی اپنی صحت وتندرستی کا خیال رکھیں گی وہ اتنا زیادہ بیمار اور پریشان ہوں گی۔

موضوع نمبر ۴

جراثیم اور امراض پھیلنے کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ اور جدید سائنسی تحقیقات

تعدیہ (جراثیم) پھیلنے کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ:

نظریہ جراثیم کے انکشافات کے بعد بیماریوں کے متعدی ہونے کا تصور بہت ابھر کر سامنے آیا ہے۔ بیشتر مہلک بیماریوں کا سبب نہ نظر آنے والے اجسام غریبہ کو قرار دیا جاتا ہے۔ جو جسم انسانی میں پہنچ کر مرض کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ نظریہ جدید دور کی عظیم تحقیق کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ جس نے امراض وعلاج کی دنیا میں ایک عظیم تہلکہ مچادیا ہے اور اس کی وجہ سے بیماریوں پر کنٹرول اور ان سے حفاظت قدرے آسان ہوگئی ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ جدید دور کا نہیں بلکہ قدیم زمانے سے ہی اس قسم کا تصور انسانی ذہن کی آماجگاہ تھا۔ طب یونانی کی قدیم اساطیری کتب ایسے ہی کچھ امراض کو وبائی قرار دیتی ہیں جو اس بات کے ماخذ میں مدومعاون ثابت ہوتے ہیں کہ کچھ امراض ایسے ہوتے ہیں جن سے بیک وقت ایک علاقے کے بہت سارے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

اطبائے اسلام کی تحریروں میں بھی اس قسم کا واضح تصور ملتا ہے۔ شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ امراض پھیلنے کا سبب فساد خون کے علاوہ فساد ہوا اور فساد آب کو قرار دیا گیا ہے اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اگر مرض پیدا کرنے والے جراثیم ہوا اور پانی میں شامل ہو کر ایک سے دوسرے تک نہ پہنچیں تو متعدی بیماریاں منتقل ہی نہ ہوں۔

اسی طرح مشہور طبیب محمد بن زکریا الرازی نے بھی تعدیہ کا بہت واضح تصور پیش کیا ہے۔ اس کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ بغداد میں ہسپتال کی جگہ کا انتخاب کرنے کے لیے اس نے ایک عجیب وغریب طریقہ اپنایا۔ اس نے شہر کے مختلف حصوں میں گوشت کے ٹکڑے لٹکا دیئے۔ پھر جس جگہ کا گوشت سب سے آخر میں خراب ہوا' اسے اس نے اسپتال کی تعمیر کے لیے منتخب کیا۔ اس نے چیچک اور خسرے میں تفریق کرتے ہوئے ان کے متعدی ہونے کا تصور پیش کیا۔ اسی طرح اس نے دق وسل اور جذام کے مریضوں سے دور رہنے کی تلقین کی اور بتایا کہ ان کے آس پاس جو ہوا ہوتی ہے وہ فاسد ہوتی ہے جس سے بیماری دوسرے انسان کی جانب منتقل ہو سکتی ہے۔

تعدیہ کا تصور ہمیں نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں بھی ملتا ہے۔ مگر وہ اس سلسلے کے دوسرے جدید وقدیم تصورات سے کچھ مختلف ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"تعدیہ کی کوئی حقیقت نہیں۔"

ایک بدو نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! ہم دیکھتے ہیں کہ صحرا میں بہت سے اونٹ صحیح وسالم ہوتے ہیں' جونہی ان میں ایک خارش زدہ اونٹ شامل ہو جاتا ہے تو تمام کو خارش زدہ کر دیتا ہے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا "آخر اونٹ کو یہ مرض کیسے لاحق ہوا؟" (صحیح بخاری کتاب الطب)

اس حدیث سے ایک بہت اہم حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ یہ کہ تعدیہ بذات خود موثر نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے تعدیہ کے سبب فاعل (Activ Cause) ہونے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا پیدا کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ چاہتا ہے تو بیماری منتقل ہو کر ایک سے دوسرے تک پہنچ جاتی ہے اور چاہتا ہے تو بیمار شخص کے ساتھ رہنے والا ایک صحت مند شخص اس کے ساتھ رہتے ہوئے بھی تندرست رہتا ہے۔ اسے کچھ نہیں ہوتا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ کے لوگوں کے درمیان یہ بات

مسلم تھی کہ بیمار اونٹ کے ساتھ رہنے سے صحت منداونٹ بھی بیمار ہو جاتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے اس بات کی تردید کی اور ہی تعدیہ سے انکار کیا ہے۔ بلکہ اس کے متعلق رائج تصور کہ تعدیہ بذات خود موثر ہے کی تردید کرتے ہوئے اس کے خلاف یہ تصور پیش کیا ہے کہ اس کا سبب فاعلی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس توجیہہ سے حدیث میں پایا جانے والا تعارض دور ہو جاتا ہے اور جدید سائنسی معلومات کی رو سے اس کی حقیقت بھی یہی ہے۔ تعدیہ پھیلنے کے متعدد ذرائع پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں سے چند اہم یہ ہیں کہ:

ا۔ مرطوب ذرات کے ذریعے تعدیہ:

گفتگو کرتے ہوئے، تھوکتے ہوئے یا چھینکتے ہوئے مرطوب ذرات ہوا میں پھیل جاتے ہیں اور اس طرح ان میں موجود جراثیم قریب کے دوسرے شخص کو متاثر کر دیتے ہیں۔

۲۔ پانی کے ذریعے پھیلنے والا تعدیہ:

پانی میں جراثیم شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر اسے جتنے لوگ استعمال کرتے ہیں وہ ان مخصوص جراثیم سے پیدا ہونے والے امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۳۔ فضائی تعدیہ:

جو جراثیم ہوا کے ذریعے مریض سے صحت مند شخص تک پہنچتے ہیں اور اسے متاثر کر دیتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے کھانے پینے، صفائی وستھرائی رکھنے، جسمانی پاکیزگی کا خیال رکھنے اور روزمرہ کے کاموں کے سلسلے میں جو آداب بیان کیے ہیں، اگر ہم ان پر مکمل طور پر عمل کریں تو متعدی امراض سے مکمل حفاظت ہو سکتی ہے اور صحت اپنے عروج پر برقرار رہ سکتی ہے۔ اس زاویہ نظر سے ہم یہاں پر آپ ﷺ کے کچھ ارشادات سے زندگی کے مثبت رخ

اور صحت کی مکمل بحالی کے نظام کو بیان کر کے ان کی معنویت کو آشکارا کر۔نہ کی کوشش گے۔

مریض کے ساتھ گھل مل جانے کی ممانعت:

اللہ تعالیٰ کے حبیب نبی اکرم ﷺ نے مریضوں کے ساتھ گھلنے ملنے کی ممانعت اور حکم دیا ہے کہ مریض کو صحت مند لوگوں سے دور رکھا جائے۔ حضرت ابو سلمہ بن عبدال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم سے یہ ر کرتے ہوئے سنا ہے کہ ''بیمار شخص کو صحت مند کے پاس ہرگز نہ لاؤ۔'' (بخاری الطب)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جب تمہیں کسی علاقے سے طاعون پھیل جانے کی خبر ملے تو وہاں مت جاؤ اور کسی ایسے علاقے میں ہو جہاں طاعون پھیل چکا ہو تو وہاں سے ہرگز نہ نکلو۔'' (ب شریف کتاب الطب)

اس ارشاد نبوی ﷺ کی معنویت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جد تحقیقات اس کی مکمل تائید کرتی ہیں اور یہ تسلیم کرتی ہیں کہ اگر کسی علاقے میں کوئی مرض پھیلا ہوا ہو تو وہاں کسی صحت مند کو نہیں جانا چاہیے نہ ہی کسی مریض کو وہاں سے ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ دونوں صورتوں میں صحت مند لوگ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جذام زدہ شخص سے طرح بھاگو جیسے شیر کو دیکھ کر بھاگتے ہو۔'' (بخاری شریف کتاب الطب)

جدید سائنسی تحقیق:

طبی تحقیقات کے جدید تجزیے کی رو سے معلوم ہوا ہے کہ جذام اگرچہ ابتدائی مر میں متعدی مرض نہیں ہے لیکن آخری مرحلے میں پہنچ کر متعدی ہو جاتا ہے۔ مریضوں ساتھ گھلنے ملنے کی مخالفت کے ساتھ آپ ﷺ نے اس طرف بھی واضح اشارہ کر

ضروری سمجھا کہ یہ مرض بجائے خود موثر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہی ایسا ہوتا ہے.
لیے ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک مجذوم کے ساتھ کھانا کھایا.
طرح متعدی مرض کے بذات خود موثر نہ ہونے کا عملی ثبوت پیش کیا۔

کھانے پینے کے اسلامی آداب سے تعدیہ سے حفاظت:

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کھانے سے فراغت کے بعد دستر خ
اٹھاتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔ (بخاری کتاب الاطعمہ)
اس سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ کھانا کھاتے وقت دستر خوان ضرور بچھا لینا چاہیے:
کھانے کے اجزاء زمین پر نہ گریں ورنہ ان پر مکھیاں بیٹھیں گی اور ظاہر ہے کہ مکھیاں بیمار
کی ترسیل اور منتقل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہیں۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ
دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم دیا ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "
شخص کھانے پینے میں بائیں ہاتھ کا استعمال نہ کرے۔ اس لیے کہ شیطان بائیں ہاتھ
کھانا کھاتا ہے۔ (ترمذی کتاب الاطعمہ)

دائیں ہاتھ سے کھانے سے جراثیم سے حفاظت:

دائیں ہاتھ سے کھانے کی حکمت میں طبی نفاست و نظافت پیش نظر ہے کہ بائیں ہا
کو طہارت حاصل کرنے کے لیے خاص کر دیا گیا ہے۔ وہیں تعدیہ کے نقطہ نظر سے بھی ا
کی اہمیت ہے کہ استنجا کرنے کے بعد صفائی کا زیادہ خیال نہ رکھنے کی صورت میں با
ہاتھ کے جراثیم سے آلودہ ہونے کا امکان رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے کھانے سے فراغ
کے بعد بھی ہاتھ صاف کرنے کی ہدایت دی ہے۔ ظاہر ہے کہ بغیر ہاتھ دھوئے کام کر
سے آلودگی اور جراثیم پھیلنے کا امکان رہتا ہے۔
نبی اکرم ﷺ نے پانی صاف رکھنے کی بھی ہدایت کی ہے۔ فرمایا:

''کوئی شخص جب سو کر اٹھے تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اسے دو یا تین مرتبہ دھوئے۔ اس لیے کہ نامعلوم سوتے وقت کے دوران اس کا ہاتھ کہاں کہاں رہا ہو۔'' (ترمذی کتاب الطہارۃ)

احادیث کی تشریح کرنے والوں نے لکھا ہے کہ یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ اس زمانے میں لوگ جنگوں میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے بدن پر زخم رہتے تھے جن میں خارش وغیرہ ہوتی رہتی تھی۔ اس کی وجہ سے سوتے وقت اکثر ان پر ان کے ہاتھ لگ جاتے تھے۔ اسی لیے یہ حکم دیا گیا لیکن اس قسم کی تاویلات کی اب ضرورت نہیں رہی۔ جسم صحت مند ہو تب بھی پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے دھو لینا طبی نکتہ نظر سے ضروری ہے۔

پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینے کی نبوی ممانعت:

پانی کی نظافت ہی کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس لینے اور پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پانی پینے کے دوران میں تین مرتبہ (برتن سے باہر) سانس لیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! ایک سانس میں مجھے سیرابی نہیں ہوتی۔'' (اسی لیے برتن میں سانس لینا پڑتا ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''تم برتن کو سامنے منہ سے ہٹا کر سانس لیا کرو۔'' (ترمذی، ابواب الاشربہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے پانی میں پھونک مارنے سے منع کیا تو ایک شخص نے عرض کیا ''اس میں اگر تنکا نظر آ جائے تو یا رسول اللہ ﷺ پھر کیا کریں؟''

آپ ﷺ نے نہایت شائستگی سے فرمایا۔ ''تھوڑا سا پانی گرا دو۔ جس سے وہ تنکا پانی سے باہر نکل جائے گا۔ (ترمذی، ابواب الاشربہ)

برتن میں سانس لینے کے سائنسی نقصانات:

آنحضرت ﷺ کے ان ارشادات عالیہ کی معنویت کا اندازہ جدید طبی تحقیقات سے ہوتا ہے۔ علم منافع الاعضاء (Physiology) سے ثابت ہوتا ہے کہ سانس لینے میں پھیپھڑوں کے اندر جو ہوا جاتی ہے اس میں آکسیجن کی مقدار ۲۱ فیصد، نائٹروجن کی مقدار ۷۹ فیصد اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار بڑھ کر ۵ فیصد ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے باہر نکلنے والی ہوا خطرے سے دو تین فیصد قریب ہوتی ہے۔

اسی طرح جو گیسیں پانی میں حل پذیر ہوتی ہیں۔ پھونک مارنے کے عمل سے وہ پانی میں حل ہو کر مضر صحت ہو سکتی ہیں۔ اس عمل کو اگر لگاتار جاری رکھا جائے تو کئی جان لیوا بیماریوں کے حملے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہم یہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ جو ہوا سانس سے باہر نکلتی ہے اس میں مرض کے اعتبار سے لاکھوں جراثیم پانی میں شامل ہو جاتے ہیں اور اس برتن میں اگر کوئی دوسرا شخص وہ پانی پیئے گا تو یہ جراثیم خود بخود اس کے اندر منتقل ہو جائیں گے اور پھر وہ صحت مندی سے بیماری کی طرف روانہ ہو جائے گا۔

صفائی نصف ایمان ہے:

نظافت ہی کے خیال سے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے برتنوں کو صاف رکھنے اور انہیں گندگی سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جب رات کو سونے لگو تو چراغ گل کر دو' دروازہ بند کر دو' مشکیزے کا منہ باندھ دو اور کھانے پینے کے برتن اچھی طرح ڈھک دو۔'' (بخاری شریف کتاب الاشربہ، ترمذی شریف ابواب الاطعمہ)

حضرت ابو ثعلبہ حبشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے علاقے میں اہل کتاب رہتے ہیں۔ کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر دوسرے برتن مل سکیں تو ان میں نہ کھاؤ' ورنہ پہلے انہیں اچھی طرح دھولو پھر استعمال کرو۔ (بخاری شریف کتاب الذبائح والصید)

۔ کے لگے ہوئے برتن کو ۷ مرتبہ دھونے کا فرمان نبوی ﷺ:

کتا اگر کسی برتن میں منہ ڈال دے تو ایسے برتن کو آپ ﷺ نے خوب اچھی طرح
نے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دی
۔ ''اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات بار دھویا جائے جن میں پہلی اور
ں بار مٹی کے ساتھ دھویا جائے اور اگر بلی منہ ڈال دے تو صرف ایک مرتبہ دھونا کافی
'' (ترمذی شریف، ابواب الطہارت)

۔ کے منہ سے لگا ہوا برتن مٹی سے دھونے پر سائنسی تحقیق:

اس روایت میں سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کتے کے لعاب میں ضرور
خاص چیز ہوتی ہے جس کی وجہ سے اتنے مبالغے کے ساتھ دھونے کا حکم دیا ہے۔
ے یہ کہ مٹی میں ضرور کوئی ایسی خاصیت ہوتی ہے جس سے اس کا اثر زائل ہو جاتا
ویل تجربات و مشاہدات اور طبی تحقیق نے دونوں حقیقتوں کو واشگاف کر دیا ہے۔ طبی
نے ثابت کیا ہے کہ کتے کے لعاب دہن میں ایک مخصوص قسم کے جراثیم ہوتے ہیں
ریبیز وائرس (Rabies Virus) کہتے ہیں۔ ان سے ایک انتہائی موذی اور
رض پیدا ہوتا ہے جس کے اثرات ظاہر ہونے کے بعد کوئی مریض بچ نہیں سکتا۔ اسی
قیقات کی روشنی میں یہ امر مسلمہ سامنے آیا ہے کہ مٹی میں دیگر اجزاء کے علاوہ کثیر
یں نوشادر، شورہ قلمی، امونیم اور کیلشیم آکسائیڈ ہوتے ہیں جن سے اس قسم کے
ا تطہیر ہو جاتی ہے۔

۔ آنے پر فرمانِ نبوی ﷺ:

ر تعالیٰ کے محبوب نبی کریم ﷺ نے ہمارے لیے چھینکنے اور تھوکنے کے آداب بھی
۔ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی چھینکتے

ﻨﮧ (اور ناک) پر ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے اور آواز پست کر لیتے تھے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ﺘﮯ اور تھوکتے وقت منہ پر ہاتھ نہ رکھنے سے امراض پھیلنے کا خطرہ:

اس عمل کی مصلحت اور حکمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جدید طبی
ت سے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے امراض کھانسی اور چھینک سے منتقل ہونے والے
سے پھیلتے ہیں۔ الیکٹرانک مائیکروسکوپ سے معلوم ہوا ہے کہ چھینک سے ایک سیکنڈ
ارہ لاکھ ذرات ہوا میں خارج ہوتے ہیں۔ ان ذرات میں جراثیمی نو آبادیات
(Colo) قائم ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ ذرات بارہ سے تین منٹ تک پھیلنے
حیت رکھتے ہیں اور نصف گھنٹے تک فضا میں تیرتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان میں
، بچوں میں چیچک، خناق وبائی، کالی کھانسی، نمونیا اور دق کے جراثیم شامل ہوکر
کی پیدائش کا سبب بن سکتے ہیں۔

موضوع نمبر ۵

آکسیجن (ہوا) پر ارشادات نبوی ﷺ اور جدید تحقیقات

طب نبوی ﷺ اور آکسیجن:

خالق کائنات کا یہ دعویٰ بجا ہے کہ ''تم میری نعمتوں کا شمار نہ کر سکو گے۔''
بے شمار انعامات ہیں جن سے ہم دن رات فیض یاب ہوتے ہیں۔ ہم یہاں صرف سانس کے حوالے سے بات آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں کہ خورد و نوش کی تنگی کئی گھنٹے تک برداشت کی جاسکتی ہے مگر سانس کا ساڑھے تین منٹ رکنا زندگی کے خاتمے کی علامت ہوتی ہے۔ تازہ ہوا کا سائنسی نام آکسیجن ہے اور کیمسٹری یا کیمیا ہمیں اس کے تیار کرنے کے دو تین طریقوں سے روشناس کراتی ہے اور وہ بھی محدود پیمانے پر طبی یا صنعتی ضرورت کے لیے۔

ہر جاندار کی بنیادی ضرورت آکسیجن ہے اور دنیا کا کوئی کارخانہ یا ہر ملک میں لگے بے شمار پلانٹ کرہ ارض پر پیدا شدہ جانداروں کے لیے آکسیجن کی ضرورت پیدا نہ کر سکتے تھے۔ رب، جس کے معنی پرورش کنندہ کے ہیں، نے جاندار مخلوق کی تخلیق سے پہلے ان کے لیے سانس کی بنیادی ضرورت پوری کرنے کی خاطر نباتات و اشجار پیدا کر کے ان کو آکسیجن بنانے کی فیکٹریوں میں تبدیل کر دیا۔ ہر فیکٹری کو چلنے کے لیے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا ایندھن فراہم کرنے کا خود کار نظام وضع فرمایا۔

آکسیجن کی تیاری کے لیے سورج کی روشنی کو مددگار بنایا کہ دن میں اشجار کے سبز پتے آکسیجن بنا کر جانداروں کو سپلائی کریں اور ہر جاندار اس آکسیجن یعنی تازہ ہوا کو سانس کے

ذریعے اپنے پھیپھڑوں میں کھینچ کر جسم کے اندر استعمال ہونے والے خون کو بعد از استعمال تازگی بخشے اور پھر بعد از استعمال اس زہریلی ہوا کو بصورت کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کردے کہ اس کا جسم میں رہنا مہلک بیماریوں کو جنم دیتا ہے۔ انسانی یا حیوانی سانس سے خارج ہونے والی کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس درختوں کی خوراک ٹھہری۔

جانداروں کی پرورش کے لیے، پرورش کنندہ کا کس قدر مربوط خودکار نظام ہے۔ کیا دنیا کو کوئی عقلمند ترین ماہر کیمیا ایسا وسیع نظام قائم کرسکتا تھا۔ جانداروں کی پرورش کے نظام کا یہ صرف ایک پہلو ہے۔ پھر یہ بھی کہ تازہ آکسیجن والی ہوا کو وزن دیا کہ وہ انسانی سروں سے اوپر اٹھ کر کمی کا سبب نہ بنے اور استعمال شدہ کاربن ڈائی آکسائیڈ پھیپھڑوں سے خارج ہونے کے سبب ہلکی ہونے کے ناتے سروں سے اوپر چلی جائے تاکہ دوسروں کے سانس میں مل کر انہیں بیمار نہ کردے۔

آکسیجن کے استعمال کے بعد کاربن ڈائی آکسائیڈ کے ہلکا ہو کر اوپر اٹھنے میں کمال یہ ہے کہ جانداروں کے، انسانوں سمیت بڑے سے بڑے مجمع میں سانس کے ذریعے لگنے والی بیماریوں کی شرح انتہائی کم رہتی ہے خصوصاً کھلی ہواؤں میں۔ ایک دوسرے کے سانس سے تپ دق کی طرح بیماریاں زیادہ تر بند کمروں میں، گھٹن کے ماحول میں اکٹھے رہنے سے پھیلتی ہیں۔ کھلے ماحول میں دوسرے عوامل سبب بن جائیں مثلاً برتنوں کا پرہیز وغیرہ تو الگ بات ہے، سانس اس قدر شدید کردار ادا نہیں کرتا۔

کھانے پینے کی چیزوں میں پھونک نہ مارنے کا حکم:

حضرت محمد ﷺ کسی یونیورسٹی سے فارغ کیمیا دان نہ تھے۔ وہ امی (ان پڑھ) ﷺ تھے مگر خالق کائنات کی ''یونیورسٹی'' سے اعلیٰ ترین ڈگری ''رحمت اللعالمین'' ان کے پاس تھی۔ آج سے ساڑھے 14 سو سال پیشتر ہادی برحق ﷺ نے امت مسلمہ کو بالخصوص اور بنی نوع انسان کو بالعموم یہ نصیحت فرمائی کہ کھانے اور پینے کی اشیاء پر پھونک نہ مارو۔ 1450 سال قبل نہ آکسیجن اور نہ ہی کاربن ڈائی آکسائیڈ سے کوئی آگاہ تھا اور نہ ہی جراثیم کا علم تھا۔

......''ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔'' (ترمذی)

......''ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔'' (ترمذی، موطا)

برتن میں پھونک نہ مارنا اور جدید سائنسی تحقیق:

جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق جب جاندار سانس اندر کھینچتا ہے تو یہ اس کے پھیپھڑوں میں جاتا ہے۔ پھیپھڑوں میں انتہائی باریک نالیاں ان کے آخری سروں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ان نالیوں کے ساتھ تازہ اور استعمال شدہ خون کی الگ الگ نالیاں بھی پھیپھڑوں میں گئی آکسیجن استعمال شدہ خون کو کثافتوں سے صاف کر کے سانس باہر نکالتے وقت کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس میں بدل جاتی ہے۔ یوں خالق نے اس سانس کے اخراج کا خودکار نظام ازل سے ابد تک طے کر رکھا ہے۔

رحمت للعالمین ﷺ نے مخلوق کو' خصوصاً اہل ایمان کو کثافتوں ملی کاربن ڈائی آکسائیڈ سے بچانے کی خاطر فرمایا کہ پینے کے پانی یا کھانے کے برتن میں پھونک نہ مارو' یا گرم چیز کو پھونکوں سے ٹھنڈا نہ کرو' یا یہ کہ پانی یا دیگر مشروب پینے کے دوران (گلاس پیالہ وغیرہ) میں سانس نہ لو۔ حکمت یہی ہے کہ جسم کے اندر سے سانس کے ساتھ نکلنے والی کثافتیں (جراثیم وغیرہ) دوبارہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کے، مشروب یا کھانے میں شامل ہونے کے ساتھ معدے میں جا کر بیمار نہ کر دیں۔

آپ ﷺ کے فرمان پر عمل کرنے سے اتباع رسالت کا اجر' اتباع رسالت کا ثواب اور اس پر مستزاد ذاتی فائدہ کہ جسم مختلف امراض کے حملوں سے محفوظ ہوتا ہے بغیر کسی کے دام۔ مگر انسان کس قدر کم فہم ہے کہ وہ زبان کے چسکے کی خاطر یا ''فیشن کے چلنے'' کی خاطر بعض ایسے کام کر لیتا ہے جن میں سراسر جسمانی، روحانی نقصان واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ صرف ایک ہی مثال پیپسی اور کوکا کولا کی دیکھیے۔

ں میں موجود کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کے مضر اثرات:

پیپسی کولا، کوکا کولا اور گیس والے سبھی مشروبات میں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس ہوتی
و بوتل کے پانی میں جذب ہو کر کاربانک بنتے انسان کے معدے میں پہنچتی ہے اور
اکٹروں کی رائے میں یہ انتہائی مضر ہے۔ یہ مضر ہی تھی تو خالق نے اسے جسم سے خارج
ضروری جانا مگر ہماری نادانی کہ پیسے خرچ کر کے اسے معدے میں ڈالتے ہیں۔ یہ
نی نقصان ہے۔

معاشی نقصان یوں ہے کہ محض فیشن کی خاطر مہنگے مشروب اسراف ہیں۔ معاشرتی
ن یہ ہے کہ ایسی مشروب ساز کمپنیاں اپنا منافع مسلمان معاشرے کے خلاف لگاتی
رب کائنات کے نظام اور محسن انسانیت ﷺ کے فرمان کا یہ صرف ایک پہلو ہے۔ اس
بیل میں جو بھی جائے گا، اسے مزید بہت کچھ ملے گا اور ملتا رہے گا کہ کوئی فرد تمام
صرف کر کے بھی تکمیل کا دعویٰ نہ کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب نبی ﷺ کے
رامین میں بے شمار کتب سے بھی زیادہ حکمت و بصیرت ہے۔ اس حکمت و بصیرت تک
بھی خالق کی عطا کردہ توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس سے ہر لمحہ توفیق طلب کرتے
میں ہی عافیت ہے۔

موضوع نمبر ۶

پرندوں کو قید کرنے کی ممانعت

اور جدید سائنسی تحقیقات

اسلام نے پرندوں کو قید کرنے سے منع فرمایا حضور ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی تاریخ کو ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں کہیں نہیں نظر آتا کہ اس زمانے میں پرندوں کو قید کیا جاتا ہو بلکہ حضور ﷺ نے پرندوں کو قید کرنے سے منع فرمایا۔ جیسا کہ ذیل کے واقعہ سے پتا چلتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں ایک سفر میں ہم نے فاختہ کے دو چھوٹے بچے پکڑ لیے جس سے ان کی ماں چاروں طرف گھبرا کر اڑنے لگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا بچوں کو چھوڑ دو۔''

ایک اور جگہ حضور ﷺ کا ایک عام ارشاد ہے۔ ''کسی جانور کو دکھ نہیں دینا چاہیے، بلکہ کسی مصیبت زدہ جانور کی خدمت موجب ثواب ہے۔''

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

ومامن دآبة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم (الانعام. ۳۸)

''زمین پر چلنے والا کوئی جانور اور پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں جو تمہاری ہی طرح ایک امت نہ ہو۔''

اب دور جدید نے بھی پرندوں کو قید کرنے کی ممانعت کردی اور دنیا بھر میں اب کئی ادارے پرندوں کی آزادی اور انکی نسلیں بڑھانے کے لیے کام کررہے ہیں ذیل میں ہم چند اداروں کی تحقیقات و تجربات پیش کررہے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

پرندوں کوقید کرنے پر ہالینڈ کی میڈیکل تحقیق:

رنگ برنگ اور سریلی آوازوں والے پرندے پالنا اکثر حضرات کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ خصوصاً بچوں کے لیے ان پرندوں میں دلچسپی کا بہت سامان ہوتا ہے۔ انہیں دانہ کھلانا' اپنی بولی سکھانا اور کاندھے پر بٹھانا بچوں کا بہترین شغل ہوتا ہے۔ لیکن کچھ ماہرین نے تحقیق کر کے اس مشغلے کے نقصانات بھی گنوائے ہیں۔ انہوں نے خبردار کیا ہے کہ پالتو پرندے' پالنے والے کی صحت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

ہالینڈ میں طبی تحقیق کے ماہرین نے دریافت کیا ہے کہ جو لوگ طوطے اور چڑیاں پالنے کے شوقین ہوتے ہیں ان میں پھیپھڑوں کے سرطان میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ ایسے افراد کو یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ پرندوں کے پنجرے کمروں میں نہ رکھے جائیں بلکہ انہیں صاف ستھری کھلی فضا میں رکھا جائے اور ان پنجروں کی صفائی کا بھی خاطر خواہ خیال رکھا جائے۔

سٹاکوسس (PSITTA COSIS) پالتو پرندوں سے لگنے والا مرض:

سٹاکوسس (PSITTACOSIS) کو طوطا بخار بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بخار طوطوں' کبوتروں' قمریوں' بٹیروں اور دوسرے پالتو پرندوں کے ذریعے سے پھیلتا ہے۔ اس مرض کی علامات تپ محرقہ یا نمونیا جیسی ہوتی ہیں۔ ان جانوروں سے دور رہنا اس مرض سے دور رہنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے۔

دمہ اور تپ یا دوسرے الرجی یا حساسیت کے امراض پیدا کرنے میں اور وجوہ کے ساتھ ساتھ جانوروں کے پروں' پشم یا بالوں اور بول و براز کو بڑی حد تک دخل ہے۔ جانوروں سے بڑوں یا بچوں کو کتنا ہی پیار و محبت ہو یا فائدہ ہو رہا ہو' ہر حالت میں صحت انسانی مقدم ہے' لہٰذا ان سے اس حد تک پیار و محبت جائز ہے جس حد تک آپ محفوظ رہیں۔

پرندوں کے پروں سے جلدی امراض کا خطرہ:

یورپی میڈیکل تحقیق کے مطابق جو افراد پرندوں کو پالتے (قید کرتے) ہیں یا ا
اپنے سے قریب رکھتے ہیں تو ایسے پرندوں کے پروں سے جھڑنے والے بال اور جر
انسانی جسم میں داخل ہو جاتے ہیں اس سے کئی جلدی بیماریاں جنم لیتی ہیں اور یہ سرطا
سبب بھی بن جاتے ہیں۔ جانوروں خصوصاً کتے اور بلیوں کا رواں بھی الرجی پیدا کرتا ہے

پرندوں کو قید کرنے کا نقصان اور چنگ یا نچیاؤ کی ریسرچ:

انسان کی فطرت کے ساتھ ہم آہنگی اور اس کی پر مسرت زندگی کی آخری تصویر چنگ
یا نچیاؤ کے لفظوں میں پیش کی جاتی ہے۔ چنگ (1693-1765ء) نے یہ عبارت ایک
میں لکھی تھی۔ جس میں اس نے پرندوں کو پنجروں میں قید رکھنے پر اپنی ناخوشی کا اظہار
تھا۔ یہ خط اس کے چھوٹے بھائی کے نام ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> "میں نے لکھا ہے کہ پرندوں کو پنجروں میں بند کر کے نہیں رکھنا چاہیے۔ یہ نہ سمجھنا کہ مجھے پرندوں سے محبت نہیں لیکن چاہت کا بھی ایک دستور ہوا کرتا ہے۔ پرندے رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ گھر کے اردگرد کوئی سو ایک درخت لگا دیئے جائیں اور پرندوں کو ان کی سرسبز چھاؤں میں اپنی ایک الگ بادشاہت قائم کرنے اور اپنے گھر بنانے کی کھلی چھٹی دے دی جائے۔ چنانچہ جب اس صورت میں جب ہم صبح کو نیند سے بیدار ہوں گے اور ابھی بستر پر کروٹیں ہی بدل رہے ہوں گے تو ہمیں آسمانی نغمے کی طرح پرندوں کے ان گنت چہچہے سنائیں گے...... بستر سے اٹھنے کے بعد منہ دھوتے ہوئے یا کپڑے پہنتے ہوئے یا صبح کی چائے پیتے ہوئے ہمیں ادھر ادھر اڑتے ہوئے پرندوں کے شاندار بال و پر نظر آئیں گے۔ ایک پر نظر نہیں جم جائے گی کہ دوسرا سامنے آ جائے گا...... اور یہ وہ لطف ہے جو کسی ایک

پرندے کو پنجرے میں بند کر کے رکھنے سے کسی طور پر حاصل نہیں ہوسکتا۔

زندگی کا لطف عام طور پر، اس انداز نظر سے حاصل کرنا چاہیے گویا یہ کائنات ایک باغ ہے۔ دریا اور جھیلیں اس باغ میں چھوٹے چھوٹے تالابوں کی مانند ہیں اور اس باغ میں ہر ذی روح اپنی فطرت کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرسکتا ہے۔ صرف اسی طرح گہری اور سچی خوشی حاصل ہوسکتی ہے..... ذرا اس کا مقابلہ اس بے رحمی سے کیجیے جس کے ماتحت پرندوں کو پنجرے میں بند کر کے یا زندہ مچھلیوں کو شیشے کے مرتبان میں رکھ کر ان کے بال و پر، رنگ اور چھچھوں سے لطف حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔"

موضوع نمبر ۷

وضو کا استعمال کیا ہوا پانی اور جدید سائنسی تحقیقات

وضو کا استعمال کیا ہوا پانی دوبارہ نہ استعمال کرنے کا حکم:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''وضو کے پانی سے گناہ جھڑتے ہیں اور یہ پانی گندہ ہوتا ہے' اسے دوبارہ استعمال نہ کیا جائے۔''

وضو کا پانی اور جدید سائنسی تحقیق:

وضو کے استعمال شدہ پانی میں ناپاکی شامل ہوتی ہے۔ اب طب نے اس ناپاکی کو ہمارے سامنے کھول دیا ہے۔ جدید تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ جسم کے کھلے حصے مثلاً چہرہ' گردن' ہاتھ' بازو اور پاؤں خصوصیت کے ساتھ جراثیم کی آماجگاہ ہوتے ہیں جو اکثر اوقات صفائی نہ ہونے کے سبب جلدی سرطان اور جلدی کینسر کی طرف لے جاتے ہیں۔ خالق کائنات نے قرآن حکیم اور صاحب قرآن کے ذریعے دن میں انہی اعضاء کو وضو کے ذریعے دھونے کا حکم دیا۔ دن میں پانچ بار وضو کرنے سے ان اعضاء سے میل اور جراثیم ختم ہو جاتے ہیں۔ ماہرین جلد اکثر ننگے رہنے والے جسمانی اعضاء کو احتیاط سے دھونے کی تاکید کرتے ہیں کہ ان کا دھلتے رہنا ہی بیماری سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

موضوع نمبر ۸

حضور ﷺ کے دور کا علاج (پچھنے لگوانا)

اور جدید سائنسی تحقیقات

پچھنے لگوانے پر احادیث نبوی ﷺ:

طب نبوی ﷺ میں بہت سے امراض کا علاج بغیر دواء کے کرنے کا بکثرت ذکر آتا ہے۔ آج کل ترقی یافتہ اقوام اس طریقہ علاج کی دیوانی ہورہی ہیں۔ جو **Alternativ Medicin** کے نام سے موسوم ہے۔ کیونکہ دل ادویات کھا کھا کر تنگ آ چکے ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ادویات کا یہ کمال ہے کہ ایک مرض کے لیے دواء کھاؤ تو کم از کم دو مرض پیدا ہوجاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ملٹی نیشنل کمپنیاں تیزی سے پھیلتی اور پھولتی جارہی ہیں۔ ہزار گنا تک منافع کمارہی ہیں۔

عربی میں ''الحجامۃ'' لفظ کے معنی پچھنا لگوانا یا کھنچوانا ہے۔ احادیث میں بکثرت آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ مختلف امراض کے لیے اور مختلف امراض سے بچاؤ کے لیے پچھنے لگواتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

۱...... صحیحین میں بہ روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن چیزوں سے تم علاج کرتے ہو ان میں بہتر ''پچھنا'' لگا کر علاج کرنا ہے۔

۲...... سنن ابن ماجہ کی روایت میں انس بن مالک کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ میں اس رات جس رات مجھے معراج میں لے جایا گیا جب بھی میں کسی گروہ پر گذرتا تو وہ گروہ کہتا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم دو۔

۳...... جبکہ یہی حدیث جامع ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ پچھنے لگانا ضروری جانو اے محمد ﷺ۔

۴...... صحیحین میں حدیث طاؤس جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں مروی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے پچھنا لگوایا اور پچھنا لگانے والے کو اس کی اجرت دی۔

۵...... جامع ترمذی میں عباد بن منصور کی روایت حضرت عکرمہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معالجے کا بہترین طریقہ ناک سے دواء چڑھانا' منہ سے کھلانا' پچھنے لگوانا اور سحر خرامی ہے۔

چند امراض جن میں پچھنے لگوانا مفید ہے:

درج بالا حدیث نمبر ۵ میں ہی ہے۔

۱...... کہ عمدہ غلام پچھنا لگانے والا ہے۔ جو پچھنا لگا کر خون نکالتا ہے۔ جس سے ریڑھ اور پشت کی گرانی جاتی رہتی ہے۔ نگاہوں کو روشنی بخشتا ہے۔

۲...... حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی گردن کے پہلوی حصوں اور گردن کے زیریں حصوں پر پچھنا لگوایا کرتے تھے۔

۳...... آپ ﷺ تین بار پچھنے لگواتے ایک بار اپنے مونڈھے پر اور دو بار گردن کے پہلوی حصے پر۔

۴...... صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک کی روایت کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ نے دردسر کی بنا پر پچھنا لگوایا جس سے آپ متاثر تھے۔

۵...... ابن ماجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام پہلو، گردن و دوش پر پچھنا لگوانے کا حکم لے کر نازل ہوئے۔

۶...... ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کولہے پر پچھنا لگوایا کیونکہ کولہا موچ کھا گیا تھا۔

۷...... طبرانی کی روایت ہے تم گدی کی ہڈی کے ابھار پر پچھنا لگواؤ اس لیے کہ اس میں ۷۲ بیماریوں سے نجات ملتی ہے (یہ وہ مقام ہے جہاں آکوپنکچر کا اہم DU14 پوائنٹ

واقع ہے)۔ پچھنا لگوانے سے متعلق ایک اور عمل فصد ہے۔ اس میں متعلقہ مریض کی رگ سے خون نکال لیا جاتا ہے۔ یہ بھی کافی امراض میں مفید ہے۔ بخاری و مسلم کی روایات میں:

١...... نبی کریم ﷺ نے فرمایا' سب سے عمدہ علاج جو تم علاجاً کرتے ہو پچھنا لگوانا اور فصد ہیں۔

٢...... دوسری حدیث میں ہے' بہترین دواء پچھنا لگوانا اور فصد ہے۔

پچھنے لگوانا اور جدید سائنسی تحقیق:

تجربات واحادیث سے ثابت ہوا ہے کہ پچھنے لگانے اور فصد سے درج ذیل امراض میں فائدہ ہوتا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں: جوڑوں کا درد' موچ، آدھے سر کا درد ''Migraqine'' بلڈ پریشر' گردن کے پٹھوں اور مہروں کا درد (Cervical Spondylosis) عرق النساء Sciatica۔ الرجی Allergy' چھپاکی' خون کی خرابی، جلدی امراض' دمہ Asthma' ٹانسلز' جگر' تلی اور پھیپھڑوں کے اکثر امراض، آنکھوں کے امراض' حیض کے امراض' جلدی امراض' خارش، چنبل' دنبل' خبل یا بواسیر وغیرہ میں مفید ہے۔

جدید میڈیکل سائنس کی طرف سے اس طریقہ علاج کی مخالفت میں سنگی اور جونکوں وغیرہ کی صفائی نہ ہونے سے انفیکشن کے خطرے کا واویلا کیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی چھوت کے امراض کا ایک سے دوسرے کو لگنے کا خدشہ بیان کیا جاتا تھا۔ اس کی افادیت کو دیکھتے ہوئے جدید میڈیکل سائنس نے اسے جدید شکل دے کر ایسے آلات تیار کیے ہیں کہ اگر اس کا علم حاصل کر کے اس طریقہ علاج کو اپنایا جائے تو نہ صرف مہنگی ادویات کا خرچ بچ جائے بلکہ مستقل امراض سے بھی نجات مل جائے جو کہ مرتے دم تک جان نہیں چھوڑتے۔

فصد کا متبادل آج کل خون کا عطیہ دینا ہے لیکن اس میں بھی ہمیں علم ہونا چاہیے کہ فصد جسم کے کس حصے میں کن امراض کے لیے مفید ہے؟ اور کس وقت فائدہ ہوگا۔ پھر اس وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے خون کا عطیہ دیں تو ثواب کے ساتھ ساتھ مرض سے بھی نجات مل جائے گی۔

چین نے پچھنا لگانے کے لیے جدید آلات تیار کیے ہیں۔ جدید میڈیکل سائنس میں پچھنا لگانے کے عمل کو Cupping کہتے ہیں۔

پاکستان میں بھی طب نبوی کو فروغ دینے کے لیے چین سے Cupping Set منگوائے گئے ہیں۔ مختصر ٹریننگ کے بعد ہر شخص اور معالج اس طریقہ علاج کو اپنا سکتا ہے۔ جس میں ان کے آسان استعمال، کس مرض میں کہاں پچھنا لگانا مفید ہے؟ ہفتے میں کس دن اور کس وقت پچھنا لگانا مفید ہے؟ مہینے کی کن تاریخوں میں یہ عمل مفید اور کن میں مضر ہے؟ کس قسم کے مریضوں میں فصد اور کس قسم کے مریضوں میں تو پچھنا اور کن میں خشک مفید ہے؟ اور کیسے مریضوں کو انفیکشن، اور چھوت کے امراض سے بچایا جا سکتا ہے؟ کیونکہ کوئی بھی علم حاصل کیے بغیر اگر عمل کیا جائے تو فائدہ کی بجائے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔

موضوع نمبر ۹

کافر کو دوست بنانے اور اس کی صحبت اختیار کرنے کی ممانعت اور جدید سائنسی تحقیقات

کافر سے دوستی پر فرمان نبوی ﷺ:

جو لوگ اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ کیا ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ پس ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے۔ (سورۂ نساء۔ 139)

کیا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' یہ سمجھتے ہیں کہ وہ میرے بندوں کو میرے بغیر ہی دوست بنالیں گے۔ (سورہ کہف۔ 102)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تم دیکھ لو کہ کس سے دوستی کر رہے ہو۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن آدمی کا حساب کتاب اس کے ساتھ ہوگا جس کو وہ دوست رکھتا ہے۔''

جب ہم کسی چیز کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو اسے دیکھتے ہیں دیکھنے سے ہمیں اس چیز کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور ہم اس کی صفات کو سمجھ لیتے ہیں۔ جب کسی چیز کو دیکھتے ہیں یا اس کے بارے میں سوچتے یا سنتے ہیں تو اس چیز کی ذات اور صفات محسوسات بن کر ہمارے INNER میں داخل ہو جاتی ہیں۔ یہ عمل بہت ہلکا ہو یا محض ادراک کی سطح پر ہو بہر حال ایسا ہوتا ضرور ہے۔ سرسبز و شاداب درخت کو دیکھ کر یا اس کا تذکرہ کر کے ہمارے اندر

فرحت، شگفتگی اور ٹھنڈک کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اسی قانون کے تحت جب ہم کسی دوسرے فرد کو دیکھتے یا اس کا تصور کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں اس فرد کے نام کے ہجے نہیں آتے بلکہ اس کی ذات اور شخصیت کا مکمل عکس ہمارے تصور میں آ جاتا ہے۔

بچہ اپنی ماں یا ماحول کے دوسرے افراد سے تحریری طور پر کوئی سبق نہیں لیتا۔ محض تخلیقی ربط اور ذہنی قربت اور تعلق کی وجہ سے وہی زبان بولنے لگتا ہے جو اس کی ماں کی زبان ہے۔ یا جو زبان اس کے ماحول کے افراد بولتے ہیں۔ وہ زبان کی ساخت، الفاظ اور جملوں سے کسی تلقین و تاکید کے بغیر بتائے وہی مطلب اخذ کرتا ہے جو دوسرے افراد سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کی عیسائی یا دیگر مذاہب سے وابستہ لڑکے لڑکیوں کی دوستی کو فخر سمجھتے ہیں مگر وہ اس حقیقت کا ادراک نہیں رکھتے کہ جس طرح کریلے کا بیج بو کر سیب کبھی حاصل نہیں کیے جا سکتے اسی طرح اپنے بچوں کی دیگر غیر مسلم بچوں سے دوستی کے بعد ان کو اپنے بچے مسلمان نہیں بلکہ آدھے کافر ہی ملیں گے، کیونکہ جب کوئی بھی چاہے بچہ ہو یا بڑا کسی برے آدمی کی صحبت میں بیٹھے گا تو اسکی عادتیں اور خصائل برے ہی ہوں گے چہ جائیکہ بہترین، آیئے اب اس ضمن میں جدید تحقیقات ملاحظہ فرمایئے۔

کافر سے دوستی اور جدید سائنس کی تصدیق:

اب یہ مسئلہ جدید سائنسی تحقیق کے بعد حل ہو چکا ہے کہ کسی کی صحبت اختیار کرنے سے اس کی عادات کیوں منتقل ہو جاتی ہیں اور ایک آدمی کے خیالات دوسرے کو کس طرح متاثر کرتے ہیں؟ GEORGES LAKLOV SKY نے اپنی کتاب SECRET LIFE میں لکھا ہے "دماغ سے نہایت لطیف برقی لہروں کا اخراج ہوتا ہے جو فضا میں نشر ہو جاتی ہیں۔ یہ دماغی برقی لہریں سیکنڈ کے دسویں حصے میں کرۂ ارض کا چکر لگا لیتی ہیں۔"

ہم جب سوچتے ہیں یا کوئی خیالی تصویر بناتے ہیں تو ہمارے دماغ سے نکلنے والی یہ خیال کی لہریں جو برقی مقناطیسی اثر رکھتی ہیں۔ خود ہمارے اپنے اوپر، دوسروں پر یا پورے ماحول پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس سے یہ تجسس پیدا ہوا کہ کیا خیال کی تصویر بھی اتاری جا سکتی

ہے۔ گذشتہ صدی میں کئی افراد نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے انسانی خیالات کی تصویر اتاری ہے۔ ڈاکٹر آسکر برنلر اپنی کتاب RAYS AND RADIATION میں لکھتا ہے "پروفیسر بارڈول پہلا شخص تھا جس نے اس پر کام کیا اور خیال کی تصویر اتاری۔ ڈاکٹر فنٹز نے اپنے خیالات پر مبنی تصویروں کی سیریز شائع کی۔"

ایک امریکی مصنف فلائڈ آئرونگ لور بیئر نے اپنی کتاب PHILOSOPHY OF LIGHT میں لکھا "3 فروری 1943ء کے لاس اینجلس ٹائم میں ڈاکٹر جے ایم کروز کے انسانی خیالات کے کھینچے ہوئے فوٹو شائع ہوئے کچھ تصویریں دوسری تصویروں کی نسبت صاف تھیں۔ اس کام میں ڈاکٹر ایڈیسن پٹیائٹ اور لاس اینجلس یونیورسٹی کے ڈاکٹر اے بلیمی نے ڈاکٹر کروز کی مدد کی تھی۔" اسے THOUGHTOGRAPHY کا نام دیا گیا ہے۔

سائنسی لحاظ سے یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ تمام مادی اجسام کے جسم سے ریڈیائی لہروں کا اخراج ہوتا ہے جو دوسرے لوگوں کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ اس سے یہ عقدہ اب کھل گیا ہے کہ کسی کے بدلے ہوئے رویئے سے دوسرا آدمی پیشگی کیسے اس کے خیالات جان لیتا ہے اور محتاط ہو جاتا ہے۔ جب کوئی شخص دوسرے آدمی سے دوستی کرتا ہے تو اخذ کرنے کے اسی قانون کے تحت دوست کی شخصیت کا عکس اس میں نمایاں ہونے لگتا ہے۔ جیسے جیسے تعلق بڑھتا ہے دلچسپیاں یکساں ہونے لگتی ہیں۔ ایک آدمی کسی نمازی سے دوستی کرنا چاہتا ہے تو اس کی یہی عادت اخذ کرتا ہے جب دونوں کی دلچسپیاں یکساں ہوتی ہیں تو دوستی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کوئی شخص برے افعال میں مبتلا آدمی مثلاً شرابی، جواری، غیبت خور اور جھوٹے آدمی سے دوستی کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی انہی افعال میں دلچسپی محسوس کرنے لگتا ہے۔

اہل روحانیت فرماتے ہیں:

"جب بندہ اختیاری طور پر اللہ کی پسندیدہ طرز فکر اختیار کر لیتا ہے تو اس کا ذہن ہر آن، ہر لمحہ اس طرف متوجہ رہتا ہے کہ میں وہ کام کر رہا ہوں جو اللہ کے لیے پسندیدہ ہے۔ بار بار کے اعادے سے اس کے اندر یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، جو کچھ ہو چکا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ تمام انبیائے کرام کے اندر یہ طرز فکر راسخ ہوتی ہے۔ انبیاء اس طرز فکر کو حاصل کرنے کا اہتمام اس طرح کیا کرتے تھے کہ وہ

کسی چیز کے متعلق سوچتے تو اس چیز کے اور اپنے درمیان کوئی رشتہ براہ راست قائم نہیں کرتے تھے۔

ان کی طرز فکر ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ کائنات کی تمام چیزوں کا اور ہمارا مالک اللہ ہے' کسی چیز کا رشتہ براہ راست ہم سے نہیں ہے بلکہ ہم سے ہر چیز کا رشتہ اللہ کی معرفت ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی یہ طرز فکر مستحکم ہو جاتی اور ان کا ذہن ایسے رجحانات پیدا کر لیتا کہ وہ جب کسی چیز کی طرف مخاطب ہوتے تو اس چیز کی طرف خیال جانے سے پہلے اللہ کی طرف خیال جاتا۔ انہیں کسی چیز کی طرف توجہ دینے سے پیشتر یہ احساس عادتاً ہوتا کہ یہ چیز ہم سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اس چیز کا اور ہمارا واسطہ محض اللہ کی وجہ سے ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اسی قانون کو بیان فرمایا ہے۔

اللہ کے نیک بندے پیغمبروں' رسولوں اور اولیائے کرام کی طرز فکر اختیار کرتے' جذب کرتے' اپناتے یا قبول کرتے ہیں جبکہ جن لوگوں نے کفر کیا ان سے اللہ تعالیٰ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وہ میرے بندوں کو میرے توسط کے بغیر دوست بنا لیں گے۔ ایسا ہونا ناممکن ہے کیونکہ یہ نیک لوگ اللہ کو میڈیم بنا کر ہر شئے کو دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی قانون بیان فرمایا ہے کہ جس فرد کی طرز فکر اختیار کی ہوگی۔ اس کا حساب کتاب انہی کے ساتھ ہوگا۔

موضوع نمبر ۱۰

انسانی دل کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ

پر جدید سائنسی تحقیق

دل کے بارے میں 1400 سال پہلے کا ارشاد نبوی ﷺ:

حضور ﷺ نے دل کے بارے میں ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

ان فی الجسد مضغه اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القب (مسلم 'ابن ماجه)

ترجمہ: بے شک جسم میں ایک لوتھڑا ایسا ہے کہ اگر وہ ٹھیک رہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ وہ لوتھڑا دل ہے۔

اس حدیث سے عیاں ہے کہ یہ روحانی دل یا قلب (MIND) کے بارے میں نہیں ہے بلکہ جسمانی دل کی صحت کے بارے میں ہے جس کی تصدیق میڈیکل سائنس نے اب کی ہے۔ (دونوں کے بارے میں اس حدیث کو مان لیا جائے تو کیا حرج ہے؟

دل کے خراب ہونے سے جسمانی صحت خطرے میں:

خون کی احسن طریقے سے فراہمی کے لیے جہاں شریانوں کا صحیح ہونا ضروری ہے وہاں دل کی صحت بھی اشد ضروری ہے کیونکہ یہی پمپ گندا خون جسم میں سے لے کر پھیپھڑوں میں آکسیجن حاصل کرنے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ (CORBON

(DIOXIDE) اور دیگر مضر گیسوں کے اخراج کے لیے بھیجتا ہے۔ اور پھیپھڑوں سے لے کر شہ رگ میں پمپ کرتا ہے اور اس طرح شریانوں کے ذریعے جسم کے ہر حصے میں خوراک اور آکسیجن (OXYGEN) پہنچاتا ہے۔

دل کے خراب ہونے سے تمام اعضائے جسمانی کی صحت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ان جسمانی کیفیات کا علم ہمیں صدیوں کی سائنسی تحقیق کے بعد حاصل ہوا ہے لیکن غور فرمایئے ہمارے رہبر اعظم ﷺ نے آج سے چودہ سو برس پیشتر کس درجہ سادہ اور عام فہم انداز و الفاظ میں اس حقیقت کو اپنے ارشاد گرامی کے ذریعے بیان فرما دیا تھا۔

موضوع نمبر ۱۱

دوپہر کا قیلولہ اور جدید تحقیقات

قیلولہ:

دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر سونا نہایت مفید ہے۔ بالخصوص گرمی کے موسم میں جب کہ دن لمبے ہوتے ہیں۔ دوپہر کو ضرور سونا چاہیے۔ سونے سے اعضائے رئیسہ دل اور دماغ کو آرام ملتا ہے۔ دل کے مریض کے لیے قیلولہ بہت فائدہ مند ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر استراحت فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا بھی اس پر عمل تھا۔ اس ضمن میں صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ کتب میں متعدد احادیث درج ہیں:

استعینوا بطعام السحر علی قیام النھار والقیلولہ علی قیام اللیل (ابن ماجه کتاب الصوم، ص ۱۲۳)

ترجمہ: روزے کی مدد سحری کے کھانے سے اور رات کے قیام کی مدد دن کے قیلولہ سے کیا کرو۔

قیلولے پر طبی تحقیق:

حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کیا جائے اور رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی۔ یہ حدیث بہت ہی اہم طبی حقائق کی نشان دہی کرتی ہے۔ کھانے کے فوراً بعد اور غذا کے ہاضمے کے لیے جسم کے مختلف حصوں سے خون نظام انہظام میں آ جاتا ہے تاکہ کھانے کو ہضم کرنے کے ساتھ، مختلف مراحل سے گزار کر گلوکوز بنا سکے اور یہ خون کا حصہ بن جائے۔ خون کے اس اجتماع کی وجہ سے غنودگی اور سستی طاری ہوتی ہے۔

یہ سستی ہاضمے کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔اس طرح مختلف نظام ہائے جسم کو اپنا اپنا کام کرنے کا وقت مل جاتا ہے اور انسان تازہ دم ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔دوپہر کو قیلولہ کرنے میں دوسری مصلحت یہ ہے کہ اس سے تمام جسم شام تک کام کرنے کے لیے دوبارہ تیار ہو جاتا ہے۔یوں انسان کی قوت کار بڑھ جاتی ہے۔

قیلولے سے کارکردگی میں اضافہ اور جدید تحقیق:

ہارورڈ یونیورسٹی میں ہونے والے ایک مطالعے سے ثابت ہوا ہے کہ کام کے دوران مسلسل مصروف رہنے والوں کی ذہنی صلاحیتیں ماند پڑ جاتی ہیں جب کہ اس دوران دوپہر کے آغاز پر تھوڑی جھپکی لینے والوں کی ذہنی صلاحیتیں تازہ دم ہو کر صبح کے وقت کی طرح بڑھ جاتی ہیں۔مطالعے میں شامل 30، افراد کا دن میں چار مرتبہ امتحان لیا گیا۔انہیں تیز رفتاری کے ساتھ مختلف اشیاء کی ٹیڑھی ترچھی تصویریں دکھائی گئیں۔دن بھر مسلسل کام کرنے والے دس افراد کی یادداشت کی صلاحیت 50فی صد پائی گئی جب کہ ایک گھنٹہ آرام کرنے والوں کا حافظہ صبح کی طرح تیز' تازہ اور حاضر پایا گیا۔یہاں تک کہ صرف نصف گھنٹہ آرام کرنے والوں کی کارکردگی بھی بہتر پائی گئی۔

موضوع نمبر ۱۲

پیشاب کا ناپاک ہونا اور جدید میڈیکل تحقیقات

پیشاب سے بچنا قول نبوی ﷺ کی روشنی میں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دو قبروں کے قریب سے گزرے، تو فرمایا:
ان دونوں قبروں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور ان کو عذاب دیا جانا (تمہاری نگاہ میں) کسی بڑی چیز کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان میں سے ایک پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ایک سرسبز شاخ منگوائی اور اس کو نصف سے چیر کر دونوں قبروں پر ایک ایک گاڑ دی صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے ایسا کیوں فرمایا ہے؟ تو فرمایا: اس امید پر کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں گی۔ ان (مردوں) کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ (بخاری شریف)
حضور ﷺ نے اپنی امت کو پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کی تاکید فرمائی اور حاجت کے وقت ایسا طریقہ بتایا جس پر عمل کر کے ہر انسان پیشاب کے چھینٹوں سے بچ سکتا ہے اور پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے پر عذابات خداوندی سے ڈرایا آج 1400 سال بعد سائنسی تحقیقات کہہ رہی ہیں پیشاب کے چھینٹوں سے بچیے ورنہ کئی بیماریوں میں مبتلا ہو جائیں گے آیئے اب چند سائنسی تحقیقات ملاحظہ فرمائیں۔

پیشاب کے چھینٹوں کا میڈیکل نقصان:

اسلام نے پیشاب کو ناپاک اس لیے قرار دیا ہے کہ انسان کو اس سے نقصان پہنچنے کا قوی امکان ہوتا ہے۔ پیشاب کے زہریلے جراثیم اجسام انسانی میں داخل ہو کر مہلک قسم

کے امراض پیدا ہونے کا سبب بن جاتے ہیں خاص طور پر مہلک امراض میں مبتلا ہونے والے انسان وحیوان کا پیشاب زیادہ خطرناک چیز ہے۔ اس کے اندر بیماری کے ایسے زہریلے جراثیم پائے جاتے ہیں جو دوسروں کے اجسام میں داخل ہو کر یکایک صحت میں فتور پیدا کردیتے ہیں۔

پیشاب میں عام طور پر بیکٹیریا بیسی لس کولائی (BACILLUS COLI) بکثرت پائے جاتے ہیں اس کے علاوہ پروٹیس اور پائیونیا۔ ٹیوبرکل بیسی لائی گردوں کو ماؤف کردیتا ہے جس سے گردوں میں ٹی بی ہوجاتی ہے ان کے علاوہ پیپ پیدا کرنے والے جراثیم سٹے فلوکوکائی (STAPHYLOCOCCI) اور (STREPTOCOCEL) بھی پائے جاتے ہیں۔

پیشاب میں نہایت چھوٹا سا لوریائی جرثومہ پایا جاتا ہے جو تھوڑی دیر رکھی ہوئی پیشاب میں نہایت آسانی کے ساتھ پیدا ہوجاتے ہیں۔

پیشاب میں ہر مرض کے جراثیم خارج ہوا کرتے ہیں اور تیز قسم کا زہریلا تیزاب بھی پایا جاتا ہے جس کے انسانی جسم پر لگ جانے سے جلد کے امراض پیدا ہوجایا کرتے ہیں اس لیے اسلام جسم انسانی پر پیشاب گرنے یا چھینٹے پڑنے پر پاک مطلق پانی سے تین بار پاک کرنے کا حکم صادر کرتا ہے تاکہ انسان جلد کی بیماریوں سے محفوظ رکھ سکے۔

پاخانہ کیوں ناپاک ہے؟:

پاخانہ انسان کا ہو یا اس حیوان کا جو حرام گوشت ہیں اور خون جہدہ رکھتے ہیں ناپاک ہے یہاں تک حلال گوشت کے جانوروں کے پاخانے سے بھی دور رہنا چاہیئے۔ مہلک جراثیم اس میں بھی ہوتے ہیں۔ ایک تندرست انسان کے پاخانے میں 24 گھنٹے کے اندر 128 نیل جراثیم خارج ہوتے ہیں جن میں اکثر مردہ ہوتے ہیں۔

پاخانے میں غذا کے ناقابل ہضم اور غیر ہضم شدہ اجزاء کے علاوہ آنتوں کی رطوبات اور فضلات بھی موجود ہوتے ہیں انسان کی آنتوں میں کئی قسم کے کرم ہوتے ہیں جنہیں آنتوں کے کیڑے (کرم) امعا کہا جاتا ہے جو انسانی صحت کے دشمن ثابت ہوتے ہیں اور

یہی حیوانات کے پاخانے میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل کرم ہیں۔

چرنے THREAD WORMS　　ہک ورم HOOK WORMS

کیچوے ROUND WORMS　　کدو دانے TAPE WORMS

پیچس میں لکیر کی مانند جراثیم AMOEABA DYSENTERY لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے اس کو ناپاک قرار دیا ہے اور اس کے چھونے پر تین بار آب مطلق سے پاک کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور اسے کھانے کو حرام قرار دیا ہے تاکہ انسانی صحت کو نقصان نہ پہنچے۔ چونکہ کئی امراض انسانی حیوانی براز کے ذریعے پھیلتے ہیں اس لیے ضروری اور بہتر ہے کہ انسان براز میں چونا وغیرہ ڈال کر جراثیمی امراض کا خاتمہ کرے۔

موضوع نمبر ۱۳

جانوروں کے شرعی ذبیحے پر
جدید سائنسی تحقیقات

جانوروں کے شرعی ذبیحے پر ایک مثال:

آپ لوگ بحیثیت مسلمان کے جب گوشت خریدنے جاتے ہیں تو کیا آپ کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ ہم جو گوشت خرید رہے ہیں وہ اسلامی طریقے سے حلال ہوا ہے، صحت مند جانور کا ہے اور پاک صاف ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایک کٹے ہوئے جانور کو دیکھ کر ان سب باتوں کا کیسے اندازہ لگا سکتے ہیں جو اوپر دی گئی ہیں!

تو اس کے لیے ہم آپ کو چند مثالیں دیتے ہیں جو نہ صرف ان سوالوں کا جواب ہوں گی بلکہ آپ کو ذبح کی شرعی افادیت سے بھی آگاہ کریں گی اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مصلحت بھی سمجھ میں آجائے گی! تو ہم بات کر رہے تھے کٹے ہوئے جانور کے بارے میں!

یہاں ہم ایک مثال دیتے ہیں۔ ذرا غور کریں! خاص طور پر بہنیں! کبھی آپ سبزی کاٹ رہی ہوں اور اچانک آپ کی انگلی کٹ جائے تو یقیناً آپ سسکاری بھرتے ہوئے دوسرے ہاتھ کی مدد سے انگلی سے نکلتے خون کو روکنے کی کوشش کریں گی، اپنی انگلی کو دبا کر۔

یہاں آپ غور کریں 'سسکاری بھرنے' پر! یہ عمل کیا ہے! آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ یہ ایک طرف سے سانس کو الٹا لینا یعنی اندر کھینچ کر روکنے کا قدرتی فعل ہوتا ہے جو آپ قدرتی طور پر کرتی ہیں اور اپنی قوت ارادی سے اپنے بہتے خون کو روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔

جھٹکے کے گوشت سے خون کیوں جمتا ہے:

اسی طرح اگر جانور غیر شرعی طریقے سے کاٹا گیا ہو یعنی ''جھٹکے'' کے ذریعے جیسے غیر مسلم کرتے ہیں جس سے ایک ہی وار سے جانور کے سر کو اس کے تن سے الگ کر دیا جاتا ہے تو وہ بے زبان اللہ کی مخلوق بھی حسیات کی قوت رکھنے کی بدولت اپنی وقت ارادی کو استعمال کرتے ہوئے اپنے خون کو بہنے سے روکنے کی کوشش کرتا ہے مگر سر تن سے جدا ہونے کی بدولت دماغ کا باقی جسم سے رابطہ ختم ہو چکا ہوتا ہے اس لیے جانور کی سسکاری اور قوت ارادی کے نتیجے میں خون بہنے سے رک تو جاتا ہے مگر نارمل گردش میں نہیں آ پاتا۔

''جھٹکے'' کی بدولت خون جسم کے اندر جم جاتا ہے! اور ایسے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے کیونکہ اس پر ایک تو اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا ہوتا ہے دوسرے اس میں خون جم جانے کی بدولت ایک عجیب سی ''بو'' پیدا ہو جاتی ہے جو ظاہر ہے بیکٹیریا کے جمے ہوئے خون پر اپنی کارکردگی کی بدولت پیدا ہوتی ہے اور اس طرح یہ خون جما گوشت جراثیم سے بھی پر ہوتا ہے اور شرعی لحاظ سے بھی حرام! اب آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کیسی حکمت ہوتی ہے کہ ''جھٹکے'' کا گوشت نہ صرف اللہ تعالیٰ کا پاک نام نہ لینے کی بدولت حرام قرار دیا جاتا ہے بلکہ غلط طریقے سے جانور کو کاٹنے کی بدولت وہ مختلف بیماریوں کی بنیاد بھی بن جاتا ہے جس کے نتائج بعد میں ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ مغربی ممالک میں ہو رہا ہے۔

اسلامی طریقے سے ذبح کرنے کے فوائد پر کھلے دلائل:

اسی لیے ہمارے مذہب میں جانور کو ذبح کرنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اسے تمام دنیا کے دانشور تسلیم کرتے ہیں کہ اس طریقے سے حلال کیا ہوا جانور ایک تو شرعی تقاضے پورے کرتا ہے دوسرے اللہ تعالیٰ کی مصلحت بھی ظاہر کرتا ہے۔ آیئے اب ہم ایک نظر 'ذبیحہ' کے اسلامی طریقے پر ڈال لیں تاکہ آپ کی سمجھ میں اس گفتگو کا مقصد پوری طرح آ جائے۔

ہمارے ہاں شرعی طریقۂ ذبیحہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:

سب سے پہلے جانور کے دو دانت دیکھو! یعنی جانور میں سامنے کے دو دانت ہونا

ضروری ہیں۔ پھر ذبح کرنے سے فوراً پہلے جانور کو پانی پلاؤ! پھر اسے ٹہلاؤ اور اس کی کمر پر ہاتھ پھیرو اور اسے تھپتھپاؤ! اس کے بعد جانور کو قبلہ رخ لٹا کر تیز دھار چھرے سے اسے 'بسم اللہ اللہ اکبر' کہتے ہوئے ذبح کرو!' اس طرح جانور کی شہ رگ جب کٹتی ہے تو تمام خون بہہ جاتا ہے اور جسم کے اندر نہیں رک پاتا جس کی بدولت جانور کے گوشت میں کراہیت آمیز بو نہیں ہوتی کیونکہ شرعی طریقہ ذبیحہ میں جانور کا سرتن سے جدا نہیں کیا جاتا بلکہ صرف شہ رگ کاٹی جاتی ہے جس کی بدولت جب تک جسم و دماغ کا رابطہ منقطع ہو' تمام خون جانور کے جسم سے باہر نکل چکا ہوتا ہے۔

اس طرح گوشت میں جراثیم کی فوراً کارروائی نہیں شروع ہوتی۔ اس مقام پر آپ کے ذہن میں اوپر دی ہوئی عبارت کی یہ لائنیں ضرور گھوم رہی ہوں گی کہ جانور کو پانی پلا کر نہلانے اور اس کی پیٹھ تھپکنے سے کیا مقصد ہے! تو اس کو اس مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ ہمارے گھروں میں بوڑھے بزرگ لوگ عام طور پر اپنے بچوں' پوتے پوتیوں اور نواسیوں وغیرہ سے اپنی کمر اور ہاتھ پیر دبواتے ہیں جس کے نتیجے میں انہیں ڈکار آتی ہے یعنی ان کی رگوں میں رکی ہوئی ہوا جسے آپ **Air Lock** بھی کہہ سکتے ہیں' خارج ہو جاتی ہے اور وہ آرام محسوس کرتے ہیں۔

اسی طرح پانی کی طلب آپ اس مثال سے سمجھ لیں کہ جب بڑے یا بچے باہر سے گھر میں آتے ہیں تو سب سے پہلے پانی مانگتے ہیں کیونکہ دھوپ کی گرمی اور بھاگ دوڑ سے ان کے جسم کے اندر سے پانی پسینے کی صورت میں خارج ہو جاتا ہے اور خون گاڑھا ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کی بدولت تھکن وغیرہ کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ جو پانی پینے سے ختم ہو جاتی ہے اور تازگی و فرحت محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ پانی معدے سے فوراً خون میں حل ہو کر اسے پتلا کر دیتا ہے اور وہ رگوں میں نارمل طریقے سے رواں رہتا ہے۔

اسی لیے ''شرعی ذبیحہ'' میں پانی پلا کر جانور کی رگوں میں خون کو نارمل انداز میں رواں رکھا جاتا ہے اور اس کی کمر سہلا کر اس کے اندر رگوں میں دبی ہوا کو خارج کر کے اسے ہر لحاظ سے تازہ کر دیا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کرنے سے پہلے اور اس کے ساتھ ہی اللہ کے بندے کے لیے اس طرح کے تازہ صحت مند جانور کا گوشت بھی لذیذ اور صحت مند ہوتا ہے۔

جانوروں کے دانت دیکھنے کی حکمت پر عقلی دلیل:

تو یہاں تو ہم 'شرعی ذبیحہ' کی اہمیت سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ اب صرف ایک نکتہ بچتا ہے کہ جانور کے دو دانت کیوں دیکھنے چاہیے!

اس میں بھی ایک بڑی مصلحت پوشیدہ ہے۔ 'دو دانت' کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ جانور ''سن بلوغ'' کو پہنچ چکا ہے اور اس کی ہڈیوں میں گودا بن گیا ہے۔ دراصل جو جانور سن بلوغ کو نہیں پہنچتا اس کی ہڈیوں میں گودے کے بجائے خون کا جال موجود ہوتا ہے۔ جو ذبح ہونے کے بعد اندر موجود رہتا ہے اور صحت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے کہ کتنا ہی گوشت کو دھولو وہ خون پوری طرح صاف نہیں ہوتا! تو یہ بات ہمارے مذہب میں تو پندرہ سو سال پہلے بتا دی گئی تھی جبکہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن والے اب بتا رہے ہیں۔

اسی لیے دیسی مرغی کے مقابلے میں برائلر مرغی کو پسند نہیں کیا جاتا کیونکہ دیسی مرغی کے سن بلوغ کی عمر 6 ماہ ہوتی ہے جبکہ برائلر مرغی کی پوری عمر صرف 10 ہفتے ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا جسم تو بڑا ہو جاتا ہے مگر دماغ چھوٹا ہوتا ہے کہ وہ انسانی غذاؤں سے نہیں بڑھتا! اور یہی وجہ ہے کہ جب آپ مرغی والے سے برائلر مرغی کو پنجرے سے نکالنے کو کہتے ہیں تو وہ فوراً نکال کر پنجرے پر بیٹھا دیتا ہے جہاں وہ بیٹھی رہتی ہے جبکہ دیسی مرغی کو وہ پنجرے سے نکالنے سے منع کر دیتا ہے کیونکہ وہ باہر نکلتے ہی دوڑنے لگتی ہے کیونکہ وہ سن بلوغ کو پہنچ چکی ہوتی ہے۔

اس کی ہڈیوں میں گودا بن چکا ہوتا ہے جو اسے توانائی بخشتا ہے جبکہ برائلر مرغی کی ہڈیوں میں خون کا جال موجود ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ان مرغیوں کی ہڈیاں کھانے یا چبانے سے منع کیا جاتا ہے۔ یہ بات آپ نے چکن تکہ کھاتے ہوئے بھی محسوس کی ہوگی کہ اتنی شدید سفکائی کے باوجود مرغی کی ہڈیوں میں سرخی مائل رگیں نظر آتی ہیں جو کہ جمے ہوئے خون کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اسی طرح دو دانت والے جانور کی مثال ہے جو آپ اب مزید اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے!

دو کانوں پر لٹکے ہوئے بڑے اور چھوٹے جانور کے گوشت کو پہچاننے کا طریقہ:

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قصائی کی ماربل لگی عمدہ دکانوں میں ٹنگے ہوئے گوشت کو کیسے پہچانیں کہ یہ دو دانت کا جانور ہے کہ نہیں! تو اس کا آسان طریقہ وہی برائلر مرغی اور دیسی مرغی کے فرق والا ہے یعنی آپ جانور کی ٹانگ کے گھٹنے کی ہڈی کو کٹوا کر دیکھیں کہ اس میں گودا ہے یا نہیں! اگر نہیں ہے اور خون کا جال ہے تو وہ دو دانت کا بلوغت کو پہنچا جانور نہیں۔ اس لیے اس کا گوشت ہرگز نہ خریدیں چاہے اس میں سے خون نما پانی کیوں نہ ٹپک رہا ہو کیونکہ وہ دراصل خون نہیں پلازما Plasma ہوتا ہے۔ اور اگر گودا موجود ہو اور گوشت بھی گلابی ہو اور اس کی بوٹیاں بنتے ہوئے خون نہ نکل رہا ہو تو اس کا مطلب ہے کہ یہ جانور سن بلوغت کو پہنچ چکا ہے اور اس کا گوشت صحت مند اور لذیذ ہوگا جسے کھانا درست ہے۔

شرعی ذبیحے میں اللہ کی مصلحت:

تو دیکھا آپ ''شرعی ذبیحے'' کے اندر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی مصلحت پوشیدہ ہے کہ وہ ہمیں ایسا گوشت فراہم کرتا ہے جس میں جانور کی رگوں میں دوڑتا ہوا تمام خون پانی پلانے کی بدولت 'پتلا ہو کر بہہ جاتا ہے اور ہمیں جراثیم سے پاک گوشت کھانے کو ملتا ہے جو ہمیں مختلف بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور دو دانت کے سن بلوغت کو پہنچنے والے جانور کے اندر بھی ہمیں رکا' جما' خون کا جال نہیں ملتا جو گوشت کو اس قدر جراثیم کش بنا دیتا ہے کہ وہ معدے میں پہنچتے ہی ہمیں مختلف تکالیف اور بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ جانور کے گودے میں خون نہیں ہوتا اس لیے اس کا گوشت کھانے کے بعد بھی صحت وفرحت بخشتا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی امت کو کتنی صدیوں پہلے اپنی نشانیوں سے آگاہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس امت پر گوشت حلال کر کے کھانے کا حکم دیا تو اس کا طریقہ اور وجہ بھی بتا دی۔ اسی لیے تو سورہ رحمٰن کی یہ آیت یہاں بھی درست ثابت ہوتی ہے ''اور تم اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

موضوع نمبر ۱۴۱

درختوں کا دیکھنا اور سننا اور جدید سائنسی تحقیقات

اسلامی تعلیمات ہمیں جس طرح انسانوں اور حیوانوں سے اخلاقیات کی تلقین کرتا ہے اسی طرح نباتات پودوں اور درختوں کی حفاظت اور ان کی بے حرمتی سے روکنے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے ہمیں پودوں اور درختوں کو لگانے کی تعلیم دی ہے۔ جبکہ سائنس آج 1400 سال بعد تصدیق کر رہی ہے کہ درخت سنتے ہیں زندہ ہیں اپنے احساسات رکھتے ہیں درختوں کے سننے اور احساسات رکھنے کے واقعات کتابوں میں بکثرت ملتے ہیں اور بہت سے حیوانات ونباتات اور جمادات نے اولیاء کرام سے گفتگو کی جن کی حکایات بکثرت کتابوں میں مذکور ہیں۔

چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ بیت المقدس کے راستے میں ایک چھوٹے سے انار کے درخت کے سایہ میں اتر پڑے' تو اس درخت نے بآوازِ بلند کہا کہ اے ابواسحٰق! آپ مجھے یہ شرف عطا فرمائیے کہ میرا ایک پھل کھا لیجئے' اس درخت کا پھل کھٹا تھا' مگر درخت کی تمنا پوری کرنے کے لیے آپ نے اس کا ایک پھل توڑ کر کھایا' تو وہ نہایت ہی میٹھا ہو گیا۔ اور آپ کی برکت سے وہ سال میں دوبارہ پھلنے لگا اور وہ درخت اس قدر مشہور ہو گیا کہ لوگ اس کو رُمَّانَةُ الْعَابِدِيْنَ (عابدوں کا انار) کہنے لگے۔ (حجۃ اللہ ج ۲۔ ص ۸۵۶)

(اسی طرح حکیم لقمان کے بارے میں مشہور ہے کہ درخت' پودے اور جڑی بوٹیاں خود ان سے ہمکلام ہو کر انہیں اپنے خواص اور فوائد سے آگاہ کرتیں......)

آیئے اس بارے میں آج جدید سائنسی تحقیقات کیا کہتی ہیں ملاحظہ فرمایئے:

مضمون کا عنوان پڑھنے کے بعد شاید آپ کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ کیا پودے اور درخت بھی یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ وہ کچھ سوچ سکیں؟.....صحیح اور غلط کی تمیز کر سکیں اور اپنے خیالات کا اظہار بھی کر سکیں؟.....اگر یہ حقیقت ہے تو کیا ہم بھی پودوں اور درختوں سے گفتگو کر سکتے ہیں؟.....

گو کہ جدید سائنس کے تحت نباتات کے متعلق طویل عرصے سے تحقیقات جاری ہیں لیکن ابھی سائنسدان اس نکتے تک نہیں پہنچ سکے جہاں پر وہ مشاہدہ کر سکیں کہ کیا پودے مکمل حواس رکھتے ہیں یا صرف بات کر سکتے ہیں؟..... لیکن کچھ منچلے سائنسدانوں نے پودوں سے گفتگو کرنے اور ان کی باتیں سمجھنے کے حوالے سے دلچسپ تجربات بھی کیے ہیں۔

پودوں میں سوچنے سمجھنے اور اپنا ردعمل ظاہر کرنے کی صلاحیت پر جدید ترین تجرباتی تحقیق:

اس سلسلے میں سب سے پہلا نام کلیو باکسٹر کا آتا ہے۔ کلیو باکسٹر Cleve Backester سی آئی اے کا ایک ریٹائرڈ ملازم تھا۔ اس نے اپنے گھر میں ذاتی تجربات کے لیے جھوٹ پکڑنے والی مشین رکھی ہوئی تھی۔ یہ مشین جھوٹ یا سچ بولنے کی صورت میں جسم میں ہونے والی تبدیلیوں مثلاً خون کے دباؤ، تنفس کی رفتار رگوں اور پٹھوں کا کھنچاؤ، تناؤ وحرکات اور جلد پر دوڑنے والے خفیف کرنٹ کی تبدیلی کو ظاہر کرتی ہے۔ باکسٹر نے ان تبدیلیوں کو ریکارڈ کرنے کے لیے پولی گراف نامی ایک مشین اس کے ساتھ منسلک کر رکھی تھی جو تبدیلیوں کے اتار چڑھاؤ کو گراف کی صورت میں ظاہر کرتی تھی۔

اس طرح اس مشین کے تاروں کو جس شخص سے منسلک کر دیا جاتا، اس کے جھوٹ یا سچ بولنے پر جسم میں Conductivity میں اضافہ ہوگا۔ چنانچہ ایک دن اس نے یہ مشین پودے کے ساتھ لگا کر یہ دیکھنا چاہا کہ آیا ان نباتات میں بھی زندگی کے آثار موجود ہیں کہ نہیں؟ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جوں جوں پانی پودے میں جذب ہو رہا تھا موصلیت میں کمی ہوتی جا رہی تھی۔ باکسٹر نے پودے کی اس کیفیت کا اندازہ لگایا کہ وہ بھی انسان کی طرح پرسکون تجربے سے گزر رہا ہے۔ برقی مشین اور پولی گراف کے اس عمل نے باکسٹر کو اور زیادہ متجسس کر دیا.....

پودے کی جذباتی کیفیات کو مزید جانچنے کے لیے اس نے پودے کی ایک ٹہنی کو گرم کافی میں ڈبو دیا مگر یہ دیکھ کر وہ دل برداشتہ ہو گیا کہ برقی مشین نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔

پھر اس نے سوچا کہ پتے کو جلانا چاہیے۔ عین اسی لمحے جب باکسٹر نے یہ سوچا تو ڈرامائی طور پر مشین کی پن نے بہت تیزی سے حرکت کی..... حالانکہ باکسٹر نے یہ الفاظ تو اپنی زبان سے ادا کیے تھے، نہ ہی اس نے پودے کو چھوا تھا اور نہ ہی اس نے کوئی حرکت کی تھی۔ بہر حال وہ ماچس لینے چلا گیا...... جب ماچس لے کر واپس کمرے میں داخل ہوا تو پولی گراف کی پن پھر ایک جست سے بلندی پر پہنچ گئی..... جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ پودے نے خوف کا اظہار کیا ہے۔

اس کے بعد باکسٹر نے جھوٹ موٹ پودے کو جلانے کا ارادہ کیا اور ماچس جلا کر پودے کے قریب لے گیا..... اور ماچس کی جلتی ہوئی تیلی پتے سے جھوٹ موٹ چھ کر دی مگر گراف کی پن نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا..... ان تجربات سے باکسٹر کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ پودے نا صرف انسانوں کے خیالات کو پڑھ سکتے ہیں بلکہ ان کے سچے اور جھوٹے ارادوں کو بھی پہچان لیتے ہیں۔

باکسٹر نے یہ بھی محسوس کیا کہ جب کوئی دوسرا شخص پالتو کتا، ٹڈا، پتنگا یا کوئی بھی جانور کمرے میں داخل ہوتا تو پودا پولی گراف پر اپنا ردعمل ظاہر کرتا....... باکسٹر کے پودے خود اس کے لیے خصوصی ردعمل کا اظہار کرتے..... اگر وہ گھر سے باہر بھی ہوتا اور کسی جگہ گھوم کر واپس جانے کا ارادہ کرتا یا کسی کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچتا تو گھر میں رکھا پودا پولی گراف پر اپنا اضطراب ظاہر کرتا...... پولی گراف کی پن تیزی کے ساتھ حرکت کرتی اور ریکارڈ گراف کی صورت میں ظاہر کر دیتی......

باکسٹر اسے اپنی اسٹاپ واچ کے ذریعے چیک کر لیتا تھا...... ایک دن پودوں کے ساتھ کام کرتے کرتے اس کی انگلی زخمی ہو گئی اس نے جب زخم پر آئیوڈین لگائی تو درد محسوس ہوا ادھر پولی گراف پر پودے نے بھی شدید ردعمل ظاہر کیا جو شاید باکسٹر کے درد پر اپنی ہمدردی کا اظہار کر رہا تھا۔

پودوں پر پیار و محبت کے اثرات:

آدمی کے دل میں پودوں کے لیے پیار و محبت ہو تو وہ جلدی بڑھتے ہیں...... امریکہ

میں ڈاکٹر تھلمیا ماس نے کرلین فوٹوگرافی کی مدد سے نباتات پر جو تجربات کیے ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محبت بھرے لمس کے احساس سے پودے کے Aura کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

پیار اور محبت پودے کے لیے ایک نادیدہ خوراک کا کام کرتی ہے جس کی وجہ سے پودے جلدی بڑھتے ہیں اور خوبصورت اور صحت مند پھل پیدا کرتے ہیں۔ اگر آپ بھی چاہتے ہیں کہ پودے ہمیں بہترین سبزیاں اور میٹھے میٹھے پھل کھلائیں۔ ان کی گھنی چھاؤں میں بیٹھ کر ہم زیادہ آکسیجن حاصل کریں اور وہ خوبصورت پھولوں سے فضا کو معطر کریں تو ہمیں چاہیے کہ ان کی دیکھ بھال پیار و محبت سے کریں۔

نیوجرسی کے ٹیلی گرافک آفیسر پیرے پاول کی پودوں سے باتیں:

انٹرنیشنل ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف آفس نیو جرسی کا آفیسر پیرے پاؤل ساؤون Pierre Paul Sauvin ایک الیکٹرانک انجینئر تھا۔ جب اسے کلیو باکسٹر کے تجربات کا علم ہوا تو اس نے ان تجربات کو دہرانے اور اس میں جدت پیدا کرنے کا عزم کیا۔ اس نے پن ریکارڈر کی جگہ اوسلواسکوپ Oscilio Scope استعمال کی جو موصلیت کی معمولی سی تبدیلی کو بھی لکیر کی صورت میں کیتھوڈ رے ٹیوب پر ظاہر کر دیتا ہے...... پاؤل نے ایک ایسا آلہ بھی ایجاد کیا جو موصلیت کو ایک آواز کی صورت میں تبدیل کر دیتا ہے اور اس آواز کو ریکارڈ بھی کیا جا سکتا ہے......

پاؤل اپنی ٹانگ کے ساتھ پتلون کے نیچے ہر وقت ایک ریڈیو ٹرانسمیٹر رکھتا تھا۔ جس سے وہ مختلف سگنلز کے ذریعے گھر میں رکھے آلات کو متحرک کرتا' اپنے پودوں سے باتیں کرتا' ان کی صحت اور ضروریات کی خبر گیری کرتا اور پودوں کی منشاء کے مطابق روشنی اور درجۂ حرارت تبدیل کر دیتا...... حتیٰ کہ وہ 80 میل دور سے بھی اپنے پودوں کو پیغام بھیجتا اور وصول کر لیتا تھا۔

پودوں کے ذریعے تشخیص مرض اور دھاتوں کی تلاش کے کامیاب نتائج:

ایک صاحب مرسل ووگل Mercel Vogel جو معالج ہیں۔ انہوں نے بھی پودوں کی مدد سے کامیاب تشخیص علاج شروع کیا ہے۔ اسی طرح قازقستان یونیورسٹی کے سائنسدانوں نے دھاتوں کی تلاش کے لیے ایک پودے پر تجربات کر کے اس سے مدد حاصل کی۔ اس پودے کو ہدایت دی گئی کہ اس کے پاس جو مٹھی رکھی گئی ہے اگر اس میں کسی قسم کی دھات موجود ہوئی تو پودہ محققین کو بجلی کا سا جھٹکا دے گا۔ اگر دھات موجود نہ ہوئی تو جھٹکا نہیں دے گا۔ چنانچہ پودے نے حیرت انگیز طور پر صحیح نشاندہی کی۔

مشہور سائنس دان اور پریذیڈنسی کالج کلکتہ کے پروفیسر جگدیش چندر کی پودوں پر تحقیق:

(انیسویں صدی کے ہندوستان کے مشہور سائنسدان اور پریذیڈنسی کالج کلکتہ کے پروفیسر جگدیش چندر بوس نے بھی پودوں کے بیں حواس پر تحقیق کی۔ انہوں نے ایک آلہ ایجاد کیا جس پر روشنی کے انعکاس سے پودوں کے ریشوں Tisuses کی حرکات کو عدسوں سے بہت بڑا کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس آلے سے پروفیسر چندر نے گاجر، شلجم وغیرہ پر تجربات کیے اور ثابت کیا کہ پودوں کے ریشوں پر بھی تناؤ کھنچاؤ کے اثرات ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے گوشت کے پٹھوں پر...... انہوں نے تحقیق سے یہ ثابت کیا کہ پودے بھی انسان کی طرح کلوروفام سونگھنے سے بے ہوش ہو جاتے ہیں......

پروفیسر چندر نے اپنی تحقیقات ایک کتاب ”پلانٹس رسپونس ایس اے مینز آف فزیالوجی انوسٹی گیشن،، میں شائع کی ہیں...... اور ثابت کیا کہ پودے بھی ایسے ہی تھک جاتے ہیں جیسے حیوانی پٹھے...... اور روشنی جذب کرتے ہیں یعنی بصارت کے معاملے میں پودوں کے پتے اور حیوانی آنکھ میں حیرت انگیز مماثلت ہے۔

پروفیسر باکسٹر کا پودوں پر ایک اور تجربہ:

پہلے پہل تو باکسٹر یہ سمجھتا رہا کہ یہ پودوں کی چھٹی حس ہے مگر پھر سوچا کہ پودوں میں نروس سسٹم تو ہوتا ہی نہیں پھر چھٹی حس کیسے ہو سکتی ہے؟...... بہر حال اسے واضح احساس ہو رہا تھا کہ پودوں کے اندر ایک مضبوط شعور کسی نہ کسی شکل میں ضرور کام کر رہا ہے۔

باکسٹر چونکہ سی آئی اے کا ریٹائرڈ ملازم تھا اس لیے اس نے پودوں کے ان تجربات کو جرم و سراغ رسانی میں آزمانے کا ارادہ کیا...... سب سے پہلے اس نے ایک تجربہ کیا' جس کے لیے اس نے اپنے چھ طالب علموں کو منتخب کیا اور ان سے کہا کہ وہ ہیٹ میں پڑی ہوئی چھ پرچیوں میں سے ایک ایک پرچی اٹھالے اور جس پرچی پر جو کام لکھا ہو' کسی کو بتائے بغیر اس پر عمل کرے......

ان میں سے ایک کی پرچی پر لکھا تھا کہ کمرے میں رکھے دو پودوں میں سے کسی ایک کو اکھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک آؤ...... اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ پودے اکھاڑنے والا شخص کون ہے حتی کہ باکسٹر بھی نہیں جانتا تھا...... صرف پرچی پڑھنے والا شخص جانتا تھا اور وہ پودا اس بات سے واقف تھا......

اس کے بعد باکسٹر نے دوسرے پودے کو عینی شاہد سمجھ کر پولی گراف کی تاریں اس کے ساتھ جوڑ دیں اور سب طالب علموں کو ایک ایک کر کے اس پودے کے پاس جانے کے لیے کہا...... ایک ایک کر کے سب اس پودے کے پاس سے گزرنے لگے جونہی پودے کو اکھاڑنے والا شخص پودے کے قریب آیا تو پودے نے فوراً مشین پر اپنا ردعمل ظاہر کیا...... اس تجربے سے یہ ثابت ہوا کہ پودے بھی دیکھ سکتے ہیں اور ان کی یادداشت بھی ہوتی ہے۔

موضوع نمبر ١٥

قیامت میں انسانی جسم کے اعضاء کی گواہی

اور جدید سائنسی تحقیقات

قیامت میں ہمارے جسم کا ہر ایک عضو گواہی دے گا کہ اس نے فلاں اچھا کام کیا اور فلاں گناہ کیا ہے اور اس روز کوئی شخص اپنے کسی عمل کی تردید یا تکذیب نہیں کر سکے گا۔

قیامت میں جسم کے اعضاء کی گواہی:

خالق کائنات اپنے آخری الہامی صحیفے قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے:

الیوم نختم علی افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون O (یٰسٓ، ٣٦: ٦٥)

ترجمہ: آج (کا دن وہ دن ہے کہ) ہم ان (مجرموں) کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔

اسی آیت کریمہ کی تشریح وتوضیح میں سرور دو جہاں ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

فیختم علی فیه' ویقال لفخذہ ولحمطه وعظمه "انطقی" فتنطق فخذہ و لحمه و عظمه بعمله. (الصحیح المسلم ٢: ٤٠٩)

پس اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ٹانگ' گوشت اور ہڈیوں کو بولنے کا حکم ہوگا۔ پس اس کی ٹانگ، گوشت اور ہڈیاں اس کے اعمال بتائیں گے۔

سیدنا عقبہ بن عامر رحمتہ اللہ علیہ سے بھی اسی مضمون میں ایک حدیث مبارک مروی ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اول عظم من الانسان یتکلم یوم یختم علی الافواہ

فخذه من الرجل الشمال. (الدر المنثور، ٥:٦٢)

(جس روز منہ پر مہریں لگائی جائیں گی) انسان کے جسم کی سب سے پہلی ہڈی جو بولے گی وہ بائیں ٹانگ کی ران کی (ہڈی) ہو گی۔

موجودہ دور کی تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ جو جرم بھی کیا جائے اس کے مجرم کو سائنسی تحقیقات کر کے سامنے لایا جا سکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت میں بھی ہر مجرم کے جرم کا پردہ فاش کیا جا سکتا ہے۔

اسلام اور جینیاتی انجینئرنگ (Genetic engineering):

دور جدید کی طبی تحقیقات میں جینیاتی انجینئرنگ (Genetic engineering) کو خاص مقام حاصل ہے۔ کسی شخص کے جینز (genes) کے مطالعہ سے اس کا نسب، اس کی زندگی کی تمام بیماریاں اور اس سے متعلق بے شمار ایسے حقائق جنہیں عام حالات میں معلوم کرنا ناممکن ہے، جینیاتی انجینئرنگ ہی کی بدولت طشت ازبام ہو رہے ہیں۔ ڈی این اے (Deoxyribonucleic acid) کی تھیوری سے یہ بات بھی ثابت ہوئی ہے کہ انسانی جسم کے ہر خلیے میں انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (Encyclopaedia Britannica) کے دس کروڑ صفحات کے برابر معلوم تحریر کی جا سکتی ہیں۔

یہ دریافت جہاں سائنسی تحقیقات میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے، وہاں اسلامی عقائد کی تصدیق و تائید بھی کرتی جا رہی ہے۔ آج کی طبی تحقیق جن DNA کوڈز کو بے نقاب کر رہی ہے، ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ یہی تحقیق جب اپنے نکتۂ کمال کو پہنچے گی تو ہم ایسے آلات ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جن سے کسی بھی انسان کی گزری ہوئی زندگی کے اچھے برے اعمال طشت ازبام کیے جا سکیں گے۔

یوں طبی میدان میں کی جانے والی سائنسی پیش رفت کا فرس تحقیق اس رخ پر گامزن ہے اور جس دن اس ممکن نے حقیقت کا روپ دھار لیا، دین اسلام کا ایک اور بنیادی ستون ''عقیدہ آخرت'' سائنسی توجیہ سے مزین ہو کر غیر مسلم محققین پر بھی اسلام کی حقانیت آشکار کر دے گا۔

روز قیامت جب تمام انسان بلائے جائیں گے اوران سے حساب کتاب کیا جائے گا تو اُن کے ہاتھ اور پیر اس بات کی گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی دنیوی زندگی میں کیسے اعمال سرانجام دیئے۔ سادہ لوح عقل اسلام کے پیش کردہ اس نظریئے پر ہنگامہ کھڑا کردیتی ہے کہ ہاتھ، پاؤں یا دیگر اعضائے جسمانی آخر کس طرح ہمارے خلاف گواہی دے سکتے ہیں! اس ضمن میں اور بھی ہزاروں سوالات انسانی ذہن میں سر اٹھاتے ہیں جن کا جواب DNA تھیوری میں مل سکا ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے عرب کے اس جاہل معاشرے میں اسلام نے یہ عقیدہ پیش کیا جہاں اذہان جہالت کی گرد میں لپٹے ہوئے تھے اور اپنی جہالت پر فخر کرتے تھے۔ وہ اس اسلامی تصور کو بآسانی قبول نہیں کرسکتے تھے۔ وہ تو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی مطلق حقیقت کو بھی جھٹلاتے تھے، چہ جائیکہ وہ اعضائے انسان کی گواہی دینے کی صلاحیت کو تسلیم کرلیتے اور اس پر ایمان لے آتے۔

بعض ناسمجھ مسلمانوں کا عقیدہ آخرت پر اعتراض:

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی ان جاہل کفار و مشرکین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بعض غیر مسلم اقوام اور مغربی یلغار سے مرعوب بعض نام نہاد مسلمان اپنی کم عملی اور جہالت کی بناء پر بلاتحقیق اسلام کے بنیادی عقیدے ''آخرت'' کو مسلمانوں کی تضحیک وتحقیر کا نشانہ بناتے ہیں۔ اگر وہ جدید سائنسی تحقیقات اور ان کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے حقائق و نظریات کا بخوبی مطالعہ کریں تو وہ اس حقیقت پر پہنچیں گے کہ اسلام ہی آفاقی سچائیوں سے معمور دین ہے۔ جو ہر شعبہ زندگی میں انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔ جینیاتی انجینئرنگ کی تحقیقات جسم انسانی کے ہر خلیے میں اتنی گنجائش ثابت کرچکی ہیں جہاں دس کروڑ صفحات کے برابر معلومات تحریر کی جاسکیں۔ بغیر خوردبین کے نظر نہ آسکنے والا معمولی خلیہ اپنے اندر اتنی وسیع دنیا لیے ہوئے ہے روز آخر اللہ رب العزت کے حکم پر انسانی جسم کا ہر ہر خلیہ اپنی ساری سرنوشت زبانِ حال سے کہہ سنائے گا اور انسان کا سب کیا دھرا اس کی آنکھوں کے سامنے بے نقاب کردے گا۔ یہ اسلام کی تعلیم ہے اور اسی طرف جینیاتی انجینئرنگ کی تحقیقات پیش

قدمی کر رہی ہیں۔

طب جدید کی اس ساری تحقیقات کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات پر ایک نظر کریں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے قول سے بڑھ کر حق کائنات میں کہیں موجود نہیں۔ آج تک سائنس اور طب کی جتنی بھی تحقیقات ہوئیں وہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ نبی مختار عالم ﷺ کی ہر بات' خواہ وہ قرآن مجید ہو یا آپ ﷺ کی حدیث مبارکہ' مبنی برحق ہے اور سائنسی بنیادوں پر کام کرنے والے معاشروں کے لیے اس سے روگردانی ممکن نہیں۔ قرآن و حدیث کا ہر لفظ رسول آخرالزماں ﷺ کی عظمت پر دال ہے اور منکرین عظمت مصطفیٰ کے دل و دماغ پر ضرب کاری ہے۔

ڈاکٹر آرلین کارنی کی تحقیق

(آواز کے ذریعے اپنی کھال کو کان کا بدل بنا سکتے ہیں):

ڈاکٹر آرلین کارنی (Arlene Carney) امریکہ کی الیونائز یونیورسٹی میں سمعیات کے ماہر ہیں۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ انسان کے گردوپیش جو آوازیں بلند ہوتی ہیں وہ انسان کی کھال پر اسی طرح نقش ہوتی رہتی ہیں جس طرح ریکارڈ کے اوپر آواز نقش ہو جاتی ہے۔ پروفیسر موصوف نے تجربات کے بعد بتایا ہے کہ مخصوص آلات کے ذریعے کھال پر منقوش لہروں کو دہرایا جا سکتا ہے ٹھیک اسی طرح جیسے ریکارڈ کی آواز کو گراموفون میں دہرایا جاتا ہے۔ (الرسالہ انگریزی، دسمبر ۱۹۸۴' صفحہ ۲۲)

پروفیسر موصوف نے اس کو کھال کی آواز (Skin Speech) کا نام دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جن لوگوں کے کان کا پردہ خراب ہو گیا ہو اور وہ آوازوں کو صحیح طور پر پکڑ نہ پاتے ہوں وہ مخصوص الیکٹرانک آلات کے ذریعے اپنی کھال کو اپنے کان کا بدل بنا سکتے ہیں اور کھال پر مرتسم آواز کی لہروں کے ذریعے اسی طرح بات کو سن سکتے ہیں جس طرح کان کے ذریعے کوئی شخص سنتا ہے۔ (ٹائمز آف انڈیا ۳۰ مئی ۱۹۸۴)

اسی تحقیقات کو سامنے رکھیے اور پھر قرآن کی سورۃ نمبر ۴۱ کی ان آیتوں کو پڑھیے جن میں بتایا گیا ہے کہ:

''اور جس دن اللہ کے دشمن آگ کی طرف لائے جائیں گے پھر جب وہ آ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں سب ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے کیوں ہمارے خلاف گواہی دی۔ وہ جواب دیں گی کہ اللہ نے ہم کو گویائی دی ہے جس طرح اس نے ہر چیز کو گویائی دی ہے اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور تم دنیا میں اپنے آپ کو اس سے چھپا نہ سکتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی نہ دیں مگر تم نے گمان کیا کہ اللہ کو اس کی خبر ہی نہیں جو تم کرتے ہو اور تمہارے اسی گمان نے جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا تم کو برباد کیا۔ پھر تم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو گئے ہو۔'' (حم السجدہ ۲۳۔۲۰)

انکشاف جرم اور جدید سائنسی تحقیقات:

انسانی معاشرے میں جہاں اور بہت سے روگ ہیں وہاں ایک جرائم کا وقوع ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں چلے جایئے خواہ وہ ملک امیر ہو یا غریب' مہذب ہو یا غیر مہذب اس قسم کے واقعات اکثر سننے میں آتے ہیں مثلاً امریکہ کے کسی کاروباری دن کا اوسط فی گھنٹہ ایک قتل ہے۔ قتل و غارت جعلسازی' چوری' ڈکیتی' اغواء لوٹ مار کی خبریں روزانہ اخباروں میں آتی ہیں۔ مجرم موقع سے فرار ہو جاتا ہے۔ پولیس مشکوک اشخاص کو پکڑ لیتی ہے۔ زدوکوب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح چاروناچار' کردہ یا نہ کردہ جرم کا اقبال کرنا پڑتا ہے۔

سائنس نے جہاں زندگی کے دیگر شعبوں میں ہماری رہنمائی کی ہے وہ یہاں بھی انسان دوستی کا حق ادا کرتی ہے۔

علم جرائم کا یہ بنیادی اصول ہے کہ کوئی بھی جرم خواہ کتنے ہی محتاط طریقے سے کیا گیا ہو اپنا کچھ نہ کچھ نشان پیچھے چھوڑ جاتا ہے' جس سے مجرم کی شناخت اور اسے کیفر کردار تک پہنچانا ممکن ہو جاتا ہے۔

انگلیوں کے نشانات سے مجرموں کی تلاش میں مدد:

دو برطانوی ماہرین کیلشن اور ہرشن نے یہ ثابت کر دیا کہ دو آدمیوں کے انگلیوں کے نشان بلکہ ایک ہی آدمی کے مختلف انگلیوں کے نشانا آپس میں نہیں ملتے۔ اسی لیے زمانہ قدیم سے قیمتی دستاویزات پر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا نشانہ لگانے کا رواج چلا آ رہا ہے۔

مجرم ارتکاب جرم کے وقت کسی نہ کسی چیز کو ضرور چھوئے گا۔ اس طرح اس کی انگلیوں کے نشان وہاں ثبت ہو جاتے ہیں خواہ وہ مدھم ہی کیوں نہ ہوں۔ انہیں تازہ کر کے حساس کیمرہ سے فوٹو لیا جاسکتا ہے۔ مگر شناخت کے لیے ضروری ہے کہ مشکوک لوگوں کے انگلیوں کے نشان پہلے سے ریکارڈ میں موجود ہوں تا کہ ان کے ساتھ موازنہ کیا جا سکے۔

ہوتا یہ ہے کہ باقی جسم کی طرح انگلیوں کے مساموں سے بھی ہر وقت پسینہ خارج ہوتا رہتا ہے۔ جس میں 99% پانی اور صرف ایک فیصدی تیزابی مادہ ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی عام مشاہدہ ہے کہ خوف' غصہ یا خوشی کے موقع پر بدن سے پسینہ زیادہ نکلتا ہے اس لیے عادی مجرم اکثر ربڑ کے دستانے پہن لیتے ہیں۔ ایک دکان میں نقب لگائی گئی کچھ مال چوری ہو گیا ایک بوتل پر ایک نشان ملا نیویارک کی ایک خاتون کو چند دھمکی آمیز خطوط ملے۔ ایک ہزار ڈالر کا مطالبہ کیا گیا تھا اور کہا گیا کہ بصورت عدم ادائیگی اس کی کسی عزیزہ کو اڑا لیا جائے گا۔

پولیس نے ایک ایسے لفافے پر انگلی کا ایک نشان دیکھا۔

تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ نشان ایک مشہور جرائم پیشہ شخص روزن سٹرچ کا ہے۔

لفافے کے اندر کاغذ پر اسی طرح کا ایک اور نشان ملا جو ایک اور شخص کسلر کے انگوٹھے کا تھا۔

دونوں کو گرفتار کیا گیا روزن سٹرچ نے اقبالِ جرم کیا۔ کسلر نے انکار مگر انگلیوں کا نشان ایک واضح ثبوت تھا۔ لہٰذا ایک کو ساڑھے سات سال اور دوسرے کو دس سال قید کی سزا ہوئی۔

بعض اوقات اس قسم کے نشانات پستول' چاقو یا خنجر کے دستے پر بھی رہ جاتے ہیں جن

سے پھر شناخت میں مدد لی جاتی ہے۔

19 دسمبر 1930 کا واقعہ ہے کہ الزبتھ نیوجرسی میں ناجائز طور پر شراب بنانے والوں پر پولیس نے چھاپہ مارا۔ اس کشمکش میں ایک افسر مارا گیا۔ اس واقعے میں دو اشخاص البرٹ سلور برگ اور جان نیومین ملوث تھے ان کی انگلیوں کے نشان مشتہر کردیئے گئے کہ قتل کے ایک کیس میں ان کی ضرورت ہے۔

دو سال بعد سینیٹ پال (مناساٹا) میں دو آدمی قتل ہوئے۔ دو مشکوک آدمی جوشیلر اور جارج ینگ پکڑ لیے گئے ان کے قبضے سے دو بندوقیں بھی برآمد ہوئیں۔ دونوں نے اس واقعے سے انکار کیا لیکن جب ان کی انگلیوں کے نشانات شعبہ تحقیق وتفتیش جرائم کو بھیجے گئے تو معلوم ہوا کہ یہ وہی نیومین اور سلور برگ ہیں جن کی الزبتھ والے قتل میں تلاش تھی۔ بندوقوں کو بہ غور دیکھنے پر ایک اور انگلی کا نشان بھی ملا۔ نشان کو تازہ کر کے اس کی تصویر بھی لی گئی۔ یہ نشان سلور برگ کے داہنے ہاتھ کی پہلی انگلی کا تھا جو اسے مجرم گرداننے کے لیے کافی ثبوت تھا۔ ہاتھ کی انگلیوں کی طرح پاؤں کے نشان بھی مجرم کی شناخت میں مدد دیتے ہیں۔ قدیم یونانی تاریخ میں اسی طرح کے ایک واقعہ کا ذکر ملتا ہے کہ کچھ ڈاکوؤں نے ایک عبادت خانے کو لوٹا لیکن پاؤں کے نشانات جو انہوں نے مرمریں فرش پر چھوڑے ان کی مدد سے وہ گرفتار ہوگئے۔

گولی کے ذریعے مجرموں تک رسائی:

ماہرین کا اندازہ ہے کہ جب بھی کسی بندوق سے فائر کیا جاتا ہے تو بندوق کا گھوڑا گولی پر ایسے نشان چھوڑ جاتا ہے جو قطعی طور پر اس بندوق کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ ایک ہی کارخانے کی بنی ہوئی کتنی ہی بندوقیں لے لیجئے کوئی دو بندوقیں ایسی نہیں ملیں گی جن کے ڈالے ہوئے نقش قطعی ایک جیسے ہوں۔ بالکل یہی صورت پستول یا بندوق کی نالی کی ہے۔ فائر کرتے وقت جب گولی نہایت تیزی سے نال کے اندر سے گزرتی ہے تو اندرونی حلقوں اور نشانات سے ضرور متاثر ہوتی ہے۔ یہی وہ نشان ہیں جو بندوق کی پہچان اور اس کا پتہ لگانے میں مدد دیتے ہیں۔

ایک بنک کے ملازم کی کھوپڑی کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ وہ گولی پچکی ہوئی سر سے دوسری طرف باہر نکلی اس گولی کے سوا کوئی اور ثبوت میسر نہ ہوسکا اسے معائنہ کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ رپورٹ آئی، آپ کی بھیجی ہوئی گولی 32 بور کی ایک متروکہ طرز کے یورپین اسلحہ سے نکلی تھی۔ اس کے کارتوس میں سیاہ بارود استعمال کی گئی تھی۔ اسلحہ کی نالی فائر کرتے وقت بری طرح زنگ آلود تھی معلوم ہوتا ہے اسلحہ مدت سے استعمال نہیں ہوا۔ بندوق کی نالی میں ایک رنج میں چھ حلقے تھے۔ ان کا خم دائیں جانب تھا۔ یہ بندوق نکولس پیر کمپنی نے تیار کی تھی۔ اوراس طرح بلجیئم کا ایک مصور جس پر شبہ ہوسکتا تھا پکڑا گیا۔

اس کے علاوہ خالی کارتوس کو باہر پھینکتے وقت بھی بندوق کا گھوڑا اس پر انفرادی نقش ثبت کردیتا ہے۔

۱۹۲۱ء میں ٹیون میں ایک قتل ہوا مقتول کی لاش کے پاس کچھ خالی کارتوس ملے ایک مشتبہ آدمی کو گرفتار کیا گیا۔ منصف نے اس کی بندوق اس سے لے لی۔ اس بندوق میں ایک نقص تھا جس کی وجہ سے کارتوس کے دھاتی حصے پر ایک خاص نشان پڑتا تھا۔ مقتول کے قریب سے جو خول ملے تھے ان پر وہی نشان تھے۔ اس طرح ثابت ہوا کہ مشتبہ ملزم کی بندوق ہی سے قتل کیا گیا تھا۔

برطانیہ کے ایک باشندے نے تو کمال ہی کردیا۔ اس نے 8 بور کی ریوالور سے 32 بور کی گولیاں چلائیں اور ایک قتل کیا۔ اسلحہ کے ماہر نے یہ ثابت کردیا کہ اس شخص نے چھوٹی گولی پر کاغذ چڑھا کر انہیں بڑے ریوالور میں ٹھونس دیا تھا۔

اس سلسلے میں کیمرے اور خوردبین کے علاوہ ایک آلہ ہلیسکومیٹر استعمال ہوتا ہے۔ جو بندوق کی نالی کی اندرونی کیفیت بناتا ہے۔

جعلسازی اور دور جدید میں اس کی گرفت:

عدالتی کاغذات میں ردوبدل، چیک پر جعلی دستخط تو عام بات ہے۔ امریکہ جیسے ملک میں ہر سال جعلسازی سے دس کروڑ روپیہ ہتھیالیا جاتا ہے۔ مثلاً ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۵ء کے درمیان ۹۲ ہزار ملزموں پر اس جرم میں مقدمے چلائے گئے۔

دراصل ایک وقت میں کیے ہوئے دو دستخط ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف ہوتے ہیں۔ دوسرے جعلی دستخط میں وہ روانی نہیں ہوتی جو اصل دستخطوں میں ہوا کرتی ہے۔

۱۹۱۲ء میں ایک متوفی شخص کے ایک رشتہ دار نے ایک وصیت نامہ پیش کیا جس میں یہ ہدایت تھی کہ مذکورہ شخص کو ڈھائی لاکھ ڈالر کا ایک کارخانہ دیا جائے۔

کارخانے پر پہلے سے کچھ اور رشتہ داروں کا قبضہ تھا۔ معاملہ عدالت میں پیش ہوا؟

کہ کیا وصیت نامہ متوفی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے؟

اور کیا یہ دستخط اسی نے کیے ہیں؟

کیا تحریر اور دستخط ایک ہی قلم سے ہوئے ہیں؟

کیا دونوں کی سیاہی ایک جیسی ہے؟ کیا کاغذ موڑا پہلے گیا ہے یا تحریر پہلے لکھی گئی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

دستاویز دیکھنے پر معلوم ہوا کہ کاغذ پر جو مارکہ چھپا تھا۔ کارخانے نے وہ کاغذ اس زمانے میں بنایا ہی نہیں تھا۔ جو تاریخ اس پر درج تھی۔ وہ مرنے والے شخص کی موت کے بعد کی تھی۔

اب تو لوگ تحریر پڑھ کر سیرت تک کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ امریکا کے ایک فوجی اسکول میں ایک حبشی طالب علم کو ایک گمنام خط ملا کہ اگر اس نے اسکول سے اپنا نام خارج نہیں کیا تو اس کا کان کاٹ دیا جائے گا۔ وہ اس دھمکی میں نہ آیا۔ اسکول میں ڈٹا رہا۔ لیکن دھمکی دینے والے نے اپنے الفاظ پر پورا عمل کیا اور طالب علم کے کان کٹ گئے۔

تحقیقات شروع ہوئی۔ گمنام خط تو موجود تھا۔ طالب علموں کی تحریروں سے اس کا مقابلہ کیا گیا۔ معلوم ہوا یہ خط خود اس نے لکھا ہے اور کان بھی خود ہی کاٹا ہے۔ اس طرح اس کا یہ حربہ نہ چل سکا۔ وہ اسکول سے نکلنا چاہتا تھا۔ اس طرح بدنام ہو کر خارج کیا گیا۔

اس کے علاوہ تحریر میں الفاظ کا خم' باہمی ربط' درمیانی فاصلہ۔ قلم کا دباؤ سب قابل غور ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص پیٹرک نے اپنے بوڑھے آقا رائس کے دستخط کی نقل کر کے جعلی طور پر بنک سے دو لاکھ ڈالر کی رقم اڑا لی۔ اس کے فوراً بعد مالک کا انتقال ہو گیا۔ پیٹرک نے طبی معائنے کے ڈر سے اسے جلد دفن کرا دیا۔ لوگوں کو شک ہوا۔ معاملہ پولیس تک پہنچا۔ لاش نکالی گئی۔ زہر کے اثرات دکھائی دیے لیکن معاملے کا علم اس وقت ہوا جب پیٹرک نے

ایک وصیت نامہ پیش کیا جس کے مطابق متوفی کی کل جائداد جو 60 لاکھ تھی۔ پیٹرک کو ملنی تھی۔ وصیت نامہ دیکھا گیا اس پر رائس کے چار دستخط بالکل ایک جیسے تھے جیسے اصل کا چربہ ہوں۔ اس طرح پیٹرک کی جعلسازی پکڑی گئی۔

ایک بے روزگار ڈرائیور ایک دوست (مسٹر پینی) سے سفارشی خط کسی کے نام لینے آیا۔ مسٹر پینی نے خط دے دیا۔ چند دنوں کے بعد مسٹر پینی کو ایک دستاویز ملی جس کے مطابق اس نے مذکورہ شخص کو ۳۵۰ ڈالر دینے تھے۔ دستخط اسی کے تھے۔ معاملے کی تفتیش شروع ہوئی تحریر کی دو تصویریں لی گئیں۔ ایک عام کیمرے سے دوسری الٹرا وائلٹ یا بالائے بنفشی شعاعوں سے دوسری تصویر نے بتایا کہ سفارشی خط کی اصل عبارت کو مٹا کر نئی تحریر ٹائپ کر دی گئی ہے۔ جب کہ دستخط اصل تھے۔ ہاتھ کی تحریر کے علاوہ اوپر کی مثال کی طرح ٹائپ شدہ دستاویز کے جعلی یا اصل ہونے کا بھی بخوبی پتا چل سکتا ہے۔

گرد و غبار کے ذریعے مجرموں کا سراغ لگانا:

ناخن یا جوتوں سے ملنے والی مٹی بسا اوقات مجرم کا پتہ لگانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ ایک ہوٹل کی الماری سے ایک رات چاندی کے برتن چوری ہو گئے۔ الماری تک پہنچنے کے لیے جوتوں کے نشان کرسی پر ملے یہ نشان بذاتِ خود کارآمد تھے۔ البتہ جوتوں کی مٹی کا خوردبینی مطالعہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ چور گندے اور غلیظ مقامات پر گھومتا رہا ہے۔ اس طرح شرفاء کو نظر انداز کر کے پولیس نے خاکروبوں اور ادنیٰ ملازموں کی تلاشی شروع کی۔ اس طرح اصلی مجرم ہاتھ آ گیا۔ جس وقت پولیس نے اسے گرفتار کیا اس کی گندی جیبیں سکوں سے بھری ہوئی تھیں۔

بال:

انسانی بالوں کی دو ہزار سے زیادہ قسمیں ہیں۔ ہر شخص کے بالوں کا رنگ بناوٹ، شکل، تراش وغیرہ بالکل جداگانہ ہوتی ہے۔ لہٰذا نہ صرف جانوروں کے بالوں سے اس کی تمیز ہو سکتی ہے۔ بلکہ انسانی بالوں میں بھی فرق کا پتہ چل سکتا ہے۔ ایک کیمیاوی تجربہ گاہ میں

جہاں آتش گیر مادہ زیادہ مقدار میں استعمال ہوتا تھا آگ لگ گئی لیکن چوکیدار نے بروقت پہنچ جانے پر آگ پر قابو پالیا۔ آگ بجھانے سے جب فارغ ہوا تو چوکیدار کو فرش پر ایک لاش نظر آئی جو ایک کمبل میں لپٹی پڑی تھی۔ لاش آگ کے شعلوں سے بُری طرح جل چکی تھی لیکن کمبل پر ایک داغ بھی نہیں تھا۔ لاش لیبارٹری کے مالک کی معلوم ہوتی تھی جس نے کئی کمپنیوں کے ہاتھ بیمہ کیا ہوا تھا۔

متوفی کی بیوی اور ڈاکٹر نے لاش کی شناخت کی لیکن بیمہ کمپنی نے پھر بھی رقم دینے سے انکار کر دیا۔ لاش کا معائنہ کیا گیا۔ یہ شخص جس برش سے بال صاف کیا کرتا تھا اس میں چند بال ملے ان بالوں کا لاش کے بالوں سے مقابلہ کیا گیا تو قطعی مختلف پائے گئے معلوم ہوا کہ لاش لیبارٹری کے مالک کی نہیں۔

مزید تفتیش سے معلوم ہوا کہ لیبارٹری کے مالک نے قصداً اپنے ہاں ایک ایسا آدمی ملازم رکھا تھا' جو قد وقامت ظاہری ساخت میں اس سے مشابہ تھا اور چند دن کے بعد اس کی گردن پر شدید ضرب لگا کر اسے مار ڈالا۔ اس کے مردہ جسم پر ایتھر وغیرہ چھڑک کر جلا ڈالا مگر پھر بھی راز فاش ہو گیا۔

زنانہ کوٹ کے کالر کی تہہ میں چھپے ہوئے زنانہ بالوں نے اسی طرح کئی مقدمات میں حتمی ثبوت پیش کیا ہے۔

زہر کی شناخت:

زہر خوری کی کوشش ہر دور میں چلتی رہی ہے۔ لیکن اب کوئی دوا یا کوئی زہریلی گیس ایسی نہیں جس کا اندازہ نہ لگایا جا سکے۔

ایک دندان ساز نے اپنے خُسر کا روپیہ ہتھیانے کے لیے اس کے دانت کو بھرتے وقت کچھ زہر بھی شامل کر دیا۔ جس سے بوڑھا مر گیا۔ پوسٹ مارٹم کرنے کے بعد اس کے معدے سے زہر ملا۔ بلکہ دانتوں میں بھرا جانے والا وہ موم بھی جو زہر آلود تھا۔ اس طرح دندان ساز پکڑا گیا۔ بعد میں اس دکان سے تصدیق بھی ہوئی جہاں سے اس نے یہ زہر خریدا تھا۔

بسا اوقات کسی مسخ شدہ لاش کی شناخت دانتوں کے ذریعے بھی کی جاتی ہے۔ جس کے لیے متوفی کے دندان ساز یا اس کے دانتوں کے ڈاکٹر کی مدد لینی پڑتی ہے۔

رنگ وروغن:

ایک طیارے کی پانی میں اترنے کی کوشش میں نادانستہ ایک چھوٹی سی کشتی سے ٹکر ہوگئی مگر کشتی کے لیے یہ ٹکر مہلک ثابت ہوئی۔ دو آدمی جو اس کشتی میں سوار تھے مر گئے۔ کشتی میں ایک جگہ سبز پینٹ (رنگ) کا ایک دھبہ ملا۔ تجزیہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ اس میں ایک کیمیاوی جز ایسا شامل ہے جو صرف ایک قیمتی پینٹ میں ہوتا ہے۔ کارخانہ سے پتہ چلا کہ یہ رنگ پچھلے دنوں کون کون لے گیا تھا۔ بالآخر پولیس ایک فرم کی طیارہ گاہ میں پہنچی وہاں وہ طیارہ ملا جس کا پینٹ ایک جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ طیارے کے مالک نے اپنا جرم تسلیم کرلیا۔

خون:

انسانی خون کی چار قسمیں ہیں 'A' 'B' اور 'O' سائنس کے لیے یہ دیکھنا کہ آیا یہ دھبہ خون کا ہے یا کسی اور رنگدار چیز کا کوئی مشکل نہیں بنزی ڈین سے پتہ چل جاتا ہے۔ خون کی صورت میں پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانی خون ہے یا حیوانی۔ کیونکہ انسانی خون کے سرخ جسیمے گھریلو جانوروں کے جسیموں سے لمبے ہوتے ہیں۔ یہ خون اگر زیادہ نہ بھی ہو صرف ناخن جوتے کے بخیوں میں پھنسا ہوا مل جائے تو بھی کافی ہے۔ خون آلودہ کپڑے جلا دینے پر بھی جرم چھپایا نہیں جاسکتا۔

۱۹۳۳ء میں ایک شخص اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ اس کا سر بری طرح کچلا ہوا تھا۔ کمرے میں خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ پولیس نے گردونواح کی تلاشی لی ایک کمبل ملا جس کے سرے پر تھوڑا سا خون تھا اس کے ساتھ الجھے ہوئے کچھ بال بھی تھے۔ بالوں کا خورد بینی مشاہدہ کیا گیا جو متوفی کے بالوں سے ملتے جلتے تھے خون کے دھبے بھی مقتول کے خون کے نکلے۔ اس قتل کی اصل وجہ ڈاکہ زنی تھی۔ مقتول کافی امیر آدمی تھا۔ لوگوں کو علم تھا کہ اس کے کمرے میں ہزاروں ڈالر گڑے ہوئے ہیں۔ پولیس کو باوجود تلاش کے وہ دولت نہ ملی۔ مشتبہ گھروں کی تلاشی لی گئی۔ ایک گھر میں ایک لبادہ ملا جس پر جابجا خون کے دھبے تھے۔

تجربہ گاہ نے بتایا کہ یہ خون ہی کے دھبے ہیں اور اس کی قسم بھی وہی ہے جو مرنے والے کی ہے۔ مشتبہ آدمی پکڑا گیا۔ اس کے خون کا معائنہ کیا گیا۔ قطعاً مختلف تھا۔ اس سائنسی ثبوت کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ اقبالِ جرم کیا۔ اگر قاتل اور مقتول دونوں کا خون ایک گروپ سے تعلق رکھتا ہو۔ تب بھی بیماری وغیرہ کے جراثیم یعنی سابقہ ہسٹری سے ان میں تمیز کی جاسکتی ہے۔

بڑے بڑے شہروں کے زچہ بچہ ہسپتالوں میں ایک ہی رات میں کئی کئی بچوں کی پیدائش ممکن ہے اور اگر دیہ یا نرس بروقت بچے کے گلے میں والدہ کے نام کی تختی نہ ڈال دے تو عین ممکن ہے کہ بچے کی شناخت نہ ہو سکے۔ ایسی صورت میں خون کے گروپ سے اندازہ لگایا جاتا ہے۔ جس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ بچے کی اصلی والدہ کون سی ہے البتہ یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ بچے کی والدہ کون سی نہیں ہے۔

تابکاری:

بینکوں میں زیورات وغیرہ امانت رکھنے کا رواج ہر جگہ ہے یا اسی طرح کے دیگر خزانوں کے چوری ہو جانے کی صورت میں تابکاری سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے ہیرے جواہرات کو مختصر نصف دور کے تابکار عناصر سے ملوث کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح چوری پکڑی جاسکتی۔ دراصل سائنس اور جرائم پیشہ افراد کے درمیان ایک مسلسل کش مکش چل رہی ہے۔ مجرم پولیس کی آنکھ سے بچنے کے لیے نئے نئے سائنسی حربے اور طریقے آزماتے ہیں۔ مگر آپ نے دیکھا کہ تفتیش کے چاق و چوبند، زیرک اور باریک بین عملے نیز سائنس کی حساس آنکھ سے مکمل طور پر بچ نکلنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ بحوالہ (سائنس اور مسائل امروز)

موضوع نمبر ۱۶

چھوت چھات اور جدید تحقیقات

(متعدی امراض سے حفاظت کی اسلامی تعلیمات)

وہ امراض جو متعدی ہیں اور ان کے جراثیم تیزی سے ایک انسان سے دوسرے انسان کی طرف منتقل ہوتے ہیں ان سے بچاؤ کے لیے اسلام نے خاص طور پر توجہ دلائی ہے' مثلاً طاعون اور جذام نہایت ہی متعدی بیماریاں ہیں آج اگرچہ ان پر قابو پایا جاچکا ہے مگر کچھ عرصے قبل ان بیماریوں کے دہشت ناک اور سرعت انگیز پھیلاؤ سے لوگوں کی اکثریت ہلاک اور اقلیت نیم مردہ ہوجایا کرتی تھی۔

متعدی یعنی ایک سے دوسرے کو لگنے والی بیماریوں کے متعلق تاجدار عالم ﷺ نے ایسے ارشادات واضح فرمائے جو کسی اور عام بیماری مثلاً بخار اور کھانسی وغیرہ کے متعلق نہیں فرمائے:

چھوت چھات اور اسلامی تعلیمات:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثقیف کے وفد میں ایک شخص جزام یعنی کوڑھ کے مرض میں مبتلا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس سے کہلا بھیجا کہ تم واپس جاؤ' میں نے تمہیں بیعت کرلیا ہے۔ (مسلم)

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ کوڑھی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' کوڑھی کی طرف زیادہ دیر تک مت دیکھو۔ (ابن ماجہ)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا' کوڑھی سے اس طرح کلام کرو کہ اس کے اور تمہارے درمیان ایک یا دو نیزوں کا فاصلہ ہو۔ (زادالمعاد)۔

اسی طرح طاعون یا کوئی وبا پھوٹنے کے بارے میں حکم ہے کہ جب شہر میں واقع ہو اور تم اس میں رہائش پذیر ہو تو وہاں سے نہ نکلو اور اگر شہر میں موجود نہ ہو تو اس میں داخل نہ ہو (زادالمعاد)

چھوت چھات اور سائنسی تحقیق:

موجودہ سائنس متعدی یعنی چھوت سے امراض کی دریافت کے لیے کوشش کر رہی ہے۔ بے شمار امراض دریافت کیے جا چکے ہیں جو متعدی ہیں' تاہم ماہرین کا کہنا ہے کہ ابھی تک ایسی بیماریاں موجود ہیں' جن کا ہمیں علم نہیں ہو سکا اور وہ متعدی ہیں' یعنی ایک سے دوسرے کو لگنے والی ہیں۔

پیتھالوجی کے ماہر ڈاکٹر سائمن نے اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے: ''مغرب کو چھوت کے امراض کے بارے میں آگاہی اور نشان دہی اسلام اور اسلامی تعلیمات سے ہوئی ہے' میں نے جب بھی اسلام کا مطالعہ کیا، مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ اسلام ایک مکمل اور جامع دین ہے۔''

آج پوری دنیا متعدی یعنی ایک سے دوسرے کو لگنے والے امراض کی لپیٹ میں ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی احتیاطی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں جب کہ الحمد اللہ! نبی اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے احتیاطی تدابیر بتا دی تھیں۔ صحت کے اصول بتا دیے تھے۔ مثلاً اس مضمون میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب کسی شہر میں وبا پھیل جائے اور تم اس شہر میں موجود ہو تو اس سے نہ نکلو' کیونکہ اس سے اگر تم نکلو گے تو بیماری دوسرے شہر میں پہنچ جائے گی اور اگر تم اس شہر سے باہر ہو تو اس میں داخل نہ ہو تا کہ وبا سے محفوظ رہو۔ آج طب کی دنیا میں یہ بات قانون میں شامل ہے۔

گفتگو کے ذریعے امراض پر ارشاد نبوی ﷺ:

بانیٔ اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ہدایت اس سلسلے میں بھی موجود ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "کلم المجذوم بینک و بینه قدر رمح او رمحیں" (ابونعیم) کہ جب تم کوڑھ کے مریض سے گفتگو کرو تو اپنے اور اس کے درمیان ایک سے دو تیر کا فاصلہ رکھو۔ سبحان اللہ۔ اسلام اور شارح اسلام کی ہدایات پر عمل پیرا ہو کر انسان کتنی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے اور کس فطری طریقے سے اپنی صحت کی حفاظت کر سکتا ہے۔ جدید سائنسی طب دین فطرت کی ہدایات کی تائید کر رہی ہے۔ بنی نوع انسان کو چاہیے کہ وہ سچے دل سے اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اسی میں جسمانی و روحانی سکون، اطمینان اور شفاء ہے۔

منہ کے ذریعے پھیلنے والے امراض:

حفظان صحت کے ضمن میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی کہ کوڑھی سے جب بات کرو تو اپنے اور اس کے درمیان ایک سے دو تیر کے برابر کا فاصلہ قائم رکھو یہ بات اب معلوم ہوئی کہ چیچک، خسرہ، کالی کھانسی، تپ دق اور انفلوئنزا وغیرہ مریض کے قریب سانس لینے سے پھیلتے ہیں ان سے بچنے کے لیے مریض سے کم از کم 4 فٹ کا فاصلہ قائم رکھنا ضروری ہے۔
(جدید سائنسی انکشاف ہے کہ مریض جب بات کرتا ہے تو اس کے منہ سے نکلنے والی سانس میں بیماری کے جراثیم ہوتے ہیں جو مخاطب کی ناک یا منہ کے راستے داخل ہو کر اسے بیمار کر سکتے ہیں۔)

طاعون پر ارشاد نبوی ﷺ:

چھوت چھات کی بیماریوں یعنی وبائی امراض کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ طاعون ایک بڑا عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر بھیجا گیا تھا۔ اس طرح

ان لوگوں پر یہ عذاب مسلط ہوا تھا جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ جب آپ کو اس بیماری کا پتہ چلے کہ فلاں مقام پر ہے تو اس بیماری کے ہوتے ہوئے وہاں نہ جاؤ اور اگر ایسی جگہ پر عذاب آ جائے جہاں تم پہلے سے موجود تھے اس سے بچاؤ کے لیے وہاں سے نہ نکلو بچانے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں ایک طرف اگر جسمانی علاج کا بیان ہے تو دوسری طرف روحانی علاج بھی بتایا گیا۔ یعنی عقیدے کی اصلاح بھی ہے کہ بیماری اور صحت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اس فرمان رسول ﷺ پر اگر غور وفکر کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وبائی امراض سے بچاؤ کے لیے وہ سنہری اصول بتا دیا ہے جس پر عمل کرنے سے وبائی امراض ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں پھیل سکتیں اور ایک انسان دوسرے انسان سے مرض میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔

طاعون کی وبا اور حضرت عمرؓ کا واقعہ:

ارشادات نبوی ﷺ کی تمام ہدایتوں کا مقصد یہی ہے کہ انسانی صحت خوامخواہ کے روک اور آزار سے محفوظ رہے۔ ورنہ بیماری تو اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ لیکن اس سے بچاؤ کا حکم بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

بعض نا سمجھ لوگ بے احتیاطی سے بیماری والے علاقوں میں چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چھوت چھات سے بھاگنا ایمان کی کمزوری ہے، لیکن یہ خیال غلط ہے کیونکہ تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود ملک شام میں جانے سے انکار کر دیا تھا' کیونکہ وہاں طاعون پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ جب لوگوں نے کہا کہ ''تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہیں'' تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا ''ہم تقدیر الٰہی سے بھاگ کر تقدیر الٰہی کی طرف جاتے ہیں۔'' گویا متعدی بیماری کے علاقے سے نکل کر محفوظ علاقے میں چلے جانا بھی تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔

طاعون کا بائیکاٹ:

طاعون ایک وبائی بیماری ہے۔اس کی روک تھام کے لیے یہ ضروری ہے کہ طاعون کے علاقے میں آنا جانا فوراً بند کیا جائے۔ یہ طب جدید کا بنیادی اصول ہے۔حضور سرور کائنات ﷺ نے چودہ سو سال پہلے ہی فرما دیا تھا۔

الطاعون رجز وعذاب ارسل علی بنی اسرائیل او علی من کان قبلکم فاذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه وان وقع بارض انتم بهافلا تخرجوا منها فراراً (بخاری مسلم، ج۲، ص۲۲۸)

موضوع نمبر ۱۷

غیر مسلم مردوں سے شادی اور جدید سائنسی تحقیقات

اسلام میں غیر مسلم مردوں سے شادی مسلمان عورتوں کے لئے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ بعض حضرات اس کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں لیکن اسلام کی ہر تعلیم الحمدللہ سچی اور سائنسی ثابت ہورہی ہے زیر نظر تحریر اسی عنوان کے تحت ہے ملاحظہ کیجیے۔

یوپولڈ ومین کہتے ہیں:

میں فرسٹ کلاس میں سفر کر رہا تھا' کمپارٹمنٹ میں میرے علاوہ صرف دو مسافر اور تھے' ایک اسکندریہ کا یونانی تاجر جو مجھ سے اہل مشرق کی عادت کے مطابق بہت جلد گھل مل گیا' اور اس سے بے تکلفی کے ساتھ گفتگو ہونے لگی' اور دوسرا ایک مصری چودھری جو اپنے قیمتی ریشمی جبہ اور سنہری گھڑی سے بظاہر مالدار معلوم ہو رہا تھا' لیکن وہ اپنی عزت پر قانع ایک طرف خاموش بیٹھا رہا' اور واقعہ یہ ہے کہ جس وقت وہ گفتگو میں شریک ہوا اسی وقت اس نے اعتراف کرلیا کہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا' مگر اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ ذوقِ سلیم اور ذہانت سے بہرہ ور ہے۔

ہم لوگ جیسا کہ مجھے یاد پڑتا ہے اسلام کے بعض اجتماعی اصولوں پر گفتگو کر رہے تھے' جو اس زمانہ میں میرے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے' میرے رفیق یونانی مسافر نے اسلامی شریعت کے ''اجتماعی انصاف'' کے بارے میں میرے تأثر کی پوری طرح تائید نہیں کی۔

انہوں نے کہا:

''شریعتِ اسلامی اتنی عادلانہ نہیں ہے جتنی آپ سمجھ رہے ہیں، پھر وہ فرانسیسی کے بجائے عربی میں گفتگو کرنے لگے تاکہ ہمارا مصری رفیق بھی سمجھ سکے' انہوں نے اس کی طرف رخ پھیرتے ہوئے کہا' آپ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا دین بہت عادلانہ ہے' انصاف پسند ہے' کیا آپ اس کا جواب دے سکتے ہیں کہ جب اسلام مسلمانوں کو عیسائی

اور یہودی عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے تو آپ کی بہنوں اور بیٹیوں کو اس کی اجازت کیوں نہیں دیتا کہ وہ عیسائیوں اور یہودیوں سے شادی کرسکیں' کیا اس کو انصاف کہا جاسکتا ہے؟''

''اس کو انصاف ہی کہیں گے۔''

باوقار چودھری نے ایک منٹ بھی تردد کے بغیر جواب دیا'' میں آپ کو بتاتا ہوں کہ شریعتِ اسلامی نے یہ قانون کیوں بنایا ہے' ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں' ہم ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی طرح اللہ کا رسول سمجھتے ہیں' اور اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سب وہی طریقہ لے کر آئے جو آخر میں خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ لائے تھے' اب اگر کوئی عیسائی یا یہودی لڑکی مسلمان سے شادی کرتی ہے تو وہ اس بات کا اطمینان کرسکتی ہے کہ اس کے لیے خاندان اور نئے گھرانے میں اس کی مقدس ہستیوں کا نام عزت واحترام کے ساتھ لیا جائے گا' اس کے برخلاف اگر کوئی مسلمان لڑکی غیر مسلم سے شادی کرتی ہے تو اس کو بجا طور پر اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ جن کو وہ اللہ کا رسول ﷺ سمجھتی ہے' ممکن ہے' ان کو برے ناموں سے یاد کیا جائے' ہوسکتا ہے کہ خود اپنی اولاد ہی سے اس کو ایسی باتیں سننی پڑیں' کیا لڑکے اپنے باپ کے دین کی پیروی نہ کریں گے؟ اس صورت میں کیا آپ اس کو انصاف قرار دیں گے کہ اس غریب عورت کو اس قسم کی مسلسل اذیت اور اہانت برداشت کرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔''

یونانی تاجر نے لاجواب ہوکر لاپرواہی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے شانے کو جھٹکا دیا' جہاں تک میرا تعلق ہے' مجھے محسوس ہوا کہ اس ناخواندہ چودھری نے اپنے ذوق سلیم سے جس میں وہ اپنے ساتھیوں سے ممتاز معلوم ہوتا ہے ایک بہت اہم مسئلے کے بارے میں بڑے پتے کی بات کہہ دی ہے اور میں نے یہ محسوس کیا کہ میرے لیے اسلام کا ایک نیا دروازہ کھل رہا ہے۔

موضوع نمبر ۲۸

پھلوں کے ساتھ انکے بیج کھانا اور جدید سائنسی تحقیقات

کیا پھلوں کے ساتھ ان کے بیج کھانے چاہئیں؟ بیجوں میں خون کو شریانوں میں جمنے سے بچانے کی خاصیت ہے؟

کیا یہ سچ ہے کہ پھلوں اور بوٹیوں میں خون کو شریانوں میں جمنے سے بچانے کی خاصیت ہے؟

خوراک میں قدرتی عناصر کو شامل کریں۔ قدرتی غذا اور پھل ہر موسم کے اعتبار سے اللہ کی جانب سے ہمیں تحفہ میسر ہے۔ اگر ہم اپنی خوراک میں ریشے دار غذائیں، پھل اور چند پھلوں کے بیج کھالیں تو ہمیں **Antixibant** انٹی آکسیڈنٹ ادویات کھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

پہلے وقتوں میں لوگ اپنے گھروں میں ٹوٹے ہوئے مٹی کے برتنوں، کنستروں میں مختلف قسم کی سبزیاں مثلاً نیاز بو، دھنیہ، ہری مرچ، پودینہ، کوار غندل اگاتے تھے اور اکثر چٹنی اور کھانے میں استعمال ہوتی تھیں جس سے جسم کو متوازن معدنیات لحمیات کیلشیم میسر آجاتا تھا۔ اکثر سردیوں میں تل کا تیل کھایا جاتا تھا۔ تارامیرا کا تیل دہی میں ملا کر صبح ناشتہ سے قبل ایک ہفتہ تک دیا جاتا تھا۔

سرسوں کے تیل میں اچار، آم، شلجم، سرسوں کے ساگ یعنی غندلوں کا ڈال دیا جاتا تھا۔ اور یہ متوازن خوراک تھی۔ قدرتی آئل، دل کے امراض کے ہونے کو روکتا ہے۔ کیونکہ حیوانی چربی میں خون کے اندر کولیسٹرول زیادہ ہونے کی خاصیت تھی۔ اب ہر چیز چربی میں تیار ہوتی ہے جس سے دل کے امراض بڑھتے جارہے ہیں۔

مختلف بیجوں کا مربہ مثلاً ہریڑ، آملہ سیب ڈالا جاتا تھا جو دماغی دباؤ کو کم کرتا تھا۔ رات کو چار مغز جس میں بادام، تربوز، خربوزے اور سردے کے بیج ہوتے تھے۔ اس کے استعمال سے قوت اجاگر ہوتی تھی۔ انگور کے دانے اور ان کے بیج میں بے شمار فوائد تھے۔ ذائقہ عمدہ

ہونے کے علاوہ Antioxidant تھے جان کی بدولت جسم کے خلیے اور ٹشو نقصان سے محفوظ رہتے تھے۔ ان قدرتی پھلوں بیجوں میں شورش کم کرنے اور الرجی کو روکنے کی خاصیت ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ قدرت ہر چیز پر قادر ہے کہ کیا کیا خاصیت شامل کرنی ہے۔ ان قدرتی غذاؤں میں خون کا کلاگنگ ہونے سے روکتے ہیں۔ اب کیا یہ چیزیں بیک وارڈ کی نشانی ہے۔ ہمارے گھروں میں مہنگے قسم کے گملے ہیں ان میں پودے اگائے جاتے ہیں۔ ماڈرن قسم کی گولیاں' سونف' چاکلیٹ کھائے جاتے ہیں جن میں خوراک تو نہیں ہوتی فیشن ہوتا ہے۔ جسم میں مدافعت پیدا نہیں ہوتی بلکہ ایسی میٹھی گولیاں اور ٹافیاں کھانے سے دانتوں میں بوسیدگی پیدا ہوتی ہے جو مہنگا علاج ہے۔

پچھلے وقتوں میں لہسن کی چٹنی بنائی جاتی تھی اسی وجہ سے ہارٹ اٹیک کم تھا۔ مچھلی عام طور پر سرسوں کے تیل میں تلی جاتی تھی جس سے جسم کو پروٹین وٹامن اے ڈی اور معدنیات فاصلز جست Zinc میسر آتا تھا۔ اکثر لوگ صحت مند رہتے تھے۔ جلدی سے نزلہ زکام نہیں ہوتا تھا۔ مقصد کہنے کا یہ ہے کہ خوراک میں قدرتی Trace El Ements آجاتے تھے۔ اب کیا ہوتا ہے نزلہ ہوا' Lozenges اور گولیاں لی جاتی ہیں۔ تجربہ کیا گیا کہ وہ لوزنجز جن میں زنک شامل ہوتی ہے اس قدرتی معدنیات سے ناک میں Congestion دباؤ اور سر درد کو جلد آرام آتا ہے بہ نسبت ان چیزوں کے جن میں صرف مٹھاس شامل ہوتی ہے۔

عورتوں میں قدرتی غذا معدنیات کا استعمال کم ہوتا جا رہا ہے۔ وقت سے قبل بچوں کی پیدائش ہو رہی ہے۔ قدرتی امر ہے ایسے بچوں کا وزن کم ہوتا ہے اور بچہ کی شخصیت میں نکھار نہیں آتا۔ مصنوعی ادویات کہاں تک کام کر سکتی ہیں۔ مردوں میں بلوغت بھی کم ہوتی ہے۔ ایک بات کا خیال رکھا جائے کہ ہر چیز کی زیادتی یا کمی صحت کو متاثر کر سکتی ہے۔ جست کی روزانہ خوراک Zinc 150 ملی گرام ہے۔

اگر مصنوعی طریقہ سے زیادہ کھائی جائے تو Immune سسٹم متاثر کر سکتی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو قدرت کے قریب لے جائیں مثلاً کینو یا مالٹا کو بہت صاف کرتے ہیں ریشے نہیں کھاتے۔ اگر آپ مکمل گرے فروٹ ریشوں کے ساتھ کھائیں تو آپ کی آنتوں کو کام کرنے کا موقع میسر آتا ہے اور جسم میں قدرتی نمکیات معدنیات جیسے

اجزا میسر آتے ہیں۔

پاکستان اللہ کی نعمت ہے۔ ہر قسم کا تازہ' عمدہ اور بہترین پھل یہاں میسر ہے۔ راقم کو سری لنکا جانے کا اتفاق ہوا۔ فروٹ مارکیٹ گیا۔ فروٹ مارکیٹ والوں نے بتایا کہ ہم آسٹریلیا' انڈیا اور پاکستان سے سیب' مالٹا منگواتے ہیں جو ایک دانہ سیب کا 25 یا 30 روپے میں پڑتا ہے۔

امریکہ میں ایسے پھل نہیں ہوتے' سبزیاں نہیں ہوتیں۔ کہاں کہاں اسرائیل کے مالٹے لندن میں بکتے ہیں۔ ہر قسم کی سبزیاں میسر ہیں۔ یہ نہیں کھانی وہ نہیں کھانی' نہیں ہونا چاہیے۔ ہر قسم کی سبزیاں پھل اپنی خوراک میں شامل کریں۔ مچھلی' دودھ' انڈا' گوشت' اسی حساب سے کھائیں۔ یہ نہیں کہ ایک وقت گوشت ہیں گوشت بھونی ہوئی ٹانگیں چاہئیں' روسٹ پوسٹ اگر سبزیاں دالیں ساتھ استعمال نہیں کریں گے تو جسم کو نقصان پہنچے گا۔

پھلوں کے جوس سے زیادہ' سالم پھل کھانا مفید ہے:

یوں تو پھلوں کے رس یا جوس میں زیادہ مزہ آتا ہے ورنہ حرارے' سالم پھل اور جوس دونوں میں برابر ہوتے ہیں مثلاً ایک درمیانے سیب میں ۷۵ حرارے ہوتے ہیں اور ۸ اونس جوس میں بھی اتنے ہی حرارے ہوتے ہیں۔

لیکن پھل کھانے میں کچھ اور فائدے بھی ہیں:

۱۔ پھل ریشے (فائبر) کا اچھا ماخذ ہوتا ہے۔ ریشہ فالتو چربی کو ختم کرتا ہے۔

۲۔ جوس مین مرتکز ہوتی ہے یعنی ایک ہی جگہ شکر جمع ہوتی' لیکن پھل میں کم ہوتی ہے۔

۳۔ اگر آپ پھل کھاتے ہیں تو نفسیاتی طور پر آپ کا پیٹ بھر جاتا ہے یعنی آپ سیر ہوجاتے ہیں۔ جوس میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آپ بہت زیادہ جوس پیتے ہیں۔

موضوع نمبر ۱۹

بیمار جانوروں کے گوشت کا استعمال اور جدید سائنسی تحقیقات

اسلام میں بیمار جانوروں کا گوشت کھانا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اگر جانور بیمار ہو تو بیماری کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ جن میں کسی زہریلے پتے کو کھالینا یا بہت زیادہ گدلا پانی پی لینا یا گندی جگہوں پر رہنا اس طرح جراثیم جانوروں کے کھانے پینے کی اشیاء کے ذریعے جانوروں کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جس سے جانوروں میں کئی قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور پھر بیمار جانور کا گوشت کھانے سے انسان کے جسم میں بھی وہی جراثیم داخل ہو جاتے ہیں۔ جس سے انسانوں میں کئی قسم کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس پر ایک تحقیقی رپورٹ پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

بیمار جانوروں کا گوشت اور جدید تحقیقات:

ایک ڈاکٹر نے اپنے تجربات و مشاہدات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ بھگندر کا مرض گوشت خوروں میں زیادہ ہوتا ہے اور عام طور پر بازاری گوشت تسلی بخش نہیں ہوتا۔ اکثر اس میں بیمار جانوروں کا گوشت بھی شامل ہوتا ہے جو مختلف کیمیکلز کے استعمال سے شکل و صورت کے لحاظ سے بہتر بنایا جاتا ہے اس میں مختلف بیماریوں کے جراثیم ہوتے ہیں جو انسانی جسم میں داخل ہو کر بیماریاں پھیلاتے ہیں۔

ڈاکٹر الیکس ماسڈن چیئرمین کینسر ہسپتال لندن لکھتے ہیں کہ کینسر روکنے کے لیے سب سے ضروری ترکیب یہ ہے کہ بیمار جانوروں کے گوشت اور گندی غذا کی فروخت پر پابندی لگائی جائے۔

موضوع نمبر ۲۰

آواز کی سائنس اور جدید تحقیق

انسان کی آواز قدرت کا ایک عجوبہ ہے اور انسان کے لیے ایک خصوصی نعمت ہے۔ تمام دریافت شدہ جانوروں میں انسان کی آواز سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ جب ہم بولتے ہیں تو سانس کی نالی کے اوپر موجود ''ووکل کورڈز'' اس میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے سکڑنے اور پھیلنے سے مختلف مقدار میں ہوا باہر نکلتی ہے۔ ہماری زبان، ناک، دانت اور ہونٹ مل کر ان بے معنی آوازوں کو لفظوں کی شکل عطا کرتے ہیں اور سانس کی نالی سے نکلنے والی ہوا بامعنی الفاظ کی تصویر بن جاتی ہے۔

قرآن مجید میں حضرت لقمان کی بعض ہدایات درج ہیں، جو انہوں نے اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کی تھیں۔ یہ ہدایات پڑھنے اور عمل کرنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی ہے:

> ''اپنی چال (ڈھال) میں میانہ روی اختیار کرو اور (دوسروں سے گفتگو کرتے وقت) اپنی آواز دھیمی رکھو کیونکہ آوازوں میں سب سے بری آواز (زور زور سے بولنے کی وجہ سے) گدھے کی ہے۔ (سورۂ لقمان آیت ۱۹)

ہماری یہ رنگا رنگ دنیا بے شمار آوازوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان میں بہت سی آوازیں دلوں کو فرحت بخشتی ہیں اور بہت سی بولیاں دماغ کو بوجھل کر دیتی ہیں۔ پرندوں کی چہکار' جانوروں کی آوازیں' پتوں کی سرسراہٹ' بارش کی جلترنگ' ماں کی لوری' بچے کی قلقاریاں' اذان کی روح پرور آواز' صبح سویرے ریل کی سیٹی' ہواؤں کی گونج' بادلوں کی گڑگڑاہٹ' ہوائی جہازوں کا شور' گاڑیوں کے ہارن' انسانوں کی گفتگو' موسیقی کے نغمے' مشینوں کا شور' جھینگروں کی تانیں' مچھروں کی بھنبھناہٹ' مینڈکوں کی ٹراہٹ' ندیوں کا شور' آبشاروں کی موسیقی' سمندر کی گونج اور اس طرح کی بے شمار آوازیں ہر وقت دنیا میں موجود

رہتی ہیں۔ انہی آوازوں سے زندگی کی رونق کا احساس ہوتا ہے۔
اگر یہ آوازیں نہ ہوتیں یا آوازیں تو ہوتیں مگر ہمارے کان ہی نہ ہوتے تو یہ دنیا کتنی بھیانک جگہ معلوم ہوتی۔ اللہ رب العالمین نے اس دنیا کے سناٹے کو رنگا رنگ آوازوں سے سجانے کے ساتھ ساتھ ہمیں قوت سماعت بھی عطا کی تاکہ ہم اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔

بے شمار آوازیں جو ہمیں سنائی نہیں دیتیں:

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ دنیا کی ان بے شمار آوازوں کے علاوہ جو سنائی دیتی ہیں' ایسی آوازیں بھی ہر جگہ موجود ہیں' جو ہمیں سنائی نہیں دیتیں' اگر یہ آوازیں ہمیں سنائی دیتیں تو انسان کی زندگی ایک عذاب بن کر رہ جاتی۔ مثلاً خود ہمارے جسم کے اندر جو آوازیں پیدا ہوتی ہیں' ہمارے کان انہیں سننے سے قاصر ہیں۔
ہمارے جسم میں بے شمار ''مشینیں'' چوبیس گھنٹے کام کرتی رہتی ہیں۔ دانت غذا کو پیستے ہیں' معدہ اس غذا کو مزید پیس کر اسے آنتوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ ہمارا دل ایک منٹ میں 72 مرتبہ دھڑکتا ہے۔ پھیپھڑے پھیلتے اور سکڑتے رہتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کے جوڑ ہر وقت کھلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں۔ ان سارے کاموں کے انجام دینے میں آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ مگر ہم ان آوازوں کو نہیں سن پاتے۔ اگر یہ ساری آوازیں ہمیں سنائی دینے لگتیں تو گھر، دفتر، مسجد اسکول کہیں بھی ان آوازوں کے علاوہ کوئی اور آواز شاید ہی ہمیں سنائی دیتی اور زندگی ایک عذاب بن کر رہ جاتی۔
سنائی نہ دینے والی آوازیں ہمارے لیے بے حد اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ نے ''الٹرا ساؤنڈ'' کا نام سنا ہوگا۔ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے ڈاکٹر صاحبان جسم کے اندرونی خرابیوں کا معائنہ کرتے ہیں۔ اسی کی مدد سے دنیا میں آنے سے پہلے ننھے منے بچوں کی نشوونما کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ الٹرا ساؤنڈ میں ایک آلے کی مدد سے ایسی آوازیں جسم میں داخل کی جاتی ہیں جنہیں ہمارے کان سننے سے قاصر ہیں۔ اسی لیے ان آوازوں کو ''الٹرا ساؤنڈ'' کہا جاتا ہے۔

جدید سائنسی ترقی نے انسان کے لیے جو آسانیاں پیدا کی ہیں الٹراساؤنڈ انہی میں سے ایک ہے۔ انسان کو یہ سہولتیں تقریباً سو سال پہلے حاصل ہونا شروع ہوئی ہیں۔ اس سے پہلے یہ ساری طاقتیں موجود تو تھیں مگر انسان ان سے واقف نہیں تھا۔

آواز کے بارے میں سائنس کہتی ہے کہ آواز اثر ہے جو اجسام کے ٹکرانے سے پیدا ہوتا ہے اور ہوا اسے ہمارے کانوں تک پہنچاتی ہے۔

صدیوں پہلے آپ ﷺ نے اس سائنسی حقیقت کو بھی بیان فرمایا کہ آواز کی رفتار روشنی کی رفتار سے کم ہوتی ہے۔ اس کا عام ثبوت یہ ہے کہ آسمان پر بجلی کی چمک پہلے دکھائی دیتی ہے۔ اور گڑگڑاہٹ کی آواز کچھ وقفے کے بعد کانوں تک پہنچتی ہے) یہ باتیں اس دور کے عام انسانوں کی سمجھ سے بالاتر تھیں اس لیے انہوں نے ان ''سائنسی انکشافات'' کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ تیرہ سو برس کے بعد مغرب کے لوگوں نے ان انکشافات کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور دنیا کے حکمران بن گئے۔

انسانوں اور جانوروں کی آوازیں اور ایک محقق کا بیان:

ہوا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ایک محقق نے لکھا ہے کہ انسان (اور جانور) دن اور رات میں سونے سے پہلے مستقل باتیں کرتے ہیں۔ لوگ لکھنے کی نسبت بولتے زیادہ ہیں، اگر یہ ساری آوازیں ہوا میں اسی طرح لکھی جاتیں جس طرح تحریریں کاغذ پر موجود رہتی ہیں تو دنیا کی ساری ہوا آواز کی تحریروں سے پر ہو جاتی۔ ہر آدمی جو بات کرتا وہ ہوا میں لکھی جاتی یوں کسی کا راز راز نہ رہتا اور ہر انسان کی خفیہ زندگی ہر شخص پر کھل جاتی۔ لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے۔ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے۔

ان سب سے بڑھ کر یہ کہ ان ''تحریری آوازوں'' سے ہوا اس قدر آلودہ ہو جاتی کہ اس میں سانس لینا یا اس کی دوسری طرف دیکھنا ممکن ہی نہ رہتا۔

اگر انسانوں کی آوازیں جانوروں کی آوازوں کے ساتھ مل کر ہوا میں تحریری شکل میں محفوظ رہتیں تو اس کا کیا منظر ہوتا۔ اس کے اثرات کس طرح انسانی زندگی کو متاثر کرتے اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

''اللہ رب العالمین نے ہوا کو ایسا بنایا کہ اس میں کوئی آواز (تحریری شکل میں) محفوظ نہ رہے۔ اسی لیے انسان اور جانور دن رات بولتے ہیں، لیکن یہ آوازیں ہوا میں پیدا ہونے کے باوجود مٹتی رہتی ہیں۔''

1970ء میں مغربی ممالک میں آواز کی تصویر بنانے کے لیے ایک آلہ ایجاد کیا گیا۔ اسے ''وائس پرنٹ'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ آلہ جھوٹ اور سچ کی شناخت میں مدد فراہم کرتا ہے۔ کئی ممالک میں پولیس کے محکمے اس آلے کو استعمال کررہے ہیں۔ یہ آلہ انسانی آواز کو کمپیوٹر کی مدد سے ''تصویر'' میں تبدیل کرتا ہے۔ اور ماہرین اس ''تصویر'' کا فنگر پرنٹس کی طرح معائنہ کرکے بیان کے جھوٹ یا سچ ہونے کا تعین کرتے ہیں۔

بعض لوگ اس آلے کی کارکردگی کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن ایک بات بہرحال طے ہے کہ آج نہیں تو کل ایسا آلہ ضرور ایجاد ہوجائے گا۔ جو جھوٹ اور سچ کے درمیان فرق واضح ظاہر کرسکے' اس لیے کہ مغرب کے اہل علم افراد غور وفکر کرنے کے عادی ہیں اور جو لوگ غور وفکر کرنے کی عادت اپنالیں تو فطرت اپنے راز انہیں بتانے میں کنجوسی نہیں کرتی۔

موضوع نمبر ۲۱

اجتماعی عمل اور جدید تحقیقات

اجتماعی عمل میں برکت:

پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ ایک شخص کا کھانا دو آدمیوں کے لیے کافی ہے اور دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لیے کافی ہے۔ اس حدیث میں مل جل کر رہنے اور اجتماعی طور پر عمل کرنے کی برکت کو بتایا گیا ہے۔

اس حدیث میں کھانے کی مثال ایک علامتی مثال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق زندگی کے تمام معاملات سے ہے۔ لوگ اگر ایک دوسرے کے ساتھ شرکت کر کے کام کریں اور مل جل کر رہیں تو تھوڑے لوگ بھی زیادہ بڑے بڑے کام کریں گے۔ تھوڑے سرمایہ میں بھی بہت سے لوگوں کو نفع حاصل ہوگا۔ کم وسائل میں بھی زیادہ فائدہ حاصل کرنا ممکن ہو جائے گا۔ ہر آدمی اگر الگ الگ اپنا کام کرے تو وہ محدود طور پر صرف اپنے آپ کو فائدہ پہنچائے گا۔ لیکن یہی افراد اگر ایک دوسرے کو شریک کر کے کام کرنے لگیں تو مجموعی طور پر سب کو ایک دوسرے سے فائدہ پہنچے گا۔

اسلام نے اجتماعیت کی تلقین مسلمانوں کے لیے کی تھی۔ لیکن افسوس یہ طرز فکر غیروں نے اپنا لیا اور وہ ترقی میں آج مسلمانوں سے آگے جا چکے ایک وقت وہ بھی تھا جب مسلمانوں نے اپنی اجتماعی زندگی کے مثالی جوہر دکھائے کہ غیر بھی اسلام کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ آج غیروں کی اجتماعی زندگی کے مشاہدات اور ترقی اور فائدہ دیکھ کر مسلمان ان سے متاثر ہو رہے، چاہیے تو یہ کہ ہم پھر اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی اسلامی زندگی کی تعلیم پر عمل کریں۔ آئیں اب اجتماعیت کا تازہ کارنامہ ملاحظہ فرمائیں۔

اجتماعی عمل اور جدید تحقیق:

امریکا کے جہاز ساز کارخانے 50 ہزار ٹن کا ایک ٹینکر 16 مہینے میں بناتے ہیں اور اسپین

میں وہ 24 مہینے میں بن کر تیار ہوتا ہے۔ مگر جاپان کے جہاز ساز اسی ٹینکر کو صرف آٹھ مہینے میں بنا لیتے ہیں۔ اس جاپانی معجزہ کا راز کیا ہے۔ مغربی ماہرین نے مکمل جائزہ کے بعد بتایا ہے کہ اس کی خاص وجہ متحدہ عمل (Team work) ہے۔ جاپان کے کاریگر اور منتظمین اور افسران سب حد درجہ اتحاد کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ عمل کے دوران کسی بھی مرحلہ میں ان کا اتحاد ٹوٹتا نہیں۔ اس کا نتیجہ انہیں کم وقت میں معیاری سامان کی صورت میں مل رہا ہے۔

جاپانی کلچر اور طریق کار میں اجتماعی ہم آہنگی (Group Harmony) رچی بسی ہوئی ہے۔ خاندان میں، کارخانہ میں، چھوٹے اداروں اور بڑے اداروں کے درمیان ہر جگہ ہم آہنگی جاپانی کیرکٹر کا امتیازی وصف (Distinctive Featur) بن چکا ہے۔ جاپانی امور کے ایک ماہر ولیم اوشی (William Ouchi) کے الفاظ ہیں۔

Every activity in japan is group activity, and not a springboard to individual glory and personal advertisement.(The Hindustan Times. Febauary 16. 986)

جاپان میں ہر سرگرمی اجتماعی سرگرمی ہے۔ وہاں کوئی سرگرمی انفرادی عظمت یا شخصی اشتہار کا ذریعہ نہیں بنائی جاتی۔

جاپانیوں کی یہ خصوصیت ان کی قومی ترقی کا سب سے بڑا راز ہے۔ زیادہ بڑی ترقی ہمیشہ اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ زیادہ بڑی تعداد ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرے۔ مل کر کام کرنے میں اصل رکاوٹ یہ ہے کہ افراد کی انفرادی شخصیت اس میں نہیں ابھرتی۔ جس قوم کے افراد میں اپنی انفرادی شخصیت بنانے کا مزاج ہو وہ قوم کبھی متحدہ عمل میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور اسی لیے وہ کوئی بڑی ترقی بھی نہیں کر سکتی۔

بڑی ترقی حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ اتحاد ہے۔ اتحاد ایک کو گیارہ بنا دیتا ہے، وہ کوشش کی مقدار کو ہزار گنا زیادہ کر دیتا ہے۔

موضوع نمبر۲۲

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا اور جدید سائنسی تحقیقات

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کے بعد اپنے ہاتھ کی انگلیاں چاٹ کر ہاتھ صاف کرو' کھانے کا برتن صاف کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا اور جدید سائنسی تحقیق:

کھانے کے بعد انگلی چاٹنا مہذب سوسائٹی میں انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے جس سے ''گھن'' آتی ہے۔ مگر یہ سنت رسول ﷺ ایسا نسخہ ہے جو طب کی کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ ایک یورپین ڈاکٹر کمزور معدے کی ''تقویت'' پر ریسرچ کر رہا تھا۔ کئی سال کی محنت کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ انگلی چوسنے کا عمل اگر تسلسل سے جاری رہے تو معدہ کمزور نہیں ہوتا۔ اسے کسی نے بتایا کہ تم نے اتنے سال بے کار برباد کیے' یہ تو چودہ سو سال قبل مسلمانوں کے امی (ان پڑھ) نبی نے اپنے ماننے والوں کو ہر کھانے کے بعد برتن انگلیوں سے صاف کر کے انگلیاں چاٹنے کی تاکید فرمائی تھی' وہ شخص اس انکشاف کے بعد مسلمان ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے نومولود بچے کی فطرت میں انگوٹھا چوسنا بلاوجہ نہیں رکھا۔ نومولود کا معدہ کمزور ہوتا ہے اور دکھ بیان نہیں کر سکتا۔ خالق نے اسے خود کار علاج فراہم کر دیا کہ وہ ہاتھ یا پاؤں کا انگوٹھا چوستا رہے تاکہ اس کا معدہ ہر کمزوری سے محفوظ رہے۔

یہ چند مثالیں اختصار سے بیان کی ہیں ورنہ کلام نبوت تو ہے ہی حکمتوں کا خزینہ۔ ضرورت صرف غور و تدبر کی ہے۔ جس کی توفیق طلب کرتے رہنا چاہیے۔

موضوع نمبر ۲۳

دھوپ کی بالائے بنفشی شعاعیں اور جدید تحقیقات

حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوئے جب کہ نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ابوقیس دھوپ میں کھڑے ہوگئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو سائے کی طرف ہٹنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ آمی کے جسم کو کچھ حصہ دھوپ میں رہے اور کچھ سائے میں۔ (الادب المفرد)

حضور ﷺ کو اللہ رب العزت نے تمام انسانوں سے زیادہ علم عطا فرمایا تھا۔ درج بالا حدیث کو پڑھ کر آج سے 1400 سال پہلے آپ ﷺ کے اس فرمان عالی شان کی اہمیت آج کے جدید سائنس دانوں کی تحقیقات اور دھوپ کے بھیانک اثرات جان کر محسوس ہوتی ہے کہ کس طرح اسلام نے زندگی کے ایک ایک گوشے کو اپنی تعلیمات کی حقانیت سے منور کر دیا ہے۔

آیئے اس سلسلے میں جدید سائنسی تحقیقات ملاحظہ کریں:

الٹراوائلٹ شعاعوں سے بچیئے:

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سورج ہمارے لیے کھانا پکاتا ہے۔ کچے پھل پک کر میٹھے اور خوش ذائقہ ہو جاتے ہیں۔ سورج ہی دراصل اناج اور پھلوں کی فصلیں تیار کرتا ہے۔ ہری بالیاں اس کی حرارت سے پک کر سنہری ہو جاتی ہیں اور جو سورج کی کرنوں سے گرم ہونے والے چولہے استعمال کیے جائیں تو اس پر روٹی بھی پک سکتی ہے اور چاول بھی۔ یہی نہیں اس کی حرارت سے سمندروں کی سطح سے بھاپ بن کر اڑنے والا پانی ہر جگہ بارش اور برف کی صورت میں برستا ہے۔ یہ سلسلہ لاکھوں سال سے جاری ہے۔

اتنے اچھے سورج سے اب اس سطح زمین پر رہنے والوں کو نقصان بھی پہنچ رہا ہے۔ اس کی کرنوں سے انسانوں کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے اور حیوانوں کو بھی۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ سورج سے جو کرنیں پھوٹتی ہیں ان میں بالائے بنفشی (الٹراوائلٹ) شعاعیں شامل ہوتی ہیں۔

زمین پر پہنچنے سے پہلے شعاعیں خلا میں پھیلی اوزون گیس کی تہ یا چادر میں سے چھن کر زمین تک پہنچتی ہیں۔ اس تہ میں دراصل یہ شعاعیں جذب ہو جاتی ہیں۔ اوزون کی یہ چھلنی اب پھٹ گئی ہے۔ اس میں سوراخ انسان کی اپنی غلطی اور بے احتیاطی کا نتیجہ ہے۔ گاڑیوں، کارخانوں اور ہوائی جہازوں میں جلنے والے ایندھن سے نکلنے والی حرارت اور گیسوں کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ آج یہ کام سب سے زیادہ دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک امریکا انجام دے رہا ہے۔

اوزون میں جذب ہوئے بغیر آنے والی زیادہ شعاعوں کی وجہ سے انسانی اور حیوانی صحت کے لیے بڑے اہم مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ جن میں سے دو بہت اہم ہیں، یعنی ایک سرطانِ جلد اور دوسرا موتیا بند جس سے بینائی ختم ہو سکتی ہے۔

❁ ...... دنیا کے وہ حصے جو خط استوا کے علاقے میں واقع ہیں ان شعاعوں کی زد میں سب سے زیادہ رہتے ہیں۔

❁ ...... کھلے آسمان کی وجہ سے یہ شعاعیں زمین کی اوپری سطح پر زیادہ آتی ہیں جب کہ آسمان میں بادلوں کی چھتری کے باوجود بھی یہ بہت زیادہ ہوتی ہیں۔

❁ ...... زمین کی مختلف قسم کی سطحوں سے واپس مڑنے والی شعاعوں کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً گھاس کی سطح، مٹی اور پانی سے 10 فی صد الٹراوائلٹ شعاعیں منعطف ہوتی ہیں۔ تازہ برف سے 80 فی صد، خشک ساحل ریت سے کوئی 15 فیصد اور سمندری جھاگ سے 25 فیصد شعاعیں منعطف ہوتی ہیں۔

یہ شعاعیں دوپہر کے وقت سب سے زیادہ سطح زمین پر پہنچتی ہیں۔ خط استوا کے قریبی علاقوں میں یہ 20 فیصد زیادہ ہوتی ہیں جب کہ شمالی کرے میں گرمیوں کے موسم میں 84 فی صد ہوتی ہیں۔

دنیا کے اکثر تحقیقی اداروں اور ملکوں نے اپنے اپنے حساب سے ان شعاعوں کی

مضرتیں اور مقداریں متعین کی ہیں اور وہاں عوام کو موسم کے حال کے ساتھ دن کے مختلف حصوں میں ان کی کمی بیشی کے بارے میں بھی بتایا جاتا ہے تا کہ لوگ خود کو ان اوقات میں ان کی زد سے دور اور محفوظ رکھیں۔

الٹراوائلٹ شعاعوں کے نقصانات پر جدید سائنسی تحقیق:

الٹراوائلٹ شعاعوں سے پہنچنے والے نقصانات میں جلد کے سرطان کی مختلف اقسام ہیں۔ جلد کا تیزی سے بوڑھا ہونا یا اس کا انحطاط، موتیابند اور آنکھ کی دیگر بیماریاں قابل ذکر ہیں۔ اب اس کا ثبوت بھی ملا ہے کہ ان شعاعوں سے جسم کا نظام مدافعت بھی کمزور ہو جاتا ہے اور یوں جسم امراض کی زد میں آسانی سے آنے لگتا ہے۔

جلد کی بیماریاں:

دنیا میں ہر سال سیاہ سلعہ (رسولی) کے شدید قسم کے ایک لاکھ تیس ہزار مریض ہوتے ہیں، جس کا اصل اور بنیادی سبب سورج کی یہی کرنیں ہوتی ہیں۔ بچپن میں ان شعاعوں کی زد میں زیادہ رہنے والے بچے آگے چل کر اس سرطان کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اوزون کی چھلنی مزید کمزور ہو تو یہ مرض مزید زور پکڑ لیتا ہے۔ یعنی اس کے مریضوں کی تعداد مزید بڑھ سکتی ہے۔ جلد کو پہنچنے والے دیگر نقصانات میں جلد کے خلیات کی تباہی کے علاوہ خون کی رگوں اور ریشوں کو پہنچنے والا گزند قابل ذکر ہے۔ جسے جلد کے انحطاط کی شکایت کا نام دیا جاتا ہے۔

جلد پر اشعاعی الرجی (Photoallergic dermatitis):

جیسا کہ بیماری کے نام سے ظاہر ہے اس قسم کے Reaction ردعمل میں جلد شدید متاثر ہوتی ہے اور یہ عمل ان لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے جن کو دواؤں سے جساسیت ہوتی ہے۔

لہذا ایسی دوائیں کھانے کے بعد دھوپ میں چلنا نہایت نقصان دہ ہے۔اس کتاب میں ان دواؤں کی زیادہ تفصیل نہیں دی جاسکتی۔

بس عرف عام میں یہ گوش گزار کرانا ضروری ہے کہ اگر کوئی دوا استعمال کی گئی ہو اور اس کے بعد دھوپ میں چلنے سے کسی قسم کی خارش یا سوزش جلد میں پیدا ہو تو فوراً کسی معالج سے رجوع کرنا چاہیے۔اور اس دوا کا استعمال ترک کردینا چاہیے۔

اس صورت میں معالجین کو بھی کسی مریض کو دوا تجویز کرتے وقت اس کا خیال رکھنا پڑے گا کہ آیا اس دوا کے مضرت رساں اثرات بوجہ دھوپ تو نہیں پھر کچھ مریض دائمی طور پر کوئی دوا کھانے پر مجبور ہوتے ہیں تو ایسے مریض کو دوا تجویز کرتے وقت یہ بھی خیال رکھنا پڑے گا کہ ان دواؤں کے آپس میں ملنے کی وجہ سے تو کوئی مضرت رساں اثر متوقع نہیں۔

دھوپ سے جھلسنا Sun Burn:

جلد دھوپ سے جھلس جاتی ہے۔عام طور سے جو لوگ سمندر کے کنارے پکنک منانے جاتے ہیں۔ان میں Sun Burn ہو جاتا ہے۔جلد سورج کی روشنی کی وجہ سے متاثر ہوتی ہے۔شروع میں جلد پر سرخی ظاہر ہوتی ہے۔اس کے بعد جلد کا رنگ گہرا ہو جاتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ متاثرہ حصے پر چھاپے پڑجاتے ہیں۔یا خارش زیادہ ہوتی ہے معمولی نوعیت میں صرف خارش ہوتی ہے اور 24 گھنٹے بعد علامتیں غائب ہو جاتی ہیں۔

اگر Burn شدید ہو تو پھر زیادہ تکلیف ہوتی ہے اور متاثرہ حصہ کی جلد متورم ہو جاتی ہے۔مریض میں بے چینی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔کبھی کبھی بخار بھی ہو جاتا ہے۔یہ علامات کئی روز جاری رہتی ہیں۔پھر افاقہ ہو جاتا ہے اگر Burn عمیق ہیں تو پھر حسب ضرورت علاج معالجے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

سمندر کے کنارے Sun Burn زیادہ ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی سے شعائیں منعکس و منعطف ہوکر جلد پر لگتی ہیں۔لہذا ان کی قوت زیادہ ہو جاتی ہے اور Ultraviolet rays جلد پر مہلک اثر ڈالتی ہیں۔

Sun Burn کی وجہ سے دوسرے عوارض بھی محرک ہو جاتے ہیں۔مثلاً Herpes

simplex نمودار ہوسکتی ہے۔ Lupuserythemats sun بھی نمودار ہوسکتی ہے یا اگر یہ بیماری پہلے سے موجود ہو تو اس میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

Polymorphous light eruptions

شعاعوں کے سبب جلد کے اوپر مختلف انواع کے دانے نکل سکتے ہیں یہ دانے چھوٹے چھوٹے باجرے کی مانند ہوسکتے ہیں۔ کبھی کبھی معمولی چھالے بھی نمودار ہوسکتی ہیں۔ ان دانوں کی مختلف اشکال ہوسکتی ہیں۔ اسی لیے ان کو Polymorphous light eruptions کہتے ہیں۔ اس قسم کے مرض میں جلد کے کھلے ہوئے حصے متاثر ہوتے ہیں۔ جن میں چہرہ گردن' بازو زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

شعاعوں کے مدافعتی نظام پر اثرات:

جسم کا یہ نظام ماحولی عوامل مثلاً الٹراوائلٹ شعاعوں سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ ان شعاعوں کی وجہ سے جسم کے خلیات کی سرگرمی اور ان کی تقسیم کا عمل درانداز میں جاری نہیں رہتا۔ اس سلسلے میں چوہوں اور انسانوں پر جو تجربات ہوئے ہیں ان کے مطابق ان شعاعوں کے ماحولی سطح میں اضافے سے بعض امراض کی زد میں آنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

گویا اس طرح انسانوں میں حفاظتی ٹیکوں سے تحفظ میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں مزید تحقیق ہو رہی ہے۔ بچے سب سے زیادہ ان شعاعوں کی زد میں رہتے ہیں' اس لیے ان کے لیے خصوصی حفاظتی اقدامات ضروری ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ سرطان جلد کے ۹۰ فی صد مریض سفید فام افراد ہوتے ہیں۔ لیکن ان شعاعوں سے گہری رنگت والوں میں آنکھیں اور ان کا نظام مدافعت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔

آنکھ کے اندر کی بیماریاں:

آنکھوں کی شکایات میں الٹروائلٹ شعاعوں سے ہونے والا قرنیئے کا ورم اور آنکھ کی

جھلی کی سوجن شامل ہے۔ آنکھ کے پپوٹوں کے اندر بھی ورم ہو جاتا ہے۔ بلکہ قرنئے پر دھندلا سا پردہ بھی بن جاتا ہے اور مردہ جسم کے خلیات بھی سرطان زدہ ہو سکتے ہیں۔

دنیا میں اس وقت موتیا کی وجہ سے 16 ملین افراد نابینا ہیں' جن میں سے 20 فی صد صرف الٹراوائلٹ شعاعوں کی وجہ سے اپنی بینائی کھو چکے ہیں۔ ان کی وجہ سے بکریوں اور مچھلیوں کی بینائی بھی متاثر ہو رہی ہے۔

موضوع نمبر ۲۴

توہم پرستی اور جدید تحقیقات

توہم پرستی کی اسلام میں ممانعت:

اسلام نے توہم پرستی سے منع فرمایا ہے۔ خواتین کی اکثریت توہم پرستی کا شکار ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ وہم کا شکار ہوتی ہیں۔ اسلام نے وہم کرنے سے منع فرمایا ہے اور بہت سی احادیث مبارکہ میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ ان کی یہ جہالت اور جہالت کے دور کی باتیں کیا ہے' بلاوجہ وہم رکھنا جیسے جس گھر میں الو بیٹھ جائے تو وہ گھر ویران ہو جاتا ہے۔ جس گھر میں بلیاں روئیں وہاں کوئی فوت ہونے والا ہوتا ہے۔ اگر کسی کو چھینک آئے تو کوئی یاد کر رہا ہوتا ہے اور بہت سی عجیب قسم کے وہموں کا شکار ہوتی ہیں۔

خواتین کی توہم پرستی کے بچوں پر اثرات اور جدید تحقیق:

خواتین کی توہم پرستی ان کے بچوں پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے بڑے ہو کر ان کی شخصیت نفسیاتی اور بعض اوقات جسمانی لحاظ سے بھی مسائل کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ بات سوشل اینڈ آرگنائزیشن ''ساقہ'' کی ایک سروے رپورٹ میں سامنے آئی ہے۔ تنظیم کی خواتین ونگ کی صدر کے مطابق اس سروے کے مطابق 98 فیصد خواتین توہم پرستی کا شکار ہیں' اور اکثریت اس وہم کا اظہار کرتی ہیں کہ جمعرات کو کوئی کام شروع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح کام ختم ہونے کو نہیں آتا۔
چارپائی الٹی نہیں رکھنی چاہیے۔ جس وقت چھینک آ رہی ہو تو سمجھ لیں کہ کوئی یاد کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور بہت سی خواتین پیروں' فقیروں کے چکروں میں پڑی ہوتی ہیں۔

یہ خواتین تمام مسائل کا حل نکالنے کے لیے منتوں مرادوں کا سہارا لیتی ہیں۔ ان خواتین کی توہم پرستی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی اولاد بھی مختلف توہمات کا شکار ہو جاتی ہے اور وہ غیر مرئی قوتوں کی مدد کے محتاج سے بن جاتے ہیں۔

ایسی خواتین کے بچے بھی ہر ناکامی کو کسی نہ کسی توہم سے تعبیر کر دیتے ہیں اور یوں وہ اپنی غلطیوں سے سبق سیکھنے کی بجائے اپنے آپ کو غیر مرئی قوتوں کے چنگل میں بے بس سمجھتے ہیں۔ ایسے بچوں میں جدوجہد کی قوت خاصی حد تک کمزور ہوتی ہے۔ اس لیے اگر خواتین یہ چاہتی ہیں کہ ان کے بچے معاشرے میں مردانہ وار جدوجہد کریں تو وہ اپنے آپ کو ہر قسم کی توہمات سے آزاد کروائیں۔ (بحوالہ خواتین کی اسلامی زندگی کے سائنسی حقائق مع اضافہ)

موضوع نمبر ۲۵

بدنگاہی اور جدید سائنسی تحقیقات

بدنگاہی سے بچیں:

بدنگاہی سے مراد کسی غیر محرم پر نگاہ ڈالنا ہے' بالخصوص جب شہوت کے ساتھ یا لذت حاصل کرنے کے لیے نگاہ ڈالی جائے' چاہے وہ غیر محرم حقیقی طور پر زندہ موجود ہو اور چاہے غیر محرم کی تصویر ہو' اس پر بھی نگاہ ڈالنا حرام ہے اور بدنگاہی میں شامل ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمان مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے:

قل للمومنين يغضوا من ابصار هم ويحفظوا فروجهم ط ذلك از كى لهم ط ان الله خبير بما يصنعون Oوقل للمؤمنت يقضضن من ابصار هن ويحفظن فروجهن (سورة النور آيت ۳۰. ۳۱)

"آپ ﷺ فرمادیں مومن مردوں کو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے بیشک اللہ اس سے باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور آپ ﷺ فرمادیں مومن عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔"

نگاہ پست اور نیچی رکھنے سے مراد نگاہ کو ان چیزوں سے پھیر لینا ہے جن کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع و ناجائز ہے۔ اس میں غیر محرم عورت کی طرف بری نیت سے دیکھنا تحریماً اور بغیر کسی نیت کے دیکھنا کراہتاً داخل ہے۔ اور کسی عورت یا مرد کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں شامل ہے (مواضع ضرورت جیسے علاج معالجہ وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں)۔

کسی کا راز معلوم کرنے کے لیے اس کے گھر میں جھانکنا اور تمام وہ کام جن میں نگاہ

کے استعمال کرنے کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے' بھی اس میں داخل ہیں۔ اسی طرح عورتوں کے لیے غیر محرم مرد کو نظر شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔ اور بلا شہوت دیکھنا بھی خلاف اولیٰ ہے۔

مردوں کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے اور عورتوں کا ستر ان کا سارا بدن بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے ہے۔ یہ مواضع ستر ہیں' ان کا چھپانا سب پر فرض ہے۔ نہ کوئی مرد دوسرے مرد کا ستر دیکھ سکتا ہے نہ کوئی عورت دوسری عورت کا ستر دیکھ سکتی ہے اور مرد کسی عورت کا یا عورت کسی مرد کا ستر دیکھے تو یہ بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔ غیر محرم عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کا دیکھنا بھی مردوں کے لیے بلا ضرورت شرعیہ جائز نہیں۔ (تفسیر معارف القرآن جلد ششم)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ حرام چیزوں سے آنکھیں نیچی کر لی جائیں۔ اگر بالفرض اچانک نظر پڑ جائے تو دوبارہ یا نظر بھر کر نہ دیکھا جائے۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ نے حضور ﷺ سے اچانک نگاہ پڑنے کی بابت پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنی نگاہ فوراً ہٹا لو۔ نیچی نگاہ کرنا اور خدا تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو نہ دیکھنا آیت کا مقصود ہے۔

حضرت علیؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''علی نظر پر نظر نہ جماؤ۔ اچانک جو پڑ گئی وہ تو معاف ہے' قصداً معاف نہیں۔''

حضور ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔ لوگوں نے کہا حضور ﷺ کام کاج کے لیے اس کی ضرورت پڑتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اچھا راستوں کا حق ادا کرتے رہو۔ انہوں نے کہا وہ کیا؟ فرمایا: ''نگاہ نیچی رکھنا' کسی کو ایذا نہ دینا' سلام کا جواب دینا' اچھی باتوں کی تعلیم دینا' بری باتوں سے روکنا۔''

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ چھ چیزوں کے تم ضامن ہو جاؤ' میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوتا ہوں بات کرتے ہوئے جھوٹ نہ بولو' امانت میں خیانت نہ کرو' وعدہ خلافی نہ کرو' نظر نیچی رکھو' ہاتھوں کو ظلم سے بچائے رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے ماتحت رکھے' میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

حضرت عبیدہؓ کا قول ہے کہ جس چیز کا نتیجہ اللہ کی نافرمانی ہو وہ کبیرہ گناہ ہے۔ چونکہ

نگاہ پڑنے کے بعد دل میں فساد پیدا ہوتا ہے اس لیے شرمگاہ کو بچانے کے لیے نظریں نیچی رکھنے کا فرمان ہوا۔ نظر بھی ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے پس زنا سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ نگاہ نیچی رکھی جائے۔ (تفسیر ابن کثیر/۳)

بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ثابت ہوتی ہے۔ اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لیے سب سے پہلے اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا یعنی مسلمان مرد اور عورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔ اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ بالارادہ اس طرف نظر نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حفاظتِ نظر کے فوائد:

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس مردِ مومن کی کسی عورت کے حسن و جمال پر پہلی دفعہ نظر پڑے اور پھر وہ اپنی نگاہ نیچی کرلے (اس کی طرف دوبارہ نہ دیکھے) تو اللہ اس کو ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جس کی لذت و حلاوت وہ محسوس کرے گا۔ (مسند احمد)

یعنی ایک ناجائز نفسانی لذت کی قربانی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ آخرت کے بے حساب اجر و ثواب سے پہلے اپنے اس مومن بندے کو حلاوتِ عبادت کی نہایت اعلیٰ روحانی لذت اسی دنیا میں ہی عطا فرمادے گا۔ (معارف الحدیث جلد ششم) اگر آدمی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار و ارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

امام ابن قیمؒ نے بھی نگاہ کی حفاظت کے کئی فوائد لکھے ہیں:

۱۔ آنکھ کی حفاظت میں یہ فائدہ ہے کہ وہ مسموم و زہر آلود تیر جو قلب تک پہنچ کر انسان کو ہلاک کردیتا ہے، قلب تک پہنچنے نہیں پاتا۔

۲۔ آنکھ کی حفاظت سے قلب کو ذاتِ الٰہی سے انسیت و محبت پیدا ہوتی ہے اور پوری

طرح جمعیت خاطر حاصل ہو جاتی ہے۔ نگاہ آزاد ہوتی ہے تو قلب منتشر اور پراگندہ ہو جاتا ہے اور یہ چیز بندے کو خدا سے دور پھینک دیتی ہے۔

۳۔ آنکھ کی حفاظت سے انسان قوی، مضبوط اور ہمیشہ خوشی و مسرت میں رہتا ہے، جس طرح آنکھ کی آزادی سے قلب کمزور اور ہر وقت مغموم ومحزون رہا کرتا ہے۔

۴۔ نگاہ پست رکھنے سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے جس طرح کہ آزاد رکھنے سے تاریک ہو جاتا ہے۔ قلب کا نور تمام ضلالتوں، بدعتوں، گمراہیوں اور خواہشات کی پرستش سے بندے کو روکتا اور ان سے دور رکھتا ہے۔

۵۔ نگاہ کی حفاظت کرنے سے صحیح اور سچی فراست بندے کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اس سے حق وباطل اور صادق وکاذب میں بندہ امتیاز کر سکتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ عام دستور رہا ہے کہ اعمال کا بدلہ اعمال کی جنس سے دیتا ہے۔ جو آدمی صرف خدا کی رضا مندی کی خاطر کسی چیز کو چھوڑتا ہے، خدا اس کے بدلے میں بہترین چیز عطا فرماتا ہے۔ پس جب بندہ خدا کی رضا مندی کے لیے اپنی آنکھ اور نگاہ پست کر لیتا ہے تو اللہ اس عمل کے عوض اسے بصیرت عطا فرماتا اور علم وایمان اور معرفت وفراست کی برکتوں سے نوازتا ہے۔ یہ چیزیں قلب کی بصیرت ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں۔

۶۔ نگاہ پست رکھنے سے قلب کے اندر استقامت وثبات اور شجاعت وقوت پیدا ہوتی ہے اور خدا اس میں بصیرت ومحبت اور قدرت وقوت کے خزانے جمع کر دیتا ہے۔

۷۔ نگاہ پست رکھنا شیطان کے لیے قلب تک پہنچنے کا راستہ بند کر دیتا ہے کیونکہ شیطان نگاہ ونظر ہی کی راہ سے قلب تک رسائی پاتا ہے۔ وہ قلب کو بڑی بڑی تمنائیں، آرزوئیں اور امیدیں دلاتا ہے اور پھر اس میں شہوت کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ معاصی وگناہ کا ایندھن اسے اس آگ میں جھونکتا رہتا ہے۔ اور شیطان اسی صورت وشکل کے ذریعے سے معاصی وگناہ کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

۸۔ غض بصر یعنی نگاہ پست کر لینے سے قلب کو اس قدر فراغت واطمینان حاصل ہوتا ہے کہ بندہ اپنے مفید امور پر مکمل یکسوئی کے ساتھ غور کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس نگاہ آزاد اور آوارہ رہے تو انسان کا دل انتشار، اضطراب اور بے چینی کا سرچشمہ بن جاتا ہے اور یہ چیز مفید امور پر غور وفکر کرنے سے روکتی ہے اور جس قدر بھی کام ہوتے ہیں پراگندہ ہو جاتے

ہیں۔ اور دل ونگاہ صرف خواہشات نفس ہی کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور انسان رب العالمین کے ذکر سے بالکل غافل اور بے خبر ہو جاتا ہے۔

۹۔ آنکھ اور قلب کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جس کی وجہ سے نگاہ اور قلب میں اس قدر اتحاد و یکجہتی رہتی ہے کہ جس کام میں آنکھ مشغول ہو قلب بھی مشغول ہو جاتا ہے اور قلب مشغول ہو جائے تو آنکھ بھی اسے ترک نہیں کرتی۔ ایک کی اصلاح سے دوسرے کی اصلاح اور ایک کے فساد سے دوسرے کا فساد لازم ملزوم ہیں۔ انسان کی نگاہ فاسد ہو جائے تو قلب فاسد ہو جاتا ہے' قلب فاسد ہو جائے تو اس کی قوت فکریہ فاسد ہو جاتی ہے اور نگاہ اچھی رہتی ہے تو قلب اچھا رہتا ہے۔ (دوائے شافی)

مندرجہ بالا نکات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہمیں ہر صورت میں اپنی نگاہوں کی حفاظت کرنی چاہیے تاکہ اس دنیا میں بھی ہم فکری انتشار' بیماریوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہیں اور آخرت میں بھی ہمیں کامیابی حاصل ہو۔

بدنگاہی کے انسانی جسم پر اثرات:

جدید فرنگی ذہنیت کی سوچ یہی ہے کہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے صرف دیکھا ہی تو ہے یہ کوئی غلط کام تو نہیں۔ تو کیا کبھی ہم نے یہ بھی سوچا کہ!!!

❁ ...... شیر اگر سامنے آجائے اور انسان صرف اسے دیکھ لے تو صرف دیکھنے سے جسم اور جان پر کیا بنتی ہے۔ سوچیں!!

❁ ...... بچہ ماں کو صرف دیکھتا ہی تو ہے۔ اس کی محبت اور چاہت کے جذبات کیا ہوتے ہیں؟

❁ ...... سبزہ اور پھول صرف دیکھے جاتے ہیں تو پھر ان کے دیکھنے سے دل مسرور اور مطمئن کیوں ہوتا ہے۔

❁ ...... کسی کو مصیبت میں صرف دیکھتے ہی تو ہیں دل بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ آخر کیوں؟

❁ ...... زخمی اور لہولہان کو صرف دیکھتے ہی تو ہیں پریشان' غمگین اور بعض بے ہوش

ہو جاتے ہیں۔آخر کیوں؟

⁂......کسی کی بڑی دکان' مکان' بلڈنگ' کوٹھی یا کار دیکھتے ہی تو ہیں فوراً دل کے اندر مسرت' امید' حسد' رشک' بے چینی اور طمع جیسی مختلف کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔آخر کیوں؟ صرف دیکھا ہی تو تھا۔

⁂......کسی حسین جوان کو دیکھ کر اس کو دل دے بیٹھنے کی وجہ کیا ہے؟ اسے صرف دیکھا ہی تھا۔

⁂......نوٹ اور کاغذ کا فرق ناسمجھ سے پوچھ کہ نوٹ کو دیکھتے ہی اس کی کیفیت کیا ہوتی ہے اور کاغذ کو دیکھنے سے کیا۔تو نوٹ صرف دیکھا ہی تو تھا۔

الغرض آنکھیں چوری کرتی ہیں ہاتھ بڑھتے ہیں اور گناہ ہو جاتا ہے اسلام اسی کیفیت کے پیش نظر چہرے کو ڈھانپنے والے پردے کا حکم دیتا ہے ماہرین کی تحقیق کے مطابق نگاہوں کا اثر بالواسطہ دماغ اور ہارمونزی سسٹم پر پڑتا ہے۔اس نظام کے متاثر ہونے کی وجہ سے جسم کا تمام نظام متاثر ہو جاتا ہے اور بے شمار امراض میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر نکلسن ڈیوز کا تجربہ:

یہ مشہور روحانیات کا ماہر ہے تجربات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نگاہیں جس جگہ جاتی ہیں جمتی ہیں پھر ان کا اچھا اور برا اثر اعصاب (Nerves) دماغ (Brain) اور ہارمونز (Hormones) پر پڑتا ہے۔

بیوی' بہن اور ماں کے علاوہ کسی عورت کو دیکھنے سے خاص طور پر شہوت کی نگاہ سے دیکھنے سے ہارمونزی سسٹم کے اندر خرابی پیدا ہوتی ہے کیونکہ ان نگاہوں کا اثر زہریلی رطوبت کا باعث بن جاتا ہے اور ہارمونزوی گلینڈز ایسی تیز خلاف جسم زہریلی رطوبتیں خارج کرتے ہیں جس سے تمام جسم درہم برہم ہو جاتا ہے۔

کوئی انتہائی غریب شخص کسی انتہائی امیر آدمی کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر حسد کی وجہ سے ہارمونز کی ایسی رطوبت پیدا ہوتی ہے جس سے اس کا دل اور اعصاب متاثر ہو جاتے ہیں۔ایسی خطرناک پوزیشن سے بچنے کے لیے صرف اور صرف اسلامی تعلیمات کا سہارا لینا

پڑے گا۔(اسلام اور مستشرقین)

تجربات کے لحاظ سے ہر بات واضح ہے کہ نگاہوں کی حفاظت نہ کرنے سے انسان ایسے ڈپریشن' بے چینی اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔جس کا علاج ناممکن ہے کیونکہ نگاہیں انسان کے خیالات اور جذبات کو منتشر کرتی ہیں اور ہر انتشار اس کی گھریلو زندگی پر زیادہ اثر کرتا ہے۔اسلام سکون کا مذہب ہے جب یہی آدمی کسی کی اچھی پوزیشن دنیوی لحاظ سے دیکھے گا اور اگر اس کے اندر ایمان وتقویٰ کی کمی ہے تو یہ فوراً حسد اور بغض کی کیفیت میں مبتلا ہو جائے گا یا پھر یہ اس حیثیت کے نہ ملنے کی وجہ سے مایوسی کا شکار ہو جائے گا۔یوں یہ آدمی مستقل ایسی نفسیاتی امراض کا شکار ہو گیا جس میں آہستہ آہستہ مزید پھنستا چلا جاتا ہے۔

ایک صاحب فرمانے لگے تین دن صرف نگاہوں کو غیر محرمات اور خوبصورت عمارتوں اور موٹروں میں لگائے رکھتا ہو(آج ہمارا دن رات یہی مشغلہ ہے) تو صرف تین دن کے بعد جسم میں درد' تکان اور بے چینی محسوس کرتا ہوں میرے جسم کے عضلات کھینچ جاتے ہیں' دماغ بوجھل بوجھل' ہاتھ پاؤں میں کمزوری آجاتی ہے اگر اس کیفیت کو دور کرنے کے لیے میں سکون آور ادویات استعمال کروں تو کچھ وقت کے لیے پرسکون پھر وہی کیفیت آخر کار اس کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کروں۔کچھ عرصہ سے مستقل یہی مشق کرتا ہوں تو میں خود بخود تندرست ہو جاتا ہوں۔(محمد لقمان' طالب علم ڈگری کالج کوٹلی)

بدنگاہی اور زنا کی کثرت:

مغرب میں ستر کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے برائیاں عام ہیں۔بچوں میں منی سکرٹ کی وجہ سے جنسی ترغیب ہوتی ہے۔پردے کی پابندی نہیں عریانی عام ہے لہذا جنسی بے راہ روی عام ہے۔لواطت عام ہے' چپٹی بازی (LESBIAN ISM) عام ہے اور جانوروں سے جماع بھی اکثر وبیشتر سننے میں آتا ہے۔زنا کی کثرت معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتی ہے۔ماہرین نفسیات نگاہ کی حفاظت کا درس دیتے ہیں۔اور عریانی سے منع کرتے ہیں۔نہ برائی اور عریانی کی ترغیب ہو اور نہ زنا اور بے حیائی پھیلے۔

موضوع نمبر ۲۶

عذر پیش کرنا اور جدید تحقیق

اسلام دین کامل ہے اور اس نے ہر عمر کے لوگوں کے لیئے ہر طرح کی تعلیمات پیش کی ہیں حتیٰ کہ چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی روئے سخن بنایا ہے اسلام میں اجتماعیت کا حکم اخوت و بھائی چارے کے طور پر تو لازم ملزوم ہے لیکن عام حالات میں اسلام ہر شخص کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اپنے آپ کی قربانی دے کر دوسرے کی زندگی بن جاؤ یعنی اپنی خواہش کو دبا کر دوسرے کی چاہت کی طلب رکھنا یہ ایک انتہائی عظیم تعلیم ہے اور جو کسی قربانی کے سوال کے بدلے کوئی عذر پیش کر دے کہ نہیں جی! میں تو یہ ہرگز نہیں کر سکتا یہ بات اسلام کے تعلیمات کے منافی ہے۔

آیئے اس ضمن میں چند ایک مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کو عذر نہیں بتایا:

غزوۂ بدر ۲ھ میں پیش آیا۔ اچانک صورت حال کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کے مقابلے کے لیے نکلنا پڑا۔ یہ بڑا نازک لمحہ تھا۔ کیونکہ اس مقابلے کے لیے مہاجرین کی تعداد ناکافی تھی، انصار کا معاملہ یہ تھا کہ اپنی بیعت کی رو سے وہ صرف مدینہ کے اندر آپ کی حمایت کے پابند تھے مدینہ سے باہر نکل کر دشمنوں سے مقابلہ کرنا ان کے واجبات بیعت میں شامل نہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اے لوگوں مجھے مشورہ دو۔ اس کے جواب میں مہاجرین میں سے کچھ لوگوں نے اٹھ کر آپ کو اپنی پوری حمایت کا یقین دلایا۔ آپ نے کئی بار کہا کہ اے لوگوں مجھے مشورہ دو، اور ہر بار مہاجرین اٹھ کر جواب دیتے رہے۔

آخر انصار کو احساس ہوا کہ غالباً آپ ہمارا خیال جاننا چاہتے ہیں۔ یہ احساس ہوتے ہی فوراً ان کے سردار اٹھے اور کہا کہ اے خدا کے رسول، شاید آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔

انہوں نے کہا اب ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم آپ کو اکیلا چھوڑ دیں۔ اے خدا کے رسول، آپ جو چاہتے ہیں، اس کو کر گزریئے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم اگر آپ یہاں سے روانہ ہوں اور چلتے چلتے سمندر میں داخل ہو جائیں تو ہم کل آپ کے ساتھ سمندر میں داخل ہو جائیں گے۔ ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہے گا۔ (البدایہ والنہایہ ۳/ ۶۳۔۲۶۲)

اسی طرح صلح حدیبیہ (۶ ھ) کے بعد جب امن ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ اطراف عرب کے حاکموں اور بادشاہوں کو دعوتی خطوط روانہ کریں۔ آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے کچھ لوگوں کو دعوتی پیغام کے ساتھ عجمی بادشاہوں کی طرف بھیجوں۔

پس تم لوگ میرے ساتھ اختلاف نہ کرو جس طرح بنو اسرائیل نے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ اختلاف کیا صحابہ نے کہا کہ اے خدا کے رسول، ہم آپ سے کسی معاملہ میں کبھی اختلاف نہ کریں گے۔ آپ ہم کو حکم دیجئے اور ہم کو جہاں چاہے وہاں بھیجئے۔ (البدایہ والنہایہ ۴/ ۲۶۸)

یہ واقعات اصحاب رسول کی ایک نہایت اہم خصوصیت کو بتا رہے ہیں۔ یہ خصوصیت ہے ''میں'' کو حذف کر کے کسی شخص کا ساتھ دینا۔

ساری تاریخ کا یہ تجربہ ہے کہ لوگ ابتدائی جذبہ کے تحت کسی کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں مگر جب ناموافق باتیں پیش آتی ہیں تو وہ فوراً اختلاف کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔

مثلاً اصحاب رسول (انصار) بدر کی لڑائی کے موقع پر کہہ سکتے تھے کہ ہم نے داخلی دفاع کا عہد کیا ہے، ہم نے خارجی مقابلہ کا آپ سے عہد نہیں کیا (البدایہ والنہایہ ۳/ ۲۶۲) مگر انہوں نے اس پہلو کو نظر انداز کر کے آپ کا ساتھ دیا۔ جب کہ یہ ساتھ دینا بظاہر موت کے غار میں کودنے کے ہم معنی تھا۔ کیونکہ دشمن کے پاس ایک ہزار افراد کی

طاقتور اور مسلح فوج تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ۳۱۳ آدمیوں کی نسبتاً کمزور جماعت۔

اسی طرح حکمرانوں کے نام دعوتی وفود بھیجنے کے سلسلہ میں وہ کہہ سکتے تھے کہ ابھی تو عرب میں بھی اسلام پوری طرح نہیں پھیلا۔ ابھی داخلی استحکام کے اعتبار سے ہمارے سامنے بے شمار مسائل ہیں۔ ایسی حالت میں بیرون ملک وفود بھیجنے کا کیا موقع ہے۔

مگر اصحاب رسول نے اس قسم کے ہر خیال کو اپنے ذہن سے نکال دیا۔ انہوں نے عذر کو عذر نہیں بنایا۔ انہوں نے ''میں'' کو حذف کر کے آپ کا ساتھ دیا۔ انہوں نے اجتماعی مفاد کے لیے انفرادی تقاضوں کو نظر انداز کر دیا۔ اختلاف اور شکایت کے ہر معاملہ کو اللہ کے حوالے کر کے وہ اس پر راضی ہو گئے کہ وہ رسول خدا کی قیادت کے تحت اسلام کی خدمت کرتے رہیں، یہاں تک کہ اسی حال میں مر جائیں۔

عذر کے بارے میں ایک مغربی مفکر کا قول:

ایک مغربی مفکر نے کہا کہ اگر تمہارے پاس بہترین عذر ہے تب بھی تم اس کو استعمال نہ کرو:

If you have a good excuse don't use it.

مغربی مفکر نے یہ بات بطور آئیڈیل کہی تھی۔ مگر اس آئیڈیل کا پہلی بار جن لوگوں نے عملی واقعہ بنایا وہ اصحاب رسول تھے۔ انہوں نے اختلاف کو نظر انداز کر کے اتحاد کیا۔ انہوں نے شکایتوں کو بھلا کر ساتھ دیا۔ انہوں نے اپنی ذات کو حذف کر کے اپنے آپ کو اجتماعیت سے وابستہ کیا۔ وہ اپنے جذبات کو دبا کر مقصد کی تکمیل میں لگے رہیں۔ انہوں نے کچھ پانے کی امید کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ انہوں نے کریڈٹ لینے کے خیال کو اپنے ذہن سے نکال کر قربانیاں دیں۔ عام لوگ جس حد پر رک جاتے ہیں ان حدوں پر رکے بغیر وہ آگے بڑھ گئے۔

موضوع نمبر ۲۷

شہد کا استعمال اور جدید سائنسی تحقیقات

شہد کا قرآن میں تذکرہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شہد کی مکھی کے نام پر ایک طویل سورت نازل فرمائی ہے۔اس سورت میں شہد کی مکھی اور شہد کے بارے میں جو آیت ہے اس میں فرمایا:

واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ○ ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا. یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس. ان فی ذلک لا یته لقوم یتفکرون.

”آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اپنے لئے پہاڑوں، درختوں اور اونچی جگہوں پر گھر (چھتا) بناؤ۔ پھر ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ۔ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اور جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بھی بڑی نشانی ہے۔“ (النحل ۶۸۔۶۹)

رسولِ خدا حضرت محمد (ﷺ) شہد استعمال فرماتے تھے اور صحابہ کو بھی شہد استعمال کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

اطبائے قدیم، خاص طور پر قرونِ وسطیٰ کے مسلمان اطباء نے اچھی غذاؤں کے ساتھ ہی شہد کے استعمال کو اس کی درازی عمر اور شفائی خصوصیات کی وجہ سے ضروری قرار دیا ہے۔ کیوں کہ شہد میں ایسے خاص اجزاء ہوتے ہیں جو انسان کے لیے ہی کیا ہر

اس چیز کے لیے درازی عمر کا باعث ہوتے ہیں جو شہد میں رکھ دی جائے۔ شہد میں رکھی جانے والی اشیاء تمام جسم کے جراثیم، بیکٹیریا اور مضر اثرات سے محفوظ ہو جاتی ہیں۔ شہد میں ہونے کی وجہ سے ان اشیاء میں خمیر نہیں بننے پاتا اور ان کی حالت میں کسی بھی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

قدیم زمانوں میں طویل ترین مدتوں تک چیزیں شہد میں رکھ کر محفوظ کر لی جاتی تھیں۔ کیوں کہ خود شہد کبھی خراب نہیں ہوتا اور نہ کبھی سڑتا ہے۔ اسی وجہ سے اطبا اکثر ادویات و مرکبات میں شہد کو خصوصاً شامل کرتے ہیں۔ وہ طبی مرکبات جن میں شہد کی مقدار زیادہ ہے، کبھی منقضی Expire نہیں ہوتے۔

شہد کی ماہیت اور اصلیت:

شہد ایسے ذرات سے مرکب ہے جو زمین کے اندر نہایت گہرائی سے پھولوں میں پہنچتے ہیں۔ وہ نہایت لطیف ذرات یا سالمے ہوتے ہیں اور شفا بخشی اور طویل عمری کا باعث بنتے ہیں۔ یہی ذرات و سالمے زیرک و باشعور شہد کی مکھیوں کے ذریعے سے یکجا ہو کر ان کے چھتوں میں شہد کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

جدید کیمیا دانوں نے مصنوعی شہد بنانے کی خاطر شہد کا تجزیہ کر کے اس کے مختلف اجزاء معلوم کیے اور انہیں الگ الگ کر لیا، لیکن انہی اجزاء کو جب دوبارہ یکجا کیا تو شہد نہیں بن سکا۔

اس ناکامی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شہد میں کچھ ایسے غیر مرئی و لامحسوس اجزاء بھی ہوتے ہیں کہ جدید ترین تحقیقی سائنسی آلات بھی ان کا پتا لگانے میں ناکام ہو گئے۔ اسے ہم قدرتِ خداوندی ہی کہہ سکتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شہد میں شفا ہونے کا ذکر کر کے فوراً فرمایا۔

ان في ذالک لا یة لقوم یتفکرون.

''یعنی تحقیق اس میں سائنس دانوں کے لیے (اللہ کی ایک) نشانی ہے''۔

شہد میں موجود معدنیات:

شہد پر سائنسی تحقیق جیسے جیسے آگے بڑھ رہی ہے، ویسے ویسے اس کے مزید جواہر ہم پر آشکار ہوتے جا رہے ہیں۔ شہد کی کیمیائی ترکیب کا سرسری جائزہ لیا جائے تو پتا چلے گا کہ اس میں پانی (17.2 فی صد) شکر لیوولوز (38.19 فی صد)، ڈیکسٹروز (31.28 فیصد)، سکروز (1.31 فیصد) مالٹوز (7.31 فی صد)، اعلیٰ شکریات (1.50 فی صد) غیر متعین شکریات (3.1 فی صد)، راکھ (0.169 فی صد) اور نائٹروجن (0.04 فی صد) شامل ہوتے ہیں۔

معدنیات کے حوالے سے دیکھا جائے تو شہد میں پوٹاشیم (205 تا 1667 حصے فی دس لاکھ)، کلورین (52 تا 113 حصے فی دس لاکھ)، گندھک (58 تا 100 حصے فی دس لاکھ)، کیلشیئم (49 تا 51 حصے فی دس لاکھ)، سوڈیم (15 تا 76 حصے فی دس لاکھ)، فاسفورس (35 تا 47 حصے فی دس لاکھ)، میگنیشیم (19 تا 35 حصے فی دس لاکھ)، سلیکا (22 تا 36 حصے فی دس لاکھ)، لوہا (2.4 تا 9.4 حصے فی دس لاکھ) میگنیز (00.3 تا 4.09 حصے فی دس لاکھ) اور تانبا (0.29 تا 0.56 حصے فی دس لاکھ) وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

بعض اہم خامرے بھی شہد کا جزو لازم ہوتے ہیں لیکن سائنس دان اب تک ان خامروں کی شہد میں موجودگی کی وجہ نہیں جان پائے ہیں۔ شہد کے بارے میں اب تک بیان کردہ تمام معلومات سے قارئین خاصی حد تک واقف ہوں گے۔ اب اس حوالے سے تازہ پیش رفت کا احوال بھی ملاحظہ فرمائیے۔

شہد، گلوکوز، فرکٹوز اور میگنیشیئم، کیلشیئم، سوڈیم، کلورین، سلفر، آئرن اور فاسفیٹ جیسی معدنیات سے مل کر بنا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ، شہد میں وٹامن بی 1 بی 2 بی 3 بی 6 بی 5 اور وٹامن سی شامل ہیں۔ ان کی مقدار زرگل (Pollen) اور پھولوں کے رس کے منبع کے مطابق فرق سے ہوتی ہے۔ کاپر، آیوڈین، آئرن اور زنک بھی تھوڑی مقدار میں اور بہت سی اقسام کے ہارمونز بھی پائے جاتے ہیں۔

شہد کے خواص:

شہد جسم میں موجود غدود کو تندرست اور طاقت ور رکھتا ہے جس کے باعث غدودی کارکردگی بالکل ٹھیک رہتی ہے اور نتیجتاً سارا نظام غدود اپنے حیاتیاتی فرائض کی بجا آوری میں مصروف رہتا ہے۔

قلب پر شہد کے بے انتہا فائدہ مند اثرات ہوتے ہیں۔ شہد کا متواتر استعمال خون میں کولیسٹرول کی مقدار کو قابو میں رکھتا ہے۔ اس طرح انسان کولیسٹرول کی زیادتی سے ہونے والے امراض سے محفوظ رہتا ہے۔ شہد نہ صرف دل کی دھڑکن کے عمل میں توازن برقرار رکھتا ہے بلکہ قلب کو غذائیت بھی فراہم کرتا ہے۔ شہد کے استعمال سے قلب کی سکڑی ہوئی شریانیں معمول پر آ جاتی ہیں اور ان میں دورانِ خون درست ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اختلاجِ قلب بھی ختم ہو جاتا ہے۔

جگر کے عوارض میں بھی شہد کا استعمال قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ پھلوں کے رس کے ساتھ شہد کا استعمال جگر کو قوت بہم پہنچاتا ہے۔ یرقان میں ورمِ جگر کو ختم کر کے صفراوی نظام کو درست کرتا ہے۔

شہد زخم سے بدبُو اور عفونت دور کر دیتا ہے اور نہایت گہرے زخم بھی شہد کے استعمال سے بھر جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ناسور میں بھی شہد مفید ثابت ہوا ہے، اس مقصد کے کے لیے گندھک کو شہد ملا کر لگایا جانا چاہیے۔ جلنے کی صورت میں متاثرہ مقام پر فوراً شہد مَل دیا جائے تو پھوڑا یا زخم نہیں بنتا اور سوزش بھی ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں ایک روسی طبیب پروفیسر سمرنوف نے ایسے ۷۵ مریضوں کا علاج شہد سے کیا جن کو بندوق کی گولیوں سے زخم آئے تھے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ شہد بافتوں کی نمو کی رفتار کو اس طرح بڑھا دیتا ہے کہ زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ یعنی یہ جراثیم کش بھی ہوتا ہے۔

سینے کے امراض میں شہد کی افادیت:

سینے کے امراض میں شہد کا استعمال بہت مفید ہے۔ یہ پھیپھڑوں کو تقویت پہنچاتا ہے

اور اس کے متواتر استعمال سے بیمار پھیپھڑے تندرست ہو جاتے ہیں۔ اگر شہد اور پانی کو ایک اور دس کے تناسب سے ملا کر اس محلول کا بھپارا لیا جائے تو گلے اور پھیپھڑوں کی نالیوں کی خشکی اور اس خشکی کے سبب سے آواز بند ہو جانے کی شکایت رفع ہو جاتی ہے۔ یہ بھپارا ناک اور گلے کی غشائے مخاطی (Mucous Membranes) پر ہی اثر نہیں کرتا بلکہ پھیپھڑوں کے اندر ہوائی نالیوں تک پر مفید اثر ڈالتا ہے۔

نزلہ اور زکام کے علاج کے لیے شہد صدیوں سے استعمال ہوتا آیا ہے۔ ایک گلاس گرم دودھ میں ایک ٹیبل اسپون شہد یا سو گرام شہد میں ایک لیموں کا رس ملا کر پینے سے نزلہ و زکام کو ختم کرنے میں بے انتہا مدد ملتی ہے۔ حکیم ابن سینا کہتے ہیں کہ شہد بلغم خارج کرتا ہے اور اس سے کھانسی کو آرام آتا ہے۔

شہد سہاگے میں ملا کر منہ میں رکھنے سے کھانسی دور ہو جاتی ہے۔ گلے میں لگانے سے خراش رفع ہو جاتی ہے۔ شہد استعمال کرنے والے کو زکام نہیں ہوتا یا اگر زکام والا شخص شہد کھائے تو زکام ختم ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کو سردی زیادہ لگتی ہے یا اگر سردی کی وجہ سے صبح سیر کرنے سے ڈرتے ہیں، ان کو چاہیے کہ شہد کا اور گلاب کی پتیوں کو باہم ملا کر دوپہر سے قبل استعمال کریں۔ شہد تپ دق کی ابتدائی حالتوں میں بہت فائدہ مند ہے۔ نیز شہد کی چائے دمہ کھانسی کے مریض کے لیے نہایت مفید ہے۔

امراض شکم:

شہد ایک عمدہ ملین بھی ہے۔ اس کے استعمال سے پرانے قبض کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ شہد معدے اور امعا کے زخموں کے علاج کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ پیاس کی زیادتی میں شہد پانی میں ملا کر پینے سے نہ صرف پیاس رفع ہوتی ہے۔ بلکہ اکثر ہچکیاں بھی بند ہو جاتی ہیں اور قے وغیرہ کی شکایت بھی دور ہو جاتی ہے۔

شہد کی خون میں جلد شامل ہو جانے کی صلاحیت:

شہد نیم گرم پانی میں لیا جائے تو صرف 7 منٹ میں دورانِ خون میں داخل ہو جاتا ہے

اور بیس منٹ میں جب ٹھنڈے پانی کے ساتھ پیا جائے۔اس میں پائے جانے والے شکر کے آزاد سالمے دماغ کی کارکردگی کو آسان بناتے ہیں۔

شہد کی خون پیدا کرنے میں مدد:

شہد نیا خون بنانے میں توانائی کے ذخیرے کا کردار ادا کرتا ہے اور خون کی کمی کے مریضوں کو اس عمل کو تیز کرنے میں معاون ہے۔یہ خون کی صفائی اور اس کے مقوی ہونے میں بھی مدد دیتا ہے اس سے خون کی گردش باقاعدہ ہوتی ہے۔یہ خون کی چھوٹی نالیوں کے محوارضات پر بھی مثبت اثرات ڈالتا ہے۔

شہد معدے کا دوست:

شہد تیزابیت یا تخمیر کا باعث نہیں بنتا کیونکہ یہ جلد ہضم ہو جاتا ہے اس کے اندر آزاد ذرات چکنائی کو ہضم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔یہ ماں اور گائے کے دودھ میں آئرن کے نہ ہونے کو بھی پورا کر دیتا ہے۔آنتوں کے عمل کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ یہ اندرونی سکون کا بھی باعث ہے اور بھوک میں اضافہ کرتا ہے۔

رائل جیلی:

رائل جیلی چھتے کے اندر کارکن مکھیوں کا بنایا ہوا سفید سیال ہے۔اس قوت بخش مادے میں شکر، لحمیات، چکنائی اور بہت سے حیاتین پائے جاتے ہیں۔یہ جسم کی کمزوری اور بڑھاپے کے جسمانی اثرات جیسے مسائل میں استعمال ہوتا ہے۔

شہد کی جراثیم کش خصوصیات:

شہد کی یہ خصوصیت مزاحمتی (Inhibition) کہلاتی ہے۔شہد پر کیے گئے تجربات نے ثابت کیا ہے کہ جراثیم کش اثرات، شہد کو پانی میں ملا کر پتلا کر کے پینے سے دو گنے

ہو جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شہد کی وہ مکھیاں جو نوزائیدہ مکھیوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں وہ بھی ان کو پتلا شہد ہی پلاتی ہیں۔ (ترجمہ ڈاکٹر فردوس)

شہد سے خون میں طاقت کی فراوانی:

ڈاکٹر اے رولیڈر (Dr.A. Rolleder) کے آسٹریا کے یتیم خانے میں کیے گئے تجربات اور ڈاکٹر پی اے ویسن (Dr.I.A.Weesen) کے سوئزر لینڈ کے سینی ٹوریم میں کیے گئے تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ شہد سے انسان کے خون میں طاقت آتی ہے۔ جسم چست و توانا ہو جاتا ہے۔ وزن بڑھ جاتا ہے اور شکل وصورت اور رنگت نکھر جاتی ہے۔

شہد کی شکر پر فوقیت:

تجربات نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ شہد میں جو وٹامن ہیں وہ بہت دیر تک خراب نہیں ہوتے۔ حالانکہ اسٹور کی ہوئی سبزیوں اور پھلوں کے حیاتین کافی حد تک ضائع ہو جاتے ہیں۔

کینیڈا کے سائنسدانوں نے کھلاڑیوں پر تجربات کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ شہد کو دوسرے اقسام کی شکر پر مندرجہ ذیل فوقیتیں حاصل ہیں۔

۱۔ شہد معدے اور انتڑیوں کی جھلی میں خراش پیدا نہیں کرتا۔

۲۔ شہد زود ہضم ہے۔

۳۔ شہد کا گردوں پر کوئی برا اثر نہیں ہے۔

۴۔ یہ اعصاب ہضم پر بغیر بوجھ ڈالے حراروں کا بہترین سر چشمہ ہے۔

۵۔ یہ تھکاوٹ کو بہت جلد دور کرتا ہے اور اس کو باقاعدہ استعمال کرنے والا جلدی نہیں تھکتا۔

۶۔ یہ ہلکا سا قبض کشا بھی ہے۔

شہد گوشت کو محفوظ رکھ سکتا ہے، ذائقہ بھی نہیں بدلتا:

امریکی تحقیق سے شہد کا ایک اور فائدہ سامنے آیا ہے۔ کہ شہد کی **Antioxidant** خصوصیات گوشت کا ذائقہ بدلے بغیر اس کو محفوظ رکھ سکتی ہیں علاوہ ازیں یہ بھی بتایا گیا ہے

کہ گہرے رنگ کا شہد، ہلکے رنگ کے شہد سے بہتر ہوتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ شہد گوشت محفوظ کرنے کے روایتی طریقوں سے کہیں زیادہ موثر ہوتا ہے۔

شہد بچوں کے لیے ایک بہترین معاون افزائش:

شیر خوار بچے کو اگر پہلے نو ماہ شہد دیا جائے تو ماؤں کو چھاتی کی بیماری لاحق نہیں ہوتی اور بچے بھی عام طور پر بیماری سے محفوظ رہتے ہیں۔ دست اور قے کی حالت میں شہد پانی میں ملا کر دینے سے قریب المرگ بچوں کی حالت درست ہو جاتی ہے۔ جو لوگ اپنے بچوں کو تمام بیماریوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ جس وقت بھی ضرورت پڑے شہد ہی کو پانی میں ملا کر دیں۔

بچوں کو چھوٹی عمر ہی سے شہد دیا جائے تو ان کی نشو ونما اور پرورش تیزی کے ساتھ ہوتی ہے چونکہ شہد ہڈیوں کے بڑھنے میں معاون نیز ہڈیوں اور دانتوں میں کیلشیم کی کمی بھی شہد سے پوری ہوتی ہے اس لیے اس سے جسمانی نشو ونما بہتر ہوتی ہے۔

شہد کے ذریعے نشہ آور اشیاء سے نجات:

شراب، ہیروئن، کوکین، تمباکو اور دیگر نشہ آور اشیاء کا استعمال کرنے والوں کے لیے شہد بہت مفید چیز ہے۔ جس وقت ان نشوں کی خواہش محسوس ہونے لگے اور طبیعت گھبرانے لگے تھوڑا سا شہد کا بھی تجربہ کر دیکھئے۔ اس کے فوری استعمال سے شراب، ہیروئن اور تمباکو وغیرہ کا زہر جسم سے خارج ہونے لگے گا اور آئندہ نشہ آور اشیاء کی خواہش بھی بتدریج کم ہونے لگے گی۔

جراثیم کش شہد:

"جرنل آف اپلائیڈ مائیکرو بائیالوجی" کی جلد 93(2002) میں صفحہ نمبر 857 تا 863 پر ایک تحقیقی مقالہ شائع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ شہد کی بدولت ایسے زخم بھی

مندمل کیے جاسکتے ہیں جن کا بحال اور صحت یاب ہونا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔

اس رپورٹ کی تفصیلات کے مطابق، قدیم مصر میں زخموں کی مرہم پٹی کے لیے شہد کا استعمال کیا جاتا ہے۔ قبل ازیں ماہرین کا خیال تھا کہ شہد میں قیام پذیر گاڑھا پن کسی زخم سے ہوا کو دور رکھتا ہے اور اس میں موجود مختلف الاقسام شکریات کی بلند مقدار جرثوموں کی نشوونما میں رکاوٹ ڈالتی ہے اسی بناء پر شہد کو زخموں کے اندمال میں بہت مفید پایا گیا تھا۔

اس مفروضے کی صداقت جانچنے کے لیے کارڈف (برطانیہ) میں واقع ''یونیورسٹی آف ویلز انسٹی ٹیوٹ'' کی خرد حیاتیات داں (Microbiologist) روز کو پر اور ان کے رفقائے کار نے کچھ تجربات کیے۔ انہوں نے شہد میں پائی جانے والی شکریات پر مشتمل ویسا ہی گاڑھا محلول تیار کیا۔ دوسری طرف قدرتی شہد کے نمونے حاصل کیے گئے جن میں چراگاہی شہد (Pasture Honey) اور ماکونا شہد (Makuna Honey) شامل تھے۔

شہد کی اندمالی خصوصیات کا جائزہ لینے کے لیے انہوں نے مختلف مریضوں کے زخموں سے ان جراثیم کے نمونے جمع کیے جنہیں سخت جان جراثیم بھی کہا جاسکتا ہے۔ ان میں اسٹیفائیلو کوکس (Staphylcoccus) اور انٹیروکوکس (Enterococcus) اقسام کے جراثیم شامل تھے جو میتھیسلین اور وینکو مائسین جیسی تیز اثر ضد حیوی ادویہ (اینٹی بایوٹکس) دینے پر بھی شدید مزاحمت کرتے اور زندہ رہتے ہیں۔

ماہرین کی اس ٹیم کے علم میں یہ حقیقت بھی تھی کہ جب شہد کی بعض اقسام کا ہلکا محلول بنایا جاتا ہے تو وہ ہائیڈروجن پر آکسائیڈ بناتی ہیں جو جراثیم کش خصوصیات رکھتی ہے۔ اسی بناء پر شہد کی بعض اقسام کا محلول، زخموں کو صاف کرنے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ قدرتی شہد کے زیر بحث نمونوں میں سے چراگاہی شہد سے ہائیڈروجن پر آکسائیڈ پیدا ہوتا ہے مگر ماکونا شہد سے نہیں ہوتا۔

جب کلچر ڈش میں افزائش کیے گئے اسٹیفائیلوکوکس اور انٹیروکوکس جرثوموں پر یہ تینوں نمونے (یعنی شکریات کا محلول، چراگاہی شہد اور ماکونا شہد) استعمال کیے گئے تو نتائج واقعتاً حیرت انگیز تھے۔ دونوں طرح کے شہد نے اعلیٰ پائے کی جراثیم کش خصوصیات کا مظاہرہ کیا اور شکری محلول کے مقابلے میں تین گنا موثر انداز سے جرثوموں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ دیکھنے میں آئی کہ وہ جراثیم جو خطرناک ترین ضد حیوی ادویہ

(اینٹی بایوٹکس) کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ بھی شہد کے سامنے ڈھیر ہوتے چلے گئے۔

اس تحقیق سے اب یہ بات خاصی اطمینان بخش حد تک طے ہو چکی ہے کہ شہد میں موجود صرف شکریات ہی جراثیم کے خلاف نبرد آزما نہیں ہوتیں بلکہ اس کے دوسرے اجزاء بھی اس عمل میں حصہ بٹاتے ہیں۔ شہد میں پائے جانے والے خامرے اس حوالے سے اہم امیدوار کے حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ البتہ اب تک اس سوال کا جواب نہیں مل پایا کہ آخر شہد کے اس جراثیم کش عمل میں کون کون سے اجزا شریک ہیں؟

اس رپورٹ میں ماہرین نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ شہد پر مبنی روایتی طریقہ ہائے علاج کو اب تک جدید تحقیق میں وسیع طور پر نظرانداز کیا جاتا رہا ہے جو ایک فاش غلطی ہے۔ بے شک، شہد پر کی گئی یہ تحقیق اور اس کے نتائج ''شہد میں شفا ہے'' کی جدید بازگشت ہیں۔

شہد بہت سی بیماریوں کے علاج میں کارآمد ہے۔ کیونکہ اس میں بہت سے خصوصیات ہیں۔ مثلاً یہ جراثیم کو مارتا ہے۔ ڈاکٹر ڈبلیو۔ جی۔ سیکٹ (Dr.w.G.Sacket) جو کہ امریکہ میں کلوریڈو کے زراعتی کالج میں بیکٹریولوجسٹ (Bacteriologist) ہیں نے تجربات سے یہ ثابت کیا ہے کہ شہد جراثیم کش ہے۔ شہد جن جراثیم کو ختم کرتا ہے وہ مختلف بیماریوں مثلاً تپ محرقہ، اسہال، پیچش وغیرہ کے موجب ہیں۔ ایک اور سائنسدان ڈاکٹر اے پی سڑٹی وینٹ (Dr. A . A Sturtevant Bacteriologist Of U.S.Buriau Of Entomology Washington .D.C) نے یہ ثابت کیا ہے کہ شہد کی جرم کشی اس کے پانی کو اپنی طرف کھینچنے (Hygroscopic Power) کی زبردست خاصیت کی وجہ سے ہے۔ اس لیے شہد کا استعمال اندرونی و بیرونی (یعنی جلدی بیماریوں) کے لیے یکساں مفید ہے۔

موضوع نمبر ۲۸

غذا کو چبا کر کھانا اور جدید سائنسی تحقیقات

جس طرح ہم آٹے کو پیسنے کے لیے چکی استعمال کرتے ہیں اور چکی کو بالکل درست حالت میں رکھتے ہیں تا کہ آٹا باریک سے باریک تر پسے بصورت دیگر چکی موٹر کے خراب ہونے کی وجہ سے آٹا موٹا پسے گا اور ہمیں ڈبل محنت کرنی پڑے گی اسی طرح اپنے جسم کے نظام کو سمجھئے کہ آپ غذا کو جس طرح زیادہ چبائیں گے وہ معدے میں جا کر اتنی ہی جلدی آپ کو طاقت وتوانائی بہم پہنچائے گی نیز باریک چبانے کی وجہ سے غذائی نالی میں اس غذا کے پھنسنے کا خطرہ بھی ختم ہو جائے گا یہ اصول بھی اسلامی تعلیمات ہی کی روشن جھرکوں سے جھانک رہا ہے۔

جس طرح اسلام نے ہر معاملے میں اپنی تعلیمات کے عملی نمونے کی صورت میں اپنے نبی سرور کونین ﷺ کی ذات گرامی کی حیات طیبہ کو نمونہ بنایا بالکل اسی طرح اس معاملے میں آپ ﷺ کی عادت طیبہ واضح ہے اور ہمیں دعوت دے رہی ہے کہ ہم بھی اس پر عمل کریں اور اپنی صحت کے خود محافظ بنیں۔

حضور نبی کریم ﷺ بہت اطمینان وسکون سے کھانا تناول فرماتے تھے اور ہر نوالے کو خوب چبا کر کھاتے تھے آپ ﷺ کے صحابہ بھی اپنے آقا وسردار کی تقلید میں ایسا کر کے صحت مند رہتے تھے اور ہماری طرح غذا ہوس مند نہیں تھے کیونکہ جس قدر غذا کو بغیر چبائے منہ کے ذریعے معدے میں ٹھونسا جائے گا اتنی ہی اس کی طلب واشتہاء بڑھے گی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ جدید سائنس اس ضمن میں کیا کہتی ہے۔

غذا کو چبا کر نہ کھانے پر جدید سائنسی تحقیق:

دراصل جب ہم کسی بھی کھانے کا لقمہ منہ میں لے کر چباتے ہیں تو ہمارے منہ کے

لعاب (تھوک) کے ساتھ زبان اور منہ کے خاص خلیوں (Cells) سے ایک خاص قسم کا جوس خارج ہوتا ہے جسے ہم اینزائم (Enzyme) کہتے ہیں۔ اس کا نام ٹائلن (Ptylin) ہوتا ہے اور یہ ہمارے منہ میں موجود غذا کا ہاضمہ کرتا ہے یعنی اسے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑتا ہے جو کہ نہایت اہم عمل ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو اور یہ لقمہ تیزی سے غذائی نالی سے گزر کر معدے میں جا گرے تو پھر السر سے لے کر بہت ساری بیماریوں کا انسان کا شکار ہو جاتا ہے۔

تو جناب جب ٹائلن کی مدد سے یہ غذا چھوٹے چھوٹے ذروں میں بدلتی ہے تو اس میں موجود چکنائی یعنی Fats، کاربوہائیڈریٹس (Carbohydrates) (نشاستے والی غذا) اور Protein یعنی پروٹین کے اندر تبدیلی آتی ہے اور ان کے اندر جو قدرتی بانڈز (Bonds) ہوتے ہیں یعنی چربی وغیرہ کے ریشے جو انہیں جوڑے رکھتے ہیں وہ ٹوٹ جاتے ہیں اور یہ غذا ایک نرم گھولے کی شکل میں غذائی نالی جسے Oes Phagus کہتے ہیں اس سے گزر کر معدے میں جا پہنچتی ہیں جہاں پر جگر، پتے وغیرہ سے بھی اینزائمز Enzymes نکل کر اس غذا کو جو محض نامکمل طور پر ابھی ہاضمے کی اسٹیج سے گزر رہی ہوتی ہے۔ مزید اس پر عمل کرتے ہیں اور کم از کم کاربوہائیڈریٹس جسے اسٹارچ بھی کہتے ہیں پر عمل کر کے اسے بالکل ہاضم بنا دیتی ہے اور معدے کے باقی جوس یا Enzymes اس غذا میں موجود پروٹین کے اوپر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان Enzymes میں اہم ترین Peptin (پیٹن) کہلاتا ہے اور یہ معدے کے خلیوں میں خارج ہونے والے HCL (ہائیڈروکلورک ایسڈ) کے ساتھ مل کر اس پروٹین کو مزید زود ہضم (Digestive) بنا دیتا ہے۔

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ چکنائی یعنی غذا میں موجود Fats پر بھی Enzymes (اینزائمز) عمل پیرا ہوتے ہیں اور انہیں بھی ہاضم بنانے کے لیے ان کے درمیان ریشے اور چربی کو فیٹی ایسڈز (Fatty Acids) میں تبدیل کر دیتے ہیں جو کہ خاصے ہاضم ہوتے ہیں اور جسم کے خلیوں میں جذب ہو کر صحت مندی کا رجحان پیدا کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ خون کی نالیوں میں چکنائی پیدا کر کے دل کے دورے کا باعث بھی بن سکتے ہیں اور جگر کی خرابی بھی پیدا کرتے ہیں۔

ایک قابل غور بات یہ ہے کہ معدے میں موجود تمام غذا ہضم نہیں ہوتی جب تک کہ وہ چھوٹی آنت میں داخل نہ ہو جائے جہاں موجود جوس اس کو پوری طرح زود ہضم بنا دیتے ہیں جس کے بعد صحت مندی کا عمل ظہور پذیر ہوتا ہے یعنی یہ پوری طرح ہاضم (Disgestive) غذا خون کی باریک نالیوں کے ذریعے جسم میں داخل ہو کر اسے صحت مند اور توانا بناتی ہے جبکہ غذا کے وہ تمام حصے جو اس سب عمل کی صورت میں بھی پوری طرح ہضم نہیں ہوئے ہوتے ہیں وہ بڑی آنت میں داخل ہو کر فضلے کی صورت میں جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔

تو دیکھا دوستو آپ نے کہ محض منہ میں غذا رکھ کر اسے چبانے سے ہی آپ اپنی صحت مندی یا بیماری کا عمل شروع کر دیتے ہیں۔

کم چبانے والوں کے دانت خراب ہونے کا خطرہ:

کم چبانے والے لوگوں کے دانت عام طور پر زیادہ خراب ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دانتوں کی Exercise ضروری ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ایک طرف سے کھانے کا عادی ہو تو اس کے دوسری طرف کے دانت خراب ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ کبھی ایک طرف سے چبا کر کھاؤ کبھی دوسری طرف کے دانتوں سے چبا کر کھاؤ تا کہ تمہارے باقی سب دانتوں کی مشق ہوتی رہے۔ اب بتائیے ایک سنت پر عمل کرنے کے کتنے فائدے آج سمجھ آ رہے ہیں۔ سبحان اللہ۔

موضوع نمبر ۲۹

دولت کی ہوس اور جدید سائنسی تحقیقات

امیر ہونے کا خبط:

ہر شخص کو اللہ پاک نے عقل اور سمجھ عطا کی ہے وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ چند روزہ زندگی مصیبتوں اور محرومیوں کی آماجگاہ ہے۔ ایک کم نہیں ہونے پاتی کہ دوسری آن ٹپکتی ہے۔ اگر آپ نے اپنی موجودہ مالی حالت پر مطمئن رہنا سیکھ لیا تو پھر دوسروں کو دیکھ کر امیر ہونے کے خبط سے نجات مل جائے گی۔ اور مال دولت کی وجہ سے ہونے والی بے اطمینانی سے آپ کو نجات مل جائے گی۔ مایوسی اور دل برداشتگی کا احساس ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ گویا انسان اگر اپنی موجودہ حالت پر مطمئن اور اللہ کی تقسیم پر راضی ہو جائے۔ تو مصیبت اور تکالیف بھی قابو میں آجائیں گی اور ہر مشکل از خود آسان ہوتی چلی جائے گی۔

جائیداد بنانے سے بچو:

(ابن مسعودؓ) رفعه : لاتتخذو ا الضيعة فترغبوا فى الدنيا. (ترمذی)
اپنی کوئی جائیداد نہ بناؤ۔ ورنہ دنیا میں پھنس جاؤ گے۔

امت کے لیے سب سے بڑا فتنہ:

(کعبؓ بن عاضؓ) رفعه: ان لكل امة فتنة و ان فتنة امتى المال۔ (ترمذی)
ہر امت کے لیے ایک ذریعہ آزمائش ہوتا ہے اور میری امت کا ذریعۂ آزمائش مال ہے۔

مال میں مالدار کا اصلی حصہ کتنا ہے؟:

(ابوھریرۃؓ)یقول العبد مالی مالی و انماله من ماله ثلاث ما اکل فافنی اولبس فابلی او اعطی فاقتنی وما سوی ذلک فھو ذاھب تارکه للناس. (مسلم)

بندہ: میرا مال میرا مال'' بکتا رہتا ہے، حالانکہ مال میں اس کا حصہ صرف تین چیزیں ہوتی ہیں۔

(۱) جو وہ کھا کر ہضم کر لیتا ہے۔

(۲) پہن کر پرانا کر دیتا ہے۔

(۳) اور کسی کو دے کر اپنا ذخیرہ آخرت بنا تا ہے۔

ان تین چیزوں کے علاوہ جو بھی ہوتا ہے وہ چلا جاتا ہے یا وہ اسے دوسروں کے لیے چھوڑ جاتا ہے۔

دولت اور مرتبے کی حرص دین کی بربادی کا سبب ہے:

حدیث مبارک:

ماذئبان جائعان ارسلانی غنم بافسدلھا من حرص المرء علی المال والشرف لدینه (ترمذی)

''دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں میں چھوڑ دیے جائیں وہ اس قدر فساد برپا نہیں کرتے جس قدر کہ انسان کی دولت اور مرتبہ کی حرص اس کے دین میں فساد ڈالتی ہے''۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا:

دنیادار اور دولتمند بڑی بلا میں گرفتار ہیں کہ دنیا کی عارضی مسرت کو دیکھتے ہیں اور دائمی مسرت ان سے پوشیدہ ہے۔ دولت مندی سے زیادہ کوئی چیز ایمان میں خلل انداز نہیں ہے۔

راحت وسکون کے لیے نسخہ اکسیر

حضرت تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک عجیب ارشاد فرمایا جو ہمارے لیے نسخہ اکسیر ہے۔ فرمایا کہ:

دنیا کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو، اور اپنے سے کمتر حیثیت والوں کے ساتھ رہو۔ ان کی صحبت اختیار کرو، اور ان کے حالات کو دیکھو، اور دین کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھو، اور ان کی صحبت اختیار کرو۔ کیوں؟ اس لیے کہ جب دنیا کے معاملے میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھو گے تو جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں، ان نعمتوں کی قدر ہوگی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دے رکھی ہے، اور اس سے قناعت پیدا ہوگی، شکر پیدا ہوگا اور دنیا طلبی کی دوڑ کا جذبہ ختم ہوگا، اور دین کے معاملے میں جب اوپر والوں کو دیکھو گے کہ یہ شخص تو دین کے معاملے میں مجھ سے آگے بڑھ گیا تو اس وقت اپنی کمی کا احساس پیدا ہوگا۔ اور آگے بڑھنے کی فکر پیدا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کیسے راحت حاصل کی:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ جو محدث بھی ہیں، فقیہہ بھی ہین، صوفی بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ مالداروں کے ساتھ گزارا (خود بھی مالدار تھے) صبح سے شام تک مالداروں کے ساتھ رہتا تھا، لیکن جب تک مالداروں کی صحبت میں رہا، مجھ سے زیادہ غمگین انسان کوئی نہیں تھا، کیونکہ جہاں جاتا ہوں، یہ دیکھتا ہوں کہ اس کا گھر میرے گھر سے اچھا ہے، اس کی سواری میری سواری سے اچھی ہے، اس کا کپڑا میرے کپڑے سے اچھا ہے۔ ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر میرے دل میں کڑھن پیدا ہوتی تھی کہ مجھے تو ملا نہیں اور اس کو مل گیا۔ لیکن بعد میں دنیاوی حیثیت سے جو کم مال والے تھے، ان کی صحبت اختیار کی، اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا تو فرماتے ہیں۔

"فاستر حت" یعنی میں راحت میں آ گیا، اس واسطے کہ جس کو بھی دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ میں تو بہت خوش حال ہوں، میرا کھانا بھی اس کے کھانے سے اچھا ہے، میرا کپڑا بھی اس کے کپڑے سے اچھا ہے، میری سواری بھی اس کی سواری سے اچھی ہے، اس واسطے میں اب الحمد للہ راحت میں آ گیا ہوں۔

اپنے سے اونچے پر نگاہ رکھنے سے کبھی قناعت حاصل نہیں ہوگی:

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے کی برکت ہے، کوئی شخص تجربہ کر کے دیکھ لے۔ دنیا کے اندر اپنے سے اونچے کو دیکھتے رہو گے تو کبھی پیٹ نہیں بھرے گا، کبھی قناعت حاصل نہیں ہوگی، کبھی آنکھوں کو سیری نصیب نہیں ہوگی، ہر وقت یہی فکر ذہن پر سوار رہے گی۔ جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لو کان لا بن ادم وادیا من ذھب احب یکون لوادیان

اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی بھر کر مل جائے تو وہ یہ کہے گا کہ دو وادیاں مل جائیں، اور جب دو مل جائیں گی تو کہے گا کہ تین مل جائیں، اور اسی طرح پوری زندگی اسی دوڑ میں صرف ہو جائے گی، اور کبھی راحت کی منزل پر، قناعت اور سکون کی منزل پر پہنچ نہیں پائے گا۔

مال و دولت کے ذریعے راحت نہیں خریدی جاسکتی:

میرے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کیا اچھی بات فرمایا کرتے تھے، لوح دل پر نقش کرنے کے قابل ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ راحت و آرام اور چیز ہے، اور اسباب راحت اور چیز ہے۔ اسباب راحت سے راحت حاصل ہونا کوئی ضروری نہیں "راحت" اللہ جل جلالہ کا عطیہ ہے، اور ہم نے آج اسباب راحت کا نام راحت رکھ دیا ہے۔ بہت سارا روپیہ رکھا ہو تو کیا بھوک کے وقت وہ اس کو کھالے گا؟

کیا اگر کپڑے کی ضرورت ہوگی تو اسی کو پہن لے گا؟

کیا گرمی لگنے کے وقت وہ پیسہ اس کو ٹھنڈ پہنچائے گا؟

بذاتِ خود نہ تو یہ پیسہ راحت ہے اور نہ ہی اس کے ذریعہ تم راحت خرید سکتے ہو اور اگر اس کے ذریعے تم نے اسبابِ راحت خرید بھی لیے مثلاً آرام کی خاطر تم نے اس کے ذریعہ کھانے پینے کی چیزیں خرید لیں، اچھے کپڑے خرید لیے، گھر کی سجاوٹ کا سامان خرید لیا، لیکن کیا راحت حاصل ہوگئی؟

یاد رکھو، محض ان اسباب کو جمع کر لینے سے راحت کا مل جانا کوئی ضروری نہیں، اس لیے کہ ایک شخص کے پاس راحت کے تمام اسباب موجود ہیں، لیکن صاحب بہادر کو گولی کھائے بغیر نیند نہیں آتی، بستر آرام دہ، ائیر کنڈیشنڈ کمرہ اور نوکر چاکر سبھی کچھ موجود ہے لیکن نیند نہیں آرہی ہے۔

اب بتاؤ اسبابِ راحت سارے موجود، لیکن نیند ملی؟ راحت ملی؟ اور ایک وہ شخص ہے جس کے گھر پر نہ تو پکی چھت ہے بلکہ ٹین کی چادر ہے، نہ چارپائی ہے بلکہ فرش پر سو رہا ہے، لیکن بس ایک ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھا اور سیدھا نیند کے اندر گیا اور آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر صبح کو بیدار ہوا، بتاؤ! راحت اس کو ملی، اور اس مزدور کے اس اسبابِ راحت موجود نہیں تھے۔ لیکن راحت مل گئی۔ یاد رکھو! اگر دنیا کے اسباب جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے اور دوسروں سے آگے بڑھنے کی فکر میں لگ گئے تو خوب سمجھ لو کہ اسبابِ راحت تو جمع ہو جائیں گے، لیکن راحت پھر بھی حاصل نہ ہوگی۔

وہ دولت کس کام کی جو اولاد کو باپ کی شکل نہ دکھا سکے:

حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ کے زمانے ایک صاحب تھے، بہت بڑے مل اونر، اور ان کا کاروبار یہاں صرف پاکستان میں ہی نہیں تھا، بلکہ مختلف ممالک میں ان کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ ایک دن ویسے ہی والد صاحب نے پوچھا کہ آپ کی اولاد کتنی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا سنگاپور میں ہے، ایک لڑکا فلاں ملک میں ہے، سب دوسرے ملکوں میں ہیں۔

دوبارہ پوچھا کہ آپ کی اپنے لڑکوں سے ملاقات تو ہوتی رہتی ہوگی، وہ آتے جاتے

رہتے ہیں؟

انہوں نے بتایا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئے ۱۵ سال ہو گئے ہیں، ۱۵ سال سے باپ نے بیٹے کی شکل نہیں دیکھی۔ بیٹے نے باپ کی شکل نہیں دیکھی تو اب بتاؤ! ایسا روپیہ اور ایسی دولت کس کام کی جو کہ اولاد کو باپ کی شکل نہ دکھا سکے، اور باپ کو اولاد کی شکل نہ دکھا سکے، ساری دوڑ دھوپ اسباب راحت کے لیے ہو رہی ہے۔ لیکن راحت مفقود ہے اس لیے یاد رکھو کہ راحت پیسے کے ذریعہ نہیں خریدی جا سکتی ہے۔

پیسے سے ہر چیز نہیں خریدی جاسکتی:

ابھی چند روز پہلے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ وہ رمضان میں عمرے کو تشریف لے گئے، اور ایک اور صاحب دولت مند بھی عمرے کو جا رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ عمرے کو جا رہے ہو، پہلے سے ذرا انتظام کر لینا تاکہ رہنے کے لیے اور کھانے پینے کے لیے صحیح انتظام ہو جائے۔ وہ اپنی دولت کے گھمنڈ میں تھے، کہنے لگے کہ ارے میاں! چھوڑو انتظام وغیرہ، اللہ کا شکر ہے، پیسے بہت موجود ہیں، پیسے سے دنیا کی ہر چیز مل جاتی ہے، آرام دہ رہائش بھی مل جاتی ہے کھانا بھی مل جاتا ہے، کوئی فکر کی بات نہیں۔ ہمارے پاس پیسہ خوب ہے، دس ریال کی جگہ بیس ریال خرچ کر دیں گے۔

وہی صاحب بتا رہے تھے کہ میں نے دو دن کے بعد دیکھا حرم شریف کے دروازے پر سر جھکائے بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا بھائی کیا ہوا؟

کہنے لگے کہ سحری میں اٹھے تھے لیکن ہوٹل میں کھانا نہیں ملا، کھانا ختم ہو گیا تھا۔ دماغ میں یہ گھمنڈ تھا کہ پیسے سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھا دیا کہ دیکھو پیسہ تمہاری جیب میں رکھا رہ گیا اور روزہ بغیر سحری کے رکھا۔

سکون حاصل کرنے کا راستہ:

یہ پیسہ، یہ ساز و سامان، یہ مال و دولت جو کچھ تم جمع کر رہے ہو، یہ بذات خود راحت

دینے والی چیز نہیں ہے، راحت پیسے سے خریدی نہیں جا سکتی، وہ محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، جب تک قناعت پیدا نہیں ہوگی اور جب تک یہ خیال پیدا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حلال طریقے سے جتنا مجھے دے رہے ہیں، اسی سے میرا کام چل رہا ہے، اس وقت تک تمہیں سکون حاصل نہیں ہوگا۔ ورنہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس دولت بے حد وحساب ہے لیکن ایک لمحے کا سکون نہیں، ایک لمحے کا قرار نہیں، رات کو نیند نہیں آتی اور بھوک اڑی ہوتی ہے۔ یہ سب اس دنیا کی دوڑ کا نتیجہ ہے۔

اس لیے اللہ کے رسول ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اونچے آدمی کو نہ دیکھو کہ ان کے مقابلے میں تمہیں اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ دے رکھا ہے، اس کے ذریعے تمہیں قرار آئے گا۔ تمہیں راحت ملے گی اور سکون حاصل ہوگا۔ لیکن دین کے معاملے میں اپنے سے اونچے کو دیکھو، کیوں؟ اس لیے کہ اس کے ذریعے آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور آگے بڑھنے کی بے تابی تو ہوگی لیکن وہ بڑی لذیذ بے تابی ہے۔ دنیا جمع کرنے کی بے تابی اور بے چینی تکلیف دہ ہے، وہ پریشان کن ہے، وہ راتوں کی نیند اڑا دیتی ہے، وہ بھوک اڑا دیتی ہے، لیکن دین کے لیے جو بے تابی ہوتی ہے وہ بڑی مزیدار ہے، بڑی لذیذ ہے۔

اگر انسان ساری عمر اسی بے تابی میں رہے تب بھی وہ لذت میں رہے گا، راحت اور سکون میں رہے گا، لیکن ہماری ساری زندگی کا پہیہ الٹا چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری فکر کو درست فرمائے، ہمارے دلوں کو درست فرمائے، اور جو راستہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں بتایا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اسلام کا اقتصادی پہلو اور جدید تحقیقات:

”اسلام دین فطرت ہے اس لیے اسلام کا معاشی نظام بھی فطرت کے اصولوں پر قائم ہے۔ اسلام کی رو سے جمع کی جانے والی ضرورت سے زائدہ دولت معاشرے میں بگاڑ کا موجب ہوتی ہے۔ دولت کے چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے سے غریب، مفلوک الحال اور بے بس لوگوں

میں اخلاقی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے جس کے برے اثرات پوری معاشرے پر پڑتے ہیں۔ مغربی ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں نے وہاں کے سنجیدہ لوگوں کو کسی نئے معاشی اصول کا متلاشی بنا دیا ہے یہاں تک کہ وہ اسلام کے اقتصادی پہلوؤں کا نام لیے بغیر ان اسلامی اصولوں کی اہمیت کو تسلیم کرنے لگے ہیں۔''

موجودہ ترقی یافتہ دنیا میں جہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ہمہ جہت پھیلاؤ نے انسانی شعور کو وسعت دی ہے وہیں معاشی اور اقتصادی مسائل زندگی کے تمام پہلوؤں پر غالب آ گئے ہیں اور موجودہ دور کے مفکرین تمام نظام ہائے افکار، اخلاق اور معاشرت کو صرف اس کسوٹی پر پرکھتے ہیں کہ معاشی پہلوؤں سے متعلق ان کے اصول و قوانین کیا ہیں۔

مغربی مفکرین کے مذہب سے باغی ہونے کی ایک وجہ یہ تھی کہ کلیسا کے پادریوں نے محتاج کو مزید محتاج اور دولت مند کو مزید دولت مند بنانے میں معاون کا کردار ادا کیا تھا۔ یہ مذہبی اجارہ دار جو عوام الناس میں تقدس کا درجہ رکھتے تھے، سرمایہ داروں، دولت مندوں اور جاگیرداروں کی ظلم کی چکی میں پسے ہوئے مفلس اور نادار لوگوں کو اگلی زندگی میں ملنے والی بادشاہت کے خواب دکھاتے تھے۔

کلیسا کے پادریوں نے ان لوگوں میں ایسی خوش فہمیاں پھیلا دی تھیں کہ دولت مندوں کا جنت میں داخلہ ممکن نہیں اور یہ امر ایسا ہی ہے جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزر جانا۔ ایک وقت یہ بھی آیا کہ کلیسا نے مال و دولت کے بدلے جنت کی بشارتیں تقسیم کرنا شروع کر دیں۔ ان حالات اور واقعات نے مغرب کو کمیونزم، سوشل ازم اور لبرل ازم جیسی مذہب بیزار راہوں پر ڈال دیا۔

آج جبکہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور محنت کشوں اور سرمایہ داروں کی چپقلش نے دنیا کے اقتصادی نظام کو درہم برہم کر رکھا ہے۔ اس وقت دنیا کے اقتصادی اور متضاد نظریات و تحریکات کے سیلاب میں بہتی چلی جا رہی ہے۔ ہر تحریک اور ہر محرک مدعی ہے کہ موجودہ دور کے اجتماعی مسائل اور مشکلات کا حل اسی کے دامن میں ہے لیکن اس عریاں حقیقت سے کون منکر ہو سکتا ہے کہ آج نظریات و افکار کی افراط میں نوع انسانی امن و سکون سے کتنی دور ہے۔

آج ہر طرف اضطراب، بے چینی، اور بدامنی کے ہولناک طوفان اٹھتے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہے ایسے دانشور و مفکرین جن کی نگاہیں بین الاقوامی مسائل کا جائزہ لیتی رہتی ہیں وہ اس امر پر متفق ہیں کہ دنیا کا موجودہ ہیجان واضطراب براہ راست معاشی واقتصادی عدم توازن کا نتیجہ ہے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم آج کے دور کا سلگتا ہوا موضوع ہے۔

دنیا کے دولت مند افراد کے بارے میں ہیومن رائٹ ڈیولپمنٹ کی رپورٹ:

۱۹۹۸ء کی ہیومن رائٹ ڈیولپمنٹ کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں ۲۲۵ افراد کے پاس پوری دنیا کے ۴۷ فیصد دولت ہے جو ایک کھرب ڈالر سے زائد ہے اس رپورٹ کے مطابق امارت اور غربت میں اس قدر زیادہ فرق ہے کہ ۲۰ فیصد لوگ جن کا تعلق امراء کے طبقے سے ہے، غریبوں کی نسبت وسائل کا ۱۶ گنا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ گیارہ گنا زیادہ کھاتے ہیں، ۱۷ گناہ زیادہ توانائی خرچ کرتے ہیں اور ۴۹ فیصد سرمایہ ٹیلی فونوں پر خرچ کرتے ہیں جبکہ ۸۰ فیصد غرباء کے حصے میں دنیا کے مجموعی وسائل کا صرف ۲۰ فیصد حصہ آتا ہے۔

جب ایک انتہائی مختصر سا گروہ چھ ارب آبادی کے وسائل و دولت پر قابض ہو جائے اور اسے اپنی عیش وعشرت پر صرف کرے تو لازماً ہیجان اور اضطراب پیدا ہوگا۔

اقتصادیات کے ایک مغربی عالم وانس پیکارڈ **Vance Packard** نے ایک کتاب **The Ultra Rich** تحریر کی ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ دنیا کے وسائل پر قابض حد سے زیادہ دولت مند افراد کے بارے میں ہے۔ اس کتاب میں دنیا کے ۳۰ بے انتہا دولت مند افراد کے انٹرویوز بھی شامل کیے گئے ہیں۔

ان سرمایہ داروں کے بارے میں پیکارڈ نے تحریر کیا ہے کہ ان کے پاس ممکن مسرفانہ خرچ سے بھی زیادہ رقم ہے۔ ان کے پاس رہائش کے لیے پورے پورے جزیرے ہیں، ایسے محلات ہیں جن کے اندر ہوائی جہازوں کے اترنے اور پرواز کرنے کے لیے رن وے تک موجود ہے۔

وانس پیکارڈ نے تفصیلی جائزے کے بعد اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ چند افراد کے درمیان زیادہ دولت کا اجتماع بہت برا ہے اور معیشت کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ اس خرابی کے علاج کے لیے مصنف نے ایک تجویز دی ہے اور تجویز یہ ہے کہ اگر کسی فرد کے پاس دولت ایک خاص حد سے زیادہ ہو جائے تو پوری دولت پر ٹیکس لگا دیا جائے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں نفع پر ٹیکس کا اصول رائج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں جس شخص کے پاس دولت آ جائے اور وہ دولت کی ہوس میں مبتلا ہو جائے تو اس کی دولت مسلسل بڑھتی رہتی ہے اسی وجہ سے **Concen Tration Of Wealth** ارتکازِ دولت کی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ یہ خرابی آج کی دنیا میں اپنی آخری حد تک پہنچ گئی ہے۔ وانس پیکارڈ نے جو بات کی پیغمبر اسلام سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زکوٰۃ کے عنوان سے متعارف کرا کے صلوٰۃ (نماز) کے برابر کا درجہ دے چکے ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے کبھی بھی دولت کے حصول اور تجارت کے فروغ کو برا نہیں کہا۔ صرف اور صرف ارتکاز دولت کو روکنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

"خبردار! دولت صرف مالداروں میں گردش نہ کرتی رہے" (الحشر ۷)

کسی محنت کے بغیر حاصل ہونے والی دولت زیادہ تر سود یا ناحق طریقے سے جمع ہوتی ہے۔ یہ وراثت کی غیر اسلامی تقسیم یعنی کسی ایک فرد کو تمام جائیداد کی وصیت سے بھی جمع ہو جاتی ہے۔ حق ملکیت اور ذاتی جائداد کے اصولوں کو واضح کر کے اسلام نے ایک طرف دولت کے ارتکاز اور دوسری طرف افلاس کے خلاف زبردست تحفظات عطا کیے ہیں۔ اسلام کے معاشی ڈھانچے کی بنیادیں آزادی عمل، کامل تعاون واشتراک اور ایک دوسرے کی خدمت کے جذبے پر رکھی گئی ہیں۔

قبل از اسلام کے تمام مذاہب خیرات وصدقات پر زور دیتے رہے تھے اور تمام الہامی مذاہب نے بخیل اور بے حس مالداروں کو مطعون کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اس کو ایک قانونی صورت عطا کر دی۔ اسلام نے منصفانہ تقسیم دولت کے مسئلہ کو نہ صرف کامیابی کے ساتھ حل کیا بلکہ انسانی فطرت کا اندازہ کر کے اس نے یہ دریافت کر لیا کہ محض اخلاقی پند ونصائح ہی سود مند ثابت نہ ہوں گے جب تک کہ قوم کا معاشی نظام ضروری قوانین کے ذریعے از سر نو ترتیب نہ دیا جائے۔ مذہبی

عقیدہ اور اس کا زبانی اقرار کرنا نا کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کی قرآن حکیم میں اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے ہیں'' اور نیک کاموں میں خیرات پر بحیثیت اصل نیکی کے زور دیا گیا ہے۔ پھر قرآن میں خیرات کی ارادی اور جبری تقسیم کی گئی ہے۔ اپنی خوشی سے خیرات کرنے کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ اللہ کے پسندیدہ بندے اپنی ضرورت سے زائد کوئی چیز نہیں رکھتے۔ وہ دولت کو جمع کر کے نہیں رکھتے بلکہ اپنی زائد دولت خرچ کر دیتے ہیں۔ زکوٰۃ خیرات وصدقات کی ایک قانونی شکل ہے جس کی وصولی کا انتظام مملکت اسلامیہ کی جانب سے ہوتا ہے۔

اسلام کی رو سے جمع کی جانے والی ضرورت سے زائد فاضل دولت معاشرے میں بگاڑ کا موجب ہوتی ہے دولت کے چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے سے غریب، مفلوک الحال اور بے بس لوگوں میں اخلاقی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے جس سے پورا معاشرتی نظام ہی فاسد ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکی، بخشش اور رحمت کے ہیں۔ چنانچہ جو قوم اس کی پابندی کرتی ہے وہ پاک ہو جاتی ہے اور پھلتی پھولتی ہے۔ کیونکہ حقیقی خوشحالی بجز اجتماعی خوشحالی کے اور کچھ نہیں، معاشرتی ترقی کا دارومدار اسی پر ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غربت و افلاس کے انسداد کو اسلام کے اہم مقاصد میں شمار کیا ہے۔ گذشتہ مذاہب کے اجارہ داروں نے افلاس کی یوں مداح سرائی کی کہ اسے روحانیت کی حد تک پہنچا دیا۔

یاد رہے روحانیت میں ایک اصطلاح ''ترک'' استعمال کی جاتی ہے لیکن اس ''ترک'' کو مفلسی یا ناداری سے ہرگز ہرگز منتھی نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل یہ انداز فکر سادگی اور افلاس کو خلط ملط کر دینے کا نتیجہ ہے۔ سادہ طرز زندگی کی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توصیف فرمائی اور اس کا عملی مظاہرہ بھی پیش کیا لیکن افلاس کے متعلق آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اسے انسانوں سے دور رکھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''افلاس دونوں جہانوں میں موجب روسیاہی ہے۔''

غربت دور کرنے کے لیے اسلام کا عملی پروگرام:

افلاس کو دور کرنے کے لیے زکوٰۃ ایک عملی پروگرام ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''صرف زکوٰۃ کی ادائیگی ہی میں تمہیں پناہ مل سکتی ہے۔ اپنے مال و دولت میں زکوٰۃ ادا کرو یہ تمہیں پاک وصاف بنائے گی اور تمہیں ان کا حق ادا کرنے کے قابل بنائے گی جو تمہارے رشتہ دار ہیں۔ سائل اور مسکین کے حقوق سے باخبر رہو اور فضول خرچی میں مبتلا نہ ہو۔ جو قوم زکوٰۃ کو موقوف کر دیتی ہے وہ قحط سے دوچار ہو جاتی ہے۔ بغیر زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ ایمان قابل قبول ہے اور نہ عبادت۔'' (الحدیث)

زکوٰۃ ایک ایسا محصول ہے جو سرمایہ پر عائد ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے دولت کو معاشرے کے ان حصوں میں گردش پر مجبور کیا جاتا ہے جو اس کے زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ قومی اور معاشرتی افلاس کے خلاف اسلام کی ایک مؤثر تدبیر ہے کیونکہ ایک عام شہری کی بقاء اس وقت تک محکم نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ کسی درست معاشی اساس پر استوار نہ ہو۔

ایک سوسائٹی اپنے معاشی نظام ہی کے ذریعے اپنے محتاج اراکین کی ضرورتوں اور حاجتوں کا ان کی حیثیت کے مطابق انتظام کرسکتی ہے۔ وہ گداگری کی لعنت کی بیخ کنی کرتی ہے کیونکہ نادار، معذور، اپاہج، یتیموں اور ایسے ہی محتاجوں کے دیگر تمام طبقوں کی مناسب طریقہ پر نگہداشت کی جاتی ہے اور انہیں بھیک مانگنے کی ذلت اور بے عزتی سے بچایا جاتا ہے۔ یہ امور ایک فلاحی مملکت ہی کی ذمہ داری ہیں اور اس کو ایسے لوگوں کی پرورش اور پرداخت کا کفیل ہونا چاہیے۔

یاد رہے یہاں حکومت سے مراد نظام حکومت کے چند افراد نہیں بلکہ اجتماعی طور پر معاشرے کے تمام افراد ہیں اور مملکت ان کی نمائندہ ہے مگر یہ اہم اور مشکل ذمہ داری اسی وقت قابل اطمینان طریقے پر انجام دی جاسکتی ہے جبکہ حکومت کو زکوٰۃ کی صورت میں ایک

معقول رقم دولت مندوں سے حاصل ہوتی رہے۔

قرآن حکیم نے چند ایسے طبقوں کے نام گنوائے ہیں جو زکوٰۃ کی رقم سے امداد واعانت کے مستحق ہیں:

> ”خیرات غرباء ومساکین کے لیے ہے اور ان کے لیے جو کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے جو نئے ایمان لائے ہیں اور ان کے لیے جو غلامی اور قرض میں جکڑے ہیں۔ اور یہ راہ حق میں خرچ کرنے اور مسافروں کے لیے ہے۔ یہ خدا کا حکم ہے اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے“۔(التوبہ ۶۰)

غریب اور محتاج کے یہ دو لفظ اس قدر جامع ہیں کہ ان تمام حالتوں کی ایک فہرست بنانا ناممکن ہو جائے گا جن میں انسان ضروریاتِ زندگی کے لیے اعانت کا خواستگار ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے محتاجوں کی قبیل میں نہ صرف ملازمت کے نااہل لوگوں کو بلکہ بے روزگار لوگوں کو بھی ان میں شامل فرمایا ہے۔ یعنی ایسے لوگ جو کام تو کرنے کے قابل ہوں لیکن انہیں کوئی کام میسر نہ ہو۔ جو قرض میں جکڑا ہوا ہو اور بدقسمتی سے اس حالت زار میں مبتلا ہو گیا ہو، اسے قرض سے نجات دلانا بھی معاشرے کی تمام افراد کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور زکوٰۃ ہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے یہ ذمہ داری بحسن وخوبی ادا کی جاسکتی ہے۔

اوپر ہم نے وانس پیکارڈ **Vance Packard** کے خیالات پیش کیے تھے۔ جس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ مغربی ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں نے وہاں کے سنجیدہ لوگوں کو کسی نئے معاشی اصول کا متلاشی بنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ کا نام لیے بغیر زکوٰۃ کے اصول کی اہمیت کو تسلیم کرنے لگے ہیں۔

اب یہ موجودہ مسلمان مفکروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ترقی یافتہ دنیا کے سامنے اسلام کے معاشی اصولوں کو وضاحت کے ساتھ ساتھ اس طرح پیش کریں کہ وہ اس کو موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کا نعم البدل سمجھ کر اسے اپنانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یقیناً جب وہ اسلام کے ایک زریں اصول پر آمنا وصدقنا کہہ دیں گے تو ایک وقت آئے گا کہ وہ اسلام کے دائرے میں مکمل طور پر داخل ہونے کے لیے خود کو تیار پائیں گے۔

ہم یہ برملا کہہ سکتے ہیں کہ ترقی یافتہ دنیا کے مفکرین چاہے ان کا تعلق علم کے کسی بھی شعبے سے ہو، وہ ایک مکمل ضابطہء حیات کی تلاش میں ہیں اور اسلام ہی وہ مکمل ضابطہء حیات ہے جو ہر دور کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور ہر دور سے ہم آہنگ ہوسکتا ہے۔ تاہم مغربی دنیا کے مفکرین کو اسلام کی طرف راغب ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ صرف ایک ہے اور وہ رکاوٹ ہے موجودہ دور کے مسلمان آج کے مسلمانوں کی سب سے بڑی غفلت یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کے انسانوں کو ''اللہ کا کنبہ'' سمجھنے کے بجائے ان کو اپنا دشمن قرار دے دیا ہے۔

مسلمانوں کا یہ رویہ صرف غیر مسلموں کے ساتھ ہی نہیں ہے بلکہ وہ اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کے ساتھ بھی برسرپیکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کسی بھی قسم کے سنجیدہ غور وفکر کے قابل ہی نہیں رہے ہیں۔ اگر مسلمان صرف اتنا کریں کہ دنیا کے تمام انسانوں کو اللہ کی مخلوق مان کر ان کی خدمت پر لگ جائیں اور محبت کی متلاشی دنیا کو نفرت کے بجائے امن و محبت دینے لگیں تو اسلام از خود انسانوں کے لیے قابل قبول ہو جائے گا۔

اسلام دین فطرت ہے، اسلام کا معاشی نظام بھی فطرت کے اصولوں پر قائم ہے۔ اسلام کو دنیا بھر کے انسانوں کے لیے قابل قبول بنانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی مسلمانی کا ڈھنڈورا پیٹنے کے بجائے اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے لگ جائیں۔

دولت سے بیگانے لوگ:

صفوان بن سلیم زہری مدینۃ الرسول کے فقہا میں سے تھے۔ بڑے زاہد و عابد تھے سخاوت کی حد یہ تھی کہ ایک شب سردی کے موسم میں مسجد سے باہر نکلے ایک شخص کو ننگے بدن دیکھا فوراً اپنے کپڑے اتار کر اسے پہنا دیئے۔ لیکن استغناء کا یہ عالم تھا کہ سلاطین و امراء ان کی خدمت میں جو کچھ بھیجتے وہ واپس کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک مدینہ منورہ آیا، جب مسجد نبوی میں گیا، تو اس کی نظر صفوان پر پڑی۔ ہمراہیوں سے پوچھا، یہ بزرگ کون ہیں؟ ان کے چہرہ بشرہ سے بہتر میں نے آثار نہیں دیکھے۔

ہمراہیوں نے کہا'' یہ صفوان بن سلیم ہیں۔''

یہ سنتے ہی سلیمان بن عبدالملک نے غلام کو حکم دیا کہ پانچ سو دینار کی تھیلی ان کی خدمت میں پیش کرے غلام پانچ سو کی تھیلی لے کر ان کے پاس گیا اور کہا۔ امیر المومنین یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں اور آپ کے لیے یہ نذرانہ بھیجا ہے۔

صفوان بولے'' تمہیں دھوکہ ہوا ہے انہوں نے کسی اور کے لیے بھیجا ہوگا''۔

غلام نے عرض کیا'' آپ صفوان نہیں ہیں؟''

انہوں نے جواب دیا کہ'' صفوان تو میں ہوں لیکن احتیاطاً تم جا کر دوبارہ ان سے پوچھ لو۔''

غلام جونہی تصدیق مزید کے لیے سلیمان کی طرف بڑھا صفوان نے فوراً جوتا سنبھالا اور آنکھ بچا کر مسجد سے نکل گئے اور اس وقت تک واپس نہ آئے جب تک کہ سلطان سلیمان چلا نہ گیا۔

لوگ آج کل دولت کے پیچھے دوڑتے ہیں اور اس زمانہ میں دولت لوگوں کا پیچھا کیا کرتی تھی۔

طلب دنیا کا انجام:

ایک مرتبہ تین دوست ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے راہ چلتے چلتے انہیں ایک جگہ خزانہ نظر آیا تینوں نے جلدی سے اس پر قبضہ کر لیا یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ہے۔ ان دوستوں نے آپس میں کہا ہم سب بھوکے ہیں ہم میں سے ایک شخص بازار چلا جائے راستے میں اس نے سوچا کھانے میں اگر زہر ملا دوں تو دونوں ساتھی ہلاک ہو جائیں گے اور سارا خزانہ میری ملکیت بن جائے گا

آخر اس نے ایسا ہی کیا کھانے کے ساتھ زہر بھی خرید لیا اور اس میں ملا دیا اس کی عدم موجودگی میں باقی دونوں ساتھیوں نے مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ جب وہ کھانا لے کر آئے تو اسے قتل کر دیا جائے اور سارا کا سارا خزانہ ہم دونوں آپس میں تقسیم کر لیں اس رائے پر اتفاق ہو گیا وہ کھانا لے کر آیا یہ دونوں دوست اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر دیا پھر

اطمینان سے دونوں نے زہر ملا ہوا کھانا کھایا اور کھاتے ہی زہر کے اثر سے ہلاک ہو گئے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کا ادھر سے گزر ہوا تو انہوں نے اپنے حواریوں سے فرمایا تم نے دیکھا یہ تینوں کے تین کس طرح دنیا کی طلب میں ہلاک ہوئے افسوس ہے ان لوگوں پر جو دنیا کے پیچھے پڑے ہیں۔

دولت کے باوجود راحت اور اسباب راحت کیوں نہیں؟:

حق تعالیٰ شانہ نے اس دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے بظاہر ہر واقعہ اور ہر حادثہ کسی نہ کسی سبب اور وجہ کا مرہون منت نظر آتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت تمام حوادث ونتائج کے پس پردہ دست قدرت کارفرما ہے۔ تمام اسباب و مسببات حق تعالیٰ شانہ کی قدرت قاہرہ کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ کسی سبب پر مسبب کا مرتب ہونا بھی انہی کے حکم سے ہے اور تخلف بھی انہی کے امر سے۔

اسی طرح اسباب کے نہ ہوتے ہوئے اپنی قدرت کاملہ سے عدم کو وجود کا پیراہن پہنا دینا بھی انہی کا خاصہ ہے۔ بادشاہ کو تمام مادی نعمتیں اور اسباب راحت عطاء فرما کر چین وراحت سے محروم کرنا چاہیں تو کسی کو مجال اعتراض نہیں اور سارے مادی سہارے چھین کر مسجد کے کونے میں پڑے کسی درویش کے دل کو بادشاہوں سے زیادہ عیش وطرب عطا کردیں تو کسی کو روکنے کی ہمت نہیں، بلکہ اپنی رضا اور محبت کے متلاشیوں کو وہ باطنی عیش و لذت عطاء فرماتے ہیں کہ دنیا کے بادشاہوں کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ جنہوں نے یہ لذت چکھی انہوں نے ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ اور شاہ شجاع کرمانی رحمتہ اللہ کی طرح شاہی تاج و تخت پر لات مار کر دائمی وسرمدی سلطنت کو حاصل کر لیا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ کو جب یہ دولت عطاء ہوئی تو آپ نے فرمایا تھا کہاں ہیں دنیا کے بادشاہ خدا کی قسم اگر ان نعمتوں میں سے وہ ایک ذرہ ان نظاروں میں سے ایک شہ دیکھ پائیں تو سب تخت وتاج چھوڑ کر جنگل کی طرف دوڑ آئیں۔

حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے سلطان سنجر کو اسی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے یہ قطعہ لکھا تھا جب سلطان نے انہیں ملک نیمروز کی پیشکش تھی:

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد
گر در دلم بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کر یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیم روز بیک جونمی خرم

(ترجمہ) مثل شاہ سنجر کی چھتری کے میرا نصیبہ بھی سیاہ ہو جائے اگر تیری سلطنت کی ہوس و لالچ مجھے ہو۔ جب سے مجھے آدھی رات کی سلطنت کی خبر ملی ہے تو تمہاری سلطنت ایک جو کے عوض خریدنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

اس باطنی دولت اور روحانی لذت کی قدر و قیمت وہی جانتے ہیں جنہوں نے یہ چاشنی چکھی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اپنی ذات کے عاشقوں کو اسباب و وسائل کے بغیر وہ قلبی راحت و لذت عطاء فرما دیتے ہیں جس کا تصور بھی ارباب وسائل کے لیے مشکل ہے۔ جس طرح حق تعالیٰ شانہ بعض خوش بختوں کو اسباب کے بغیر دولت راحت و لذت عطاء فرماتے ہیں اسی طرح بہت سے لوگوں کو ظاہری اور مادی نعمتیں دے کر حقیقی راحت و لذت سلب کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر حکومت و طاقت، دولت و ثروت، سیم و زر اور مال و اسباب والے ہوتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہیں راحت و عافیت کے تمام اسباب مہیا ہیں، لہٰذا ان کا ہر لمحہ ہر گھڑی پر عیش و پر طرب ہوگی، لیکن در حقیقت امر الٰہی نہ ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی حسرت و عبرت کا ایک دردناک باب ہوتی ہے۔

دنیا کے چند کروڑ پتی افراد کی حالت زار

درس عبرت کے لیے دنیا کے چند نامور کروڑ پتی اور ارب پتی افراد کی حالت زار ملاحظہ ہو۔

امریکہ کے مشہور کروڑ پتی راک فیلر کے یہ الفاظ اپنے اندر عبرت کا بہت بڑا سبق

رکھتے ہیں۔اس نے کہا تھا:

''میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میں اس کا حساب بھی نہیں کرسکتا لیکن یہ ساری جائیداد دینے کو میں بخوشی تیار ہوں اگر ایک وقت بھی پیٹ بھر کر کھاسکوں''۔

راک فیلر کی دولت وثروت کے افسانے دنیا کے گوشے گوشے میں زبان زد خاص و عام ہیں۔ایک دنیا آج تک اس کی قسمت پر رشک کررہی ہے اور خدا جانے کتنے ایسے ہیں جن کے منہ مین اس کی دولت کا ذکر سن کر پانی بھر آتا ہوگا۔لیکن خود اس بے چارے کا یہ حال تھا کہ باوجود اس امیری کے مفلس ولاچار تھا اور باوجود اس افراط سیم وزر کے ایک وقت پیٹ بھر کر کھانے کی حسرت رکھتا تھا۔اور اس نعمت کے آگے اپنے کروڑوں ڈالروں کے ڈھیر پر لات مارنے کے لیے تیار تھا۔

پچاسی سالہ یہ شخص شروع ہی سے سوءِ ہضم کا مریض رہا۔ظاہر ہے کہ اس نے اپنے علاج پر کیا کچھ نہ خرچ کیا ہوگا۔بایں ہمہ چوبیں گھنٹے میں تھوڑے سے دودھ اور بسکٹوں کی قلیل مقدار کے کچھ نہ کھاسکتا تھا حالانکہ اس کے مزدور اور نوکر چاکر دن بھر پیٹ بھر کر دنیا کی نعمتیں اور لذیذ غذائیں کھاتے تھے اور یہ لاکھوں انسانوں کی قسمتوں کا بظاہر مالک ایک وقت پیٹ بھر کر حسب دلخواہ کھانے کو ترستا تھا۔دنیا کے مال ودولت پر رشک کرنے والے غریبوں کو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ دنیا کا متمول ترین آدمی ان کی حالت پر رشک کررہا ہے۔

ایک اور مشہور امریکی ارب پتی ''ہنری فورڈ'' کا نام بھی اکثر لوگوں کو معلوم ہوگا۔یہ شخص دولت قارون سے بڑے خزانوں کا مالک ہے۔لیکن وہ بھی معمولی سی قلیل مقدار میں پرہیزی غذا کے سوا کچھ نہیں کھاسکتا۔ڈاکٹروں کی ایک جماعت ہر وقت اس کی نگرانی میں لگی رہتی ہے وہ تمام لذتوں سے یکسر محروم ہے حالانکہ اس کے ادنیٰ ملازم اور نوکر چاکر اس کی آنکھوں کے سامنے عیش وعشرت کرتے ہیں اور وہ انہیں دیکھ کر ترستا ہے۔جاننے والوں کا بیان ہے کہ دولت وثروت سے جتنے لطف انسان اس مادی دنیا میں اٹھا سکتا ہے اور جو لذتیں روپیہ سے خرید سکتا ہے ان سب سے یہ قارون وقت یکسر محروم ہے۔

دولت کو حاصل عمر اور پیسے کو سرمایۂ زندگی سمجھنے والے زر ودولت کی اس لاحاصلی سے

سبق سیکھتے ہیں۔ امریکہ کا ایک اور کروڑ پتی اور کئی اخبارات کا مالک مسٹر ایڈورڈ اسکرپس تھا۔ سالہا سال کی عیش وعشرت کے بعد اس کا دل دنیا کے ہنگاموں سے سرد ہو گیا اور اسے سکون ویکسوئی کی تلاش پیدا ہوئی، خالص مادی دنیا اور نام نہاد تہذیب تمدن میں یہ بات کہاں نصیب!

بالآخر چالیس لاکھ ڈالر کے خرچہ سے ایک بحری جہاز بنوایا اور آلات کی مدد سے اسے ہر قسم کی آوازوں سے محفوظ کر لیا۔ اس طرح اپنے گرد وپیش ایک مصنوعی خاموشی اور عالم سکوت قائم کر کے وہ یہ سمجھا کہ اسے سکون خاطر ہو جائے گا۔ اخبارات کا کاروبار اپنے لڑکے کے سپرد کیا اور تلاش سکون کی مہم پر روانہ ہو گیا۔ ایک دو ملک نہیں ساری دنیا کا چکر لگایا اور ایک مرتبہ نہیں، دو مرتبہ لگایا لیکن دل کا سکون مادی آوازوں کا راستہ بند کر دینے سے نہ حاصل ہونا تھا نہ ہوا۔ اسی حالت حسرت ویاس میں پیام اجل آ پہنچا اور اس کی لاش حسب وصیت سمندر کی گہری خاموشیوں کے حوالے کر دی گئی۔

رچرڈسن کا مشاہدہ (سکون روپے سے زیادہ اہم ہے):

تیس سال کی عمر میں رچرڈسن دنیا کی سب سے بڑی اکاؤنٹنگ فرم میں مشیر تھا۔ اس کو قابل رشک تنخواہ ملتی تھی اور دوسری سہولتیں بھی۔ مگر کام کا بوجھ بہت زیادہ تھا۔ رچرڈسن کو فرصت کے لمحات کم کم ہی نصیب ہوتے تھے۔ وہ اپنے خاندان اور دوستوں کے ساتھ مرضی کے مطابق وقت نہیں گزار سکتا تھا۔ وہ اکتا گیا۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ آدمی سارا دن کام ہی کرتا رہے؟

رچرڈسن کے دل میں نیو انگلینڈ کے اپنے آبائی دیہی علاقے میں سادہ اور پرسکون زندگی بسر کرنے کی خواہش پلنے لگی۔ اس کا بچپن وہیں بسر ہوا تھا۔ آخر ایک روز نیو جرسی میں ٹریفک کے بے پناہ رش کے وقت اس نے ملازمت چھوڑ کر اپنے قصبے واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔

رچرڈسن اب ناروچ کے چھوٹے سے قصبے میں رہتا ہے اور ایک کمپنی میں ملازم ہے۔ اس کی تنخواہ گزشتہ تنخواہ کا محض معمولی سا حصہ ہے، لیکن یہ صورت حال اس نے

خود منتخب کی ہے۔ اور وہ کہتا ہے:

''صرف پیسہ اہم نہیں ہوتا۔ زندگی میں اور بہت سی چیزیں ہیں جن کے آگے روپے پیسے کی کوئی اہمیت نہیں۔''

زیادہ دولت بھی پریشانی کا سبب بنتی ہے

امریکہ میں ایک کتاب چھپی ہے۔ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو بہت زیادہ دولت مند ہیں۔ اس میں ۳۰ بڑے بڑے دولت مندوں کے مفصل انٹرویوز درج کیے گئے ہیں۔ یہ وہ امریکی سرمایہ دار ہیں جن کا سرمایہ ۱۹۸۷ کے اندازے کے مطابق ۴۲۵ ملین ڈالر تھا۔ کتاب کا نام یہ ہے۔

The Ultra Rich. by Vance Packard. Little Brown,358 Pages

ان سرمایہ داروں کے پاس ممکن مسرفانہ خرچ سے بھی زیادہ رقم ہے۔ ان کے پاس اتنے بڑے بڑے مکانات ہیں جن کے اندر ہوائی جہازوں کے اترنے کے لیے رن وے (Runway) تک موجود ہے۔ وغیرہ (ٹائم ۱۳ فروری ۱۹۸۹)

تاہم وہ اپنی دولت سے پریشان ہیں۔ ایک دولت مند نے کہا کہ میرا مکان مجھ کو ایک وسیع قسم کا سرسبز پنجرہ (Verdant Cage) معلوم ہوتا ہے۔ ایک اور دولت مند نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر میں اس کو کیا کروں۔

I don`t Know what the hell to do with it.

ان دولت مندوں کو اکتاہٹ کے علاوہ اور بھی مسائل درپیش ہیں۔ مثلاً ایک دولت مند نے کہا کہ اس کے بچے جلد ہی خود کروڑ پتی (Millionaires) ہو جائیں گے۔ وہ اپنی ۳۴۰ ملین ڈالر کی دولت کا کوئی حصہ انہیں دینا نہیں چاہتا، کیونکہ زیادہ دینا ان کو خراب کر دے گا۔

Giving more just spoils them

سکون (جسے پیسا خرید نہیں سکتا):

ایک آج ہی کے دور کی بات نہیں، ماضی میں بھی لوگوں کی اکثریت پیسے کو قاضی الحاجات یعنی ضرورتیں پوری کرنے والا سمجھتی تھی۔ یہ بات ایک فارسی شعر میں یوں کہی گئی ہے۔

اے زر تو خدا نہ ای لیکن واللہ
ستار العیوب و قاضی الحاجاتیست

یعنی اے پیسے تو خدا نہیں ہے، لیکن خدا کی قسم تو عیب چھپانے اور ضرورت و حاجت پوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کئی معاشروں بلکہ مذاہب باطلہ میں پیسے کی پرستش کی جاتی ہے۔ ہندو معاشرے میں ''لکشمی'' دولت کی دیوی سمجھی جاتی ہے اور دیوالی کے موقع پر گھروں کو آراستہ اور ان پر چراغاں کرنے کے علاوہ تجوری، حساب کتاب کے رجسٹر، زیورات اور روپے پیسے کی عبادت کی جاتی ہے۔ گھر میں جوا کھیلا جاتا ہے۔ جیتنے کی صورت میں دیوی کو مہربان سمجھا جاتا ہے۔ تمام رات دروازے کھلے رکھے جاتے ہیں کہ وہ گھر میں آجائے تو سال بھر مٹھی گرم رہے گی۔

یہودیوں نے دنیا میں سود کی لعنت کا آغاز کیا، کیوں کہ وہ بھی زر پرست ہیں۔ یہود کی طرح ہندو کو بھی ''لابھ'' یعنی نفع کی فکر رہتی ہے اور اب تمام مغربی دنیا خاص طور پر امریکی، دنیا کی سب سے بڑی زر پرست قوم ہیں۔

امریکہ کی بات ہے کہ کئی سال پہلے سیکرامنٹو، کیلی فورنیا کے ایک رسالے ''بی'' میں یہ بحث چھڑی کہ پیسا ہر شے خرید سکتا ہے؟ اسی سلسلے میں ایک دولت مند تاجر نے اعلان شائع کرایا کہ وہ اس شخص کو چار ہزار ڈالر دے گا جو ایسی چار چیزوں کی نشان دہی کرے گا۔ جنہیں پیسا خرید نہیں سکتا۔ اسے یقین تھا کہ کوئی بھی شخص اس کا یہ چیلنج قبول نہیں کرے گا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرانی اور خوشی ہوئی کہ ایک قاری نے اس کا چیلنج قبول کرتے ہوئے لکھا کہ وہ ایک اجتماع کا اہتمام کرے، جہاں وہ اس کے چیلنج کا جواب دے گا۔ چنانچہ اس اجتماع میں ایک شخص نے تاجر کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ تھما کر اسے سب کے

سامنے پڑھنے کے لیے کہا۔ تاجر نے بہ آواز بلند سب کو پڑھ کر سنایا کہ پیسا چار چیزیں نہیں خرید سکتا۔

(۱) بچے کی مسکراہٹ

(۲) رخصت ہونے والی جوانی

(۳) اچھی عورت کی محبت

(۴) جنت میں داخلہ

تاجر نے اس شخص کو فوراً چار ہزار ادا کردیے۔ پیسا ان چار اشیاء کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں خریدنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

سکون جسے پیسا بھی خرید نہیں سکتا:

ایک دانشور نے بڑی اچھی بات کہی تھی کہ:

''پیسے کا رکھنا بہت اچھی بات ہے اور اس سے اپنی ضروریات کی تکمیل بھی درست ہے، لیکن یہ بات بھی بہت ضروری اور اچھی ہے کہ انسان کبھی کبھی یہ بھی دیکھ لیا کرے کہ ہم وہ کیا کھو چکے ہیں کہ جسے پیسا خرید نہیں سکتا''۔

اسی امریکا کی بات ہے کہ جب جواں عمر صدر کینڈی کو ہلاک کردیا گیا تو اس کے خاندان کی تمام دولت اس کے لیے زندگی کا ایک منٹ بھی خریدنے سے قاصر رہی۔ ادھر ہمارا یہ عالم ہے کہ قدرت مہربان ہمیں قیمتی ۲۴ گھنٹے عطا کرتی ہے جس کے ہر گھنٹے میں ساٹھ جگمگاتے منٹ ہوتے ہیں جنھیں ہم اپنی مرضی سے خرچ کرسکتے ہیں۔ انہیں استعمال کرنے کے صحیح انداز ہی سے زندگی کی تشکیل اور تعمیر کی جاسکتی ہے۔

ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ پیسے سے سچی دوستی نہیں خریدی جاسکتی۔ اپنے دور کے متمول ترین انسان نظام دکن نے دوران جنگ برطانیہ سے مالی تعاون کے جواب میں ''یار وفادار سلطنت برطانیہ'' کا خطاب تو خرید لیا تھا، مگر آڑے وقت میں انگریز کی اعانت حاصل کرنے سے قاصر رہے تھے۔

پیسا صاف ستھرا اور مطمئن ضمیر خریدنے سے قاصر رہتا ہے اور اس کی قیمت فرائض کی دیانت دارانہ ادائی کی صورت ہی میں ادا کی جاسکتی ہے۔

پیسا صحت کی نعمت وراحت بھی خرید نہیں سکتا۔ اس کا راز صحیح طرز حیات ہی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ پیسے سے دوائیں خریدی جاسکتی ہیں، صحت خریدی نہیں جاسکتی ہے۔ پیسے سے مسرت وشادمانی کی چمک دمک حاصل نہیں کی جاسکتی، مسرت ذہن وفکر کے انداز میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس سے سرشار، جھونپڑے میں رہنے والے محلوں میں رہنے والوں سے زیادہ خوش وخرم رہ سکتے ہیں۔ جیسا خرچ کرکے آپ طلوع وغروب آفتاب کے حسین منظر خرید سکتے ہیں، نہ پرندوں کے نغمے، نہ نسیم سحری سحر انگیزی اور حیات پروری کی صلاحیت ہی حاصل کرسکتے ہیں۔

پیسے سے باطنی سکون وراحت بھی خریدا نہیں جاسکتا۔ اس کے لیے اللہ کی ذات پر کامل یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔

پیسے سے کردار کی قیمت ادا نہیں کی جاسکتی۔ محمد علی جناح کی رحلت پر ان کے مخالفین نے بھی یہی اعتراف کیا تھا۔ کردار کی طاقت ہی انسان کو تنہائی میں تاریکی اور آزمائش میں توانائی اور روشنی عطا کرتی ہے۔ اقبال نے بھی یہی کہا تھا:

راز ہے راز ہے تقدیر تنگ و تاز
جوش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
صف جنگاہ میں مردان خدا کی تکبیر
جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

صاحب کردار کی جو روٹی کھا کر بھی بازوئے حیدر کی سی طاقت رکھتا ہے۔

اپنے اطراف کے ماحول پر نظر ڈالیے، آپ کو ایسے کتنے ہی افراد ملیں گے جو اندھے لولے ہوکر بھی بھرپور خوش وخرم زندگی گزارتے ہیں اور معاشرے سے کچھ لینے سے زیادہ اسے کچھ دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ شہر بغداد میں کوئی حکیم رہتا تھا۔ حکمت ودانائی کے اس مالک سے ایک نوجوان کے اس سوال پر کہ وہ کیا خرچ کرکے زیادہ سے زیادہ حاصل کرسکتا ہے، حکیم نے جواب دیا تھا۔ اس شے کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہوتی کہ جسے خریدا اور فروخت کیا جاسکتا

ہے۔ چیز تو وہی قیمتی ہوتی ہے جسے نہ خریدا جا سکے اور نہ بچا ہی سکے۔ تمہیں ایسی ہی انمول شے کی تلاش میں رہنا چاہیے۔

نوجوان کے اس سوال پر کہ وہ انمول شے کیا ہے، اس مرد دانا نے جواب دیا تھا کہ دنیا کی ہر شے کے انمول اجزا کہ جس کی وہ تخلیق کرتا ہے، اس کی عزت اور دیانت داری پر مشتمل ہوتے ہیں۔ تمہارا کام اچھے نام کی تلاش ہونا چاہیے۔ بے اندازہ دولت کے مقابلے میں اچھے نام کا کمانا زیادہ اہم ہوتا ہے۔

آج جب شام کے سائے پھیلنے لگیں، سورج کا مسافر مغرب میں جاتے جاتے اپنی کرنوں کا سونا ہمارے وجود پر لٹاتا رہا ہو، گھونسلوں میں رین بسیرے کی تیاری کرنے والے پرندے اپنے خالق کی حمد کر رہے ہوں اور کسی جھونپڑے میں دن بھر محنت کرنے کی بعد تھکے ہارے انسان اپنی خون پسینے کی کمائی کے مزے لوٹ رہے ہوں، ہمیں یقین کر لینا چاہیے کہ دنیا کی بہت سی نعمتیں پیسے سے نہیں خریدی جا سکتیں۔ اگر آپ کو ایک بچے کی معصوم مسکراہٹ، کسی خاتون کی پرخلوص محبت اور آپ کی شہ رگ سے قریب تر خدائے بزرگ و برتر کی ذات پر یقین کی دولت بھی حاصل ہو تو پھر خود کو دنیا کا سب سے دولت مند انسان سمجھیے۔ یہ زندگی کی وہ دائمی اقدار ہیں جنہیں پیسا خرید نہیں سکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔

دولت کی ہوس کہاں لے جا کر چھوڑتی ہے، سچا واقعہ:

معاشرے میں پھیلا ہوا ایسا ناسور جس نے کئی گھرانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، ایک ایسے ہی گھرانے کی سچی کہانی۔

ہم نے پیسے کی خاطر انسانی قدروں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ بہت کچھ پانے کی دوڑ میں بہت کچھ کھو دیا۔ انسانی معیار کو دولت پر پرکھنے لگے۔ یاسمین بھی معاشرے کے اس ناسور کا شعار ہوئی تھی۔ غربت کی وجہ سے یاسمین صرف مڈل تک تعلیم حاصل کر سکی۔ بڑی فیملی ہونے کی وجہ سے گھر میں مشکل سے تین وقت کا کھانا میسر آتا۔

وقت آہستہ آہستہ سرکتا رہا۔ سب بہن بھائی اپنے اپنے گھروں کو سدھار گئے لیکن

غربت کے سائے لمبے ہوتے گئے۔ آخر ماں نے یاسمین کی منگنی اپنے ہم پلہ لوگوں میں کردی اور یاسمین کی شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ لڑکا ریڑھی پر پھل لگاتا تھا اور یوں وہ بھی اپنے گھر والوں کا سہارا بنا ہوا تھا۔

ان ہی دنوں یاسمین کے ہاں کسی عزیز کی فوتگی ہوگئی۔ خالہ رشیدہ بھی افسوس کرنے آئی ہوئی تھیں۔ جب اس نے یاسمین کو دیکھا تو اپنے بیٹے کے لیے یاسمین کی ماں سے بات کی لیکن اس کی ماں نے کہہ دیا کہ اس کی تو منگنی ہوچکی ہے اور اب تو ہم رخصتی کی تیاریوں میں ہیں لیکن خالہ رشیدہ کسی طور پر نہ مانی اور ہر دوسرے دن آن دھمکتی اور بار بار مجبور کرتی رہی۔ کبھی کسی موقع پر سب کے کپڑے لے آتی اور کبھی کوئی اور لوازمات۔ ان ہی دنوں یاسمین کے والد نے آنکھیں موند لیں۔ غربت نے ایک اور وار کیا۔ تھوڑی بہت کمائی کا ذریعہ بھی جاتا رہا۔

اس موقع پر تو خالہ رشیدہ نے خوب ہمدردیاں کیں اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھتی رہی۔ اصل میں خالہ رشیدہ کا لڑکا ابنارمل تھا۔ نہ اپنا ہوش نہ دنیا کا۔ سب خاندان والوں نے منع کیا کہ رشیدہ اس لڑکے کی شادی نہ کرو۔ یہ تو شادی کے قابل ہی نہیں کیوں دوسروں کی زندگی برباد کرتی ہو۔ تم خود بھی بیٹیوں والی ہو۔ لیکن خالہ رشیدہ نے کسی کی نہ سنی اس کے سر پر تو صرف دولت کا بھوت سوار تھا کہ دولت سے ہر خوشی خریدی جاسکتی ہے۔

آخر روز بروز تقاضا بڑھتا گیا یہاں تک کہ یاسمین کی والدہ ان کے احسانات تلے دبتی چلی گئی۔ بیٹیوں نے ماں سے کہہ دیا اپنی مرضی سے شادی کرو۔ ہم اس رشتے پر راضی نہیں۔ ادھر خالہ رشیدہ نے کہہ دیا کہ جہیز کے بغیر تو آج کل کے دور میں کوئی بھی کسی کی بیٹی نہیں لیتا ہے۔ جہیز کا مطالبہ پہلے کرتے ہیں مگر میں تم سے جہیز کا ایک برتن نہیں مانگتی۔ تمہاری بیٹی عیش کرے گی۔ ساری عمر اس نے غربت ہی دیکھی ہے۔

لیکن جب کوئی طریقہ کامیاب نہ ہوا تو خالہ رشیدہ نے یاسمین کے بہنویوں کو اپنے ساتھ ملالیا۔ نجانے کس لالچ کے تحت ان کے دامادوں نے بھی کہہ دیا کہ اگر یاسمین کا رشتہ خالہ رشیدہ کے بیٹے سے نہیں کریں گے تو پھر آپ کی باقی بیٹیاں بھی ......

آخر کار وہی ہوا...... دولت جیت گئی ...... رشتے اپنی پہچان کھو گئے۔ انسانیت ہار گئی، جذبے مردہ ہوگئے اور بے حسی کھڑی مسکراتی رہی اپنی فتح کی خوشی میں، اور یاسمین اپنے نئے

گھر آ گئی۔ نہ دل میں کوئی جذبہ، نہ چہرے پر سرخی، نہ آنکھوں میں چمک۔

دلہن بنی ایک ایسے سفر کی طرف گامزن ہوگئی جس میں تلخیاں ہی تلخیاں تھیں۔ جہاں بے ضمیر بیچ چوراہے کھڑی تھی۔ جہاں انسانیت اپنا وقار کھو چکی تھی۔ دولت اپنی چمک دمک سمیت فاتح تھی۔

کسی کو یاسمین کے اندر جھانکنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اپنے مطلب کے لیے انسان اس قدر بھی گر سکتا ہے کہ دوسروں کی زندگیوں کو داؤ پر لگا دے۔ اس بات کا تصور ہی بڑا تکلیف دہ ہے۔

قمر زماں کا رویہ شروع ہی سے بڑا تلخ تھا۔ بات بات پر مارتا اور اول فول بکتا۔ سارا سارا دن وی سی آر اور کیبل دیکھتا اور واہیات جملے بکتا رہتا۔ یاسمین بہت سمجھاتی میں تمہاری بیوی ہوں لیکن وہ مضحکہ خیز صورت بنا کر کہتا تم تو میری بیوی نہیں ہو۔ میں تو کسی خوبصورت لڑکی سے شادی کروں گا۔ میں تو فنکارہ سے شادی کروں گا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی تو جذباتی ہو کر سارے کے سارے کپڑے اتار دیتا۔ ایسے میں یاسمین اسے ہر طریقے سے سمجھاتی لیکن وہ مکوں اور ٹھڈوں سے اس کی پٹائی کرتا۔

آخرکار خالہ رشیدہ نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا۔ سارا دن یاسمین بے چاری گھر کے کاموں میں جتی رہتی۔ وہ گھر کی بہو نہیں گویا نوکرانی تھی اور آتے جاتے قمر ٹھوکروں سے اس کی تواضع کرتا۔ کبھی بال کھینچتا اور کبھی رخسار تھپڑوں سے سرخ کر دیتا۔ ایسے میں خالہ رشیدہ بھی جلتی پر تیل کا کام کرتی۔ تو کون سا جہیز لے کر آئی ہے تیری ماں نے تجھے کیا دیا۔ شکر کر ادھر عیش سے کھاتی ہے۔

اور یاسمین بے چاری اندر ہی اندر آنسو جذب کر لیتی اور الم و یاس سے آسمان کی طرف دیکھتی رہی۔ سال یونہی گزر گیا۔ یاسمین کے لیے نہ شوہر کی ڈھال تھی نہ میکے کی۔ گھر میں آزادانہ ماحول تھا جس کا جی چاہتا منہ اٹھائے چلا آتا۔ ایک دن یونہی یاسمین کھانا بنا رہی تھی کہ باہر سے ایک لڑکا اندر آ گیا اور یاسمین کے سر سے دوپٹہ اتار کر زمین پر پھینک دیا اور ساتھ ہی کہنے لگا۔

قمر زماں دیکھ تیری یاسمین کیا کر رہی ہے۔

کیبل دیکھتا ہوا قمر زماں فوراً باہر گیا اور آتے ہی یاسمین کو مارنا شروع کر دیا...... اور لڑکا

یہ دلچسپ تماشہ دیکھ کر مسکراتا رہا قمر زمان کو نہ اپنی عزت کا خیال، نہ اپنی بیوری کی عزت کا خیال۔ ساتھ ساتھ فحش گالیوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

آئے دن کی مصیبتوں نے یاسمین کو لاغر کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھتی۔ ماں آ کر اسے لے گئی۔ وہی ماں جس نے بیٹی پر دولت کو ترجیح دی تھی۔ اب یاسمین ایک ماہ میکے میں رہتی اور ۴ دن سسرال میں۔ نجانے ماں کس برتے پر اسے دوبارہ سسرال بھیج دیتی تھی جہاں کوئی بھی اس کا پرسان حال نہیں تھا۔

محترم قارئین! جب میں اس حقیقت پر غور کرتا ہوں تو ذہین ماؤف ہونے لگتا ہے۔ نجانے قصور کس کا ہے یاسمین کی ماں کا جس نے بیٹی کا اصل حق ادا نہ کیا۔ یا قمر زمان کی ماں کا جس نے اپنے ابنارمل بیٹے کے لیے اچھی بھلی لڑکی کی زندگی داؤ پر لگا دی۔ یا یاسمین کا اپنا قصور تھا کہ جس نے اپنے حق میں آواز نہ اٹھائی۔ گونگی بہری بنی خود کو حالات کے سپرد کر دیا۔

نجانے ابھی کتنی ٹھوکریں یاسمین کی قسمت میں ہیں۔

محترم قارئین! یاسمین کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے۔

زیادہ امیر اور مالدار بننے کی خواہش کے میڈیکل نقصانات:

یورپی ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق اگر انسان میں مالدار بننے کی خواہشات پیدا ہو جائیں اور ایسے میں وہ اپنی کوششوں کے باوجود مالدار نہ بنے اس کی خواہشات پوری نہ ہوں تو اس سے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور عصبی نظام کے کنٹرول کرنے والی قویٰ میں فتور آ جاتا ہے۔ یا ان میں تیزی آ جاتی ہے۔ اعصاب زیادہ کام کرنے سے کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور دماغ پر ذہنی دباؤ بڑھ جاتا ہے۔

اگر اعصاب کمزور ہو جائیں تو ان کی چند علامات یہ ہیں:

(1) عصبی کمزوری سے قوت کم ہو جاتی ہے۔

(2) تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔
(3) خون کی کمی کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔
(4) بدہضمی۔
(5) مختلف اعضاء کے افعال میں کمی بیشی۔
(6) حافظہ کی کمزوری۔
(7) اختلاج قلب۔
(8) ہاتھ کانپنا۔
(9) اعصابی امراض

زیادہ دولت اور ہنری وارڈ کی تحقیق:

ہنری وارڈ بیچر کیا کہتا ہے کہ دولت زندگی کا مقصد نہیں بلکہ زندگی گزارنے کا ایک ذریعہ ہے۔

دولت کی ہوس پر ایک مشہور شاعر کا خوبصورت جملہ:

انگریزی کے مشہور شاعر پوپ کا کتنا خوبصورت جملہ ہے:
''جہاں دولت آتی ہے۔ انسان زوال پذیر ہو جاتا ہے''۔
علم سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔ اخلاق سے بڑھ کر نہ کوئی تحفظ ہے اور نہ سرمایہ۔
یورپ کا مشہور محقق جوزف ہال کہتا ہے کہ: صرف وہی آدمی خوش رہتا ہے جو دنیا کو جانتا ہے لیکن اس کی پروا نہیں کرتا۔

مال و دولت کی فراوانی سستی اور کاہلی پیدا کرتی ہے، یورپی تحقیق:

ایک یورپی تحقیق دان اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ میں بیس سال پہلے جس آدمی کے یہاں سکریڑی کی حیثیت سے ملازم تھا اس نے اپنے دو بیٹوں کو تعلیم کے لیے باہر بھیج دیا ان

میں سے ایک ورجینا کی یونیورسٹی میں گیا اور دوسرا نیو یارک کے کالج میں گیا۔ میں ہر مہینے ان دونوں کو جیب خرچ کے لیے سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ ڈالر بھیجتا تھا۔ میں اکثر ان لوگوں کے بارے میں سوچتا تھا کہ قسمت نے ان دونوں کو آگے بڑھنے کے کتنے مواقع عطا کیے ہیں اور میں ان کے مستقبل سے بڑا پرامید تھا کچھ عرصہ کے بعد یہ لڑکے اپنی تعلیمی مشغولیات کو ختم کر کے واپس آگئے۔

اب ان کے سامنے ترقی کے بے پناہ مواقع تھے۔ کیونکہ ان کے باپ کا کاروبار تمام یورپ میں پھیلا ہوا تھا۔ لیکن ۲۰ سال کی مدت میں اس میں ایک بڑا انقلاب پیدا ہو گیا۔

مال و دولت کی کثرت فراوانی کا نقصان:

وقت نے ان سے ایک بڑا انتقام لیا۔ انہوں نے زندگی میں کبھی کوئی کشمکش نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ زندگی کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو کر رہ گئے۔ جس نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ لوگ اسکول سے اپنی ڈگریوں کے بے پناہ شراب پینے کی عادت بھی لے کر آئے ان میں یہ عادتیں اس لیے پیدا ہوئیں کہ ۱۰۰ ڈالر مہینے کی آمدنی نے ان کو ہر قسم کی جدوجہد سے آزاد کر دیا۔ ان لوگوں کا انجام بڑا خراب ہوا ان کے باپ دیوالیہ ہو گیا اور وہ شان دار عمارت جس میں وہ پیدا ہوئے تھے نیلام پر چڑھا دی گئی ان میں سے ایک لڑکا۔ کثرت شراب نوشی کے باعث بیمار ہوا اور مر گیا اور دوسرے کو پاگل خانے میں جگہ ملی۔

اس سے ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر مال دار آدمی کے لڑکے اتنے بدنصیب ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے کم از کم ایک حقیقت ضرور آشکارا ہو جاتی ہے۔ کہ مال و دولت کی بلا مشقت فراوانی انسان میں سستی اور کاہلی پیدا کر دیتی ہے۔ جو خواہش اور خود اعتمادی کا گلا گھونٹ دیتی ہیں۔

زیادہ دولت اور برٹرینڈ رسل کی تحقیق:

مشہور امریکی تحقیق نگار برٹرینڈ رسل اپنی کتاب **Congust of happiness**

میں لکھتے ہیں کہ اگر امریکن تاجر خوش ہونا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اسے اپنی سوچ بدلنی ہوگی۔ وہ جب تک کامیابی کا خواہاں رہے گا اور اس کا حصول اپنا فرض سمجھتا رہے گا، اس وقت تک وہ اپنے کام میں ہمہ وقت منہمک اور پریشان رہے گا اور ایسا نہ کرنے والوں کو ناکارہ سمجھتا رہے گا۔

یہ نقطہ نظر رکھنے کے بعد اسے زندگی میں کبھی کوئی خوشی حاصل نہیں ہوسکتی۔ ایک معمولی سی مثال لیجئے۔ تقریباً ہر امریکی چار فیصد یقینی منافع کما سکتا ہے لیکن وہ آٹھ فیصد غیر یقینی منافع کمانے کے لیے ہر خطرہ مول لینے کو تیار رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ نقصان اٹھاتا رہتا ہے۔ اور پریشان رہتا ہے کہ اگر میرے پاس پیسہ ہو تو میں اس سے سکون اور تحفظ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اس دور کا انسان اس پیسے سے مزید پیسے کو گھسیٹنے کی فکر میں لگا رہتا ہے تاکہ وہ اپنے ہم پلہ لوگوں سے دولت اور شان وشوکت میں آگے نکل سکے۔

امریکہ میں سماجی حیثیت بڑی غیر یقینی ہے اور آئے دن بدلتی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے کسی ایسے سماج کی نسبت جہاں ٹھراؤ ہو، امریکا کے لوگ ایک ہیجانی کیفیت کا شکار رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ صرف دولت کسی کو عظمت نہیں بخش سکتی لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ بغیر پیسے کے بھلا کوئی بڑا کیونکر بن سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ان کے یہاں دولت کمانا انسانی ذہانت کا پیمانہ بن گیا ہے۔ وہ آدمی جو زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرتا ہے، ہوشیار سمجھا جاتا۔ جو نہیں پیدا کرسکتا، وہ ہوشیار نہیں ہے اور یہ ظاہر ہی ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اسے بے وقوف یا کم عقل گردانا جائے اور جب شیئر بازار میں بے یقینی پیدا ہوجائے تو ان تاجروں کے ذہن کی وہی حالت ہوتی ہے جو امتحان دیتے وقت نوجوانوں کی ہوتی ہے۔

میرے خیال میں یہ بات مان لینی چاہیے کہ کسی بھی تاجر کے ذہن میں دیوالیہ ہوجانے اور اس کے نتائج کا ایک انجانا خوف جاگزیں رہتا ہے جو اس کی پریشانیاں بڑھاتا رہتا ہے۔ آرنلڈ بینٹ کا ”کلے ہینگر“ خواہ کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہوگیا ہو، ہمیشہ اس خیال سے خوفزدہ رہتا تھا کہ ایک روز وہ مشینوں پر کام کرتے ہوئے مرجائے گا۔

دولت کی ہوس کے انجام پر دہلی کے اخبار کی رپورٹ:

مسٹر ڈی کے داس دہلی کے اعلیٰ ترین سرکاری افسران (Seniormost ias officers) میں سے ایک تھے۔ دہلی کی ایک پوش کالونی ''مدھوبن'' میں ان کا بہت بڑا مکان تھا۔

مگر ۳ اگست ۱۹۸۵ء کو انہوں نے اپنے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی۔ ان کی اہلیہ مسز ہینا داس ایک بجے دن میں ان کے کمرے میں داخل ہوئیں تو ان کا مردہ جسم چھت کے پنکھے سے بندھا ہوا لٹکا تھا۔ موت کے وقت مسٹر داس کی عمر ۵۲ سال تھی۔ وہ حال میں دہلی ٹورزم ڈولپمنٹ کارپوریشن کے چیرمین مقرر ہوئے تھے اور آئی اے ایس کے اسکیل کا آخری شاہرہ پا رہے تھے۔ اس کے باوجود مسٹر داس نے کیوں خودکشی کر لی۔ اس سلسلہ میں ہم دو اخباروں کی رپورٹ سے چند جملے یہاں نقل کرتے ہیں۔ پہلا اقتباس ہندوستان ٹائمز ۴ اگست کا ہے اور دوسرا ٹائمز آف انڈیا ۴ اگست کا ہے:

> **A businessman friend of Mr Das said the deceased bureaucrat was disatisfied with many of the postings he got. He said that Mr Das Oten used to say that he was always given insignificant and ordinary positions. He was also depressed because he felt that he was not being given his due in the Delhi administration.**

مسٹر داس کے ایک تاجر دوست نے کہا کہ آنجہانی افسر اپنی کئی تقرری پر مطمئن نہ تھے۔ مسٹر داس اکثر کہا کرتے تھے کہ ان کو ہمیشہ غیر اہم اور معمولی پوزیشن دی جاتی ہے۔ وہ غیر مطمئن بھی تھے کیونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ دہلی ایڈمنسٹریشن میں ان کو ان کی واجبی نہیں دی گئی ہے۔

دولت مند مریض:

نفوس و اجسام میں اس مادی بھٹی کے بھڑ کتے ہوئے شعلے برابر سلگ رہے ہیں، دنیا جل رہی ہے، غم و آلام کا ماتم ہے، مگر فریادرس کون ہے، کسے ہوش؟ روحانی فساد میں دنیا ایسی بری طرح مبتلا ہے کہ کوئی کسی کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

اطبا کی تحقیق ہے کہ امریکہ کے ہر بیس آدمیوں میں سے ایک آدمی دماغی، بیماریوں کے اسپتال میں رہ کر علاج کا محتاج ہوتا ہے۔ مغربی ممالک کے دانش وروں نے اعداد و شمار فراہم کر کے بتایا کہ جنگ عظیم میں جن نو جوانوں نے عسکری خدمت میں الحاق کیا ان میں سے ہر چھ جوانوں میں ایک جوان اس لیے ناپسند قرار دیا گیا کہ وہ عقلی یا جسمانی نقص کا شکار تھا۔ اعصابی ہیجان نے ہر شخص میں تین بیماریوں کے بیج بو دیے تھے۔ اضطراب قلب، معدے کی خارش، اور خون میں دباؤ۔

حاصل یہ کہ یہ یا اور اسی قسم کے اعداد و شمار جمع کرتے جائیے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کی بلند ترین خوش حالی، ترفہ اور عیش کامراں کی یہی قیمت ہاتھ آئی؟ کیا اس شخص کو کامیاب و خوش نصیب سمجھنا چاہیے جس نے اپنی کامیابی معدے کی خارش اور اختلاج قلب کے عوض خریدی ہو؟

اور زر و مال کیا خاک مفید ہوسکتا ہے جب کہ اپنی تندرستی کھو کر دنیا بھر کی دولت کمائی، اور پھر دنیا کا مالک بھی ہو جائے تو کیا ہوا، سوئے گا تو ایک ہی چارپائی پر، دن میں تین ہی روٹی تو کھائے گا۔ کیا اس فائز المرام مالک کا حال و قال اس مزدور سے کچھ مختلف ہے جو تمام دن زمین پر پھاوڑے برساتا ہے، بلکہ عین ممکن ہے وہ مزدور اس جاہ و سلطنت کے مالک سے زیادہ بہتر طریقے پر نیند سے اور اس کی اشتہا و رغبت سے زیادہ سچی بھوک کے ساتھ کھانے سے لطف اندوز ہوتا ہو۔

ڈاکٹر ڈبلیو ایس فاریز کا قول ہے۔ ”ہر پانچ مریضوں میں چار مریض کسی عضوی اساس کی بنا پر بیمار نہیں ہوتے بلکہ سائنٹفک ریسرچ یہ ہے کہ ان کا مرض اندرونی اضطراب، بغض اور مسلسل حسد و چشمک کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بیمار نفس اور

حیات میں باہم تقاضوں کو توازن و توافق نہیں بخش پاتا"۔

ان دردناک چیخوں کی روشنی میں آیئے، ذرا محسن کائنات، طبیب صادق، صوتِ الٰہی کے نقیب، نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات سے کچھ سبق سیکھے۔ دنیا کی اسی ہرآسانی و حیرانی اور اس کے انجام بد کی مذمت میں یہ ارشاد ہو رہا ہے:

"جو تمام افکار کو سمیٹ کر صرف ایک فکر (فکر آخرت) اختیار کرتا ہے، خداوند اس کو دینوی آلام و افکار میں بھی کافی ہوتا ہے۔ اور جو دنیا کے غموم میں پراگندہ و منتشر ہو کر رہ جائے خداوند تعالیٰ بھی پروا نہیں کرتا کہ وہ دنیا کی کس وادی میں ہلاک ہو رہا ہے۔"

مال امراض کی جڑ:

انسام کے دینوی موقف پر اسلام کی پاکیزہ تعلیم ملاحظہ ہو کر وہ سب سے پہلے انسانی قلب پر توجہ مبذول کراتا ہے اور اس میں عفت و ترفع کا بیج ہے، مال کی حرص اور اس کی خاطر سکون قلبی کی ضیاع سے متنفر کرتا ہے۔

مطلب یہ کہ مال کا عشق ایک ایسا بھڑکتا ہوا شعلہ ہے جو ضمائر و اجسام کو پھونک کر رکھ دیتا ہے، اور ذلت و پستی کے عمیق غار میں دھکیلتا ہے۔

ڈیل کارنیمی کہتا ہے، مانی ہوئی حقیقت ہے کہ جب برسل شہر میں تجارتی لمیٹڈ کمپنیوں میں قیمت گرنے لگتی ہیں تو اسی نسبت سے ان تجارتی کمپنیوں میں شیئرز رکھنے والوں کے پیشاب میں شکر اور خون کی برآمد ہونے لگتی ہے۔ اس روگ کا علاج رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک تجویز سے بہتر کون پیش کر سکتا ہے

"بے شک مال بڑا سرسبز و شیریں معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے لیے وہ مبارک ہو سکتا ہے جو اسے نفس کی بے نیازی اور سخاوت کے ساتھ لے اور اگر نفسانی طمع کے ساتھ لیا جائے گا تو وہ مال کبھی بھی مبارک ثابت نہ ہوگا۔ یہ مال والا اس شخص کی مثال ہوگا جس کو کھا چکنے کے بعد سیری نہ ہوتی ہو۔"

یعنی مال کی مثال خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھل کی سی ہے۔ اس قسم کے سرسبز و شیریں پھل کی طرح فطری میلان کا ہونا یک ناگزیر طبعی امر ہے۔ لیکن کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو اس کو برابر کھائے جاتے ہیں حتیٰ کہ بدہضمی میں مبتلا ہو کر ہلاکت کے قریب ہو جاتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو اس میں سے اپنی مقررہ اور جائز مقدار حاصل کرنے کی کوشش پر قناعت کرتے ہیں۔ اور کچھ وہ بدنصیب قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو حاصل کر کر کے ذخیرہ اندوزی کرنے لگتے ہیں، لیکن کھاتے نہیں بلکہ بھوکے رہتے ہیں۔ مزید برآں طلب زائد کی مشقت و دشواری اور بعض حالات میں محرومی و اندوہ میں گھر جاتے ہیں۔

بہترین انسان وہ کہلائے گا جو نفسیاتی طور پر حوصلہ اور اندرونی پاکیزگی کے ساتھ اس کو حاصل کرے اور جب اس سے جائز ضرورت پوری کر لے تو اس کو حسرت یا چشم گریاں کے ساتھ رخصت نہ کرے، کیونکہ اس کی نفسیاتی تعمیر بجائے خود اس قدر مکمل ہو کہ وہ اس قسم کے تکاثر یا لوٹ مار کے رذائل سے یکسر مجتنب رہنا پسند کرے۔

دولت، امراض، اور ڈیل کارنیگی کی تحقیق:

ڈیل کارنیگی کہتا ہے:

> ”اعداد و شمار سے پتا چلتا ہے کہ رنج و قلق کی فراوانی امریکی باشندوں کے لیے نمبر اول مہلک سبب ہے، دوسری عالم گیر جنگ میں ہمارے جنگجو سپاہی تقریباً 9 لاکھ مارے گئے لیکن اس جنگ کے خاتمے سے اس وقت تک دل کی بیماری سے ہلاک ہونے والے افراد جنگی سپاہیوں کی تعداد سے دو چند ہیں، یہ ان مریضوں کے اعداد و شمار ہیں جن کے امراض، قلب اور اعصاب پر افکار کا دباؤ پڑنے سے پیدا ہوئے تھے۔“

حقیقت یہ ہے کہ دل کا مرض بیماری کے اسباب میں بڑا طاقت ور ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ امریکی کاریل کہتا ہے۔

> ”جو لوگ مسلسل جدوجہد کی زندگی میں منہمک رہتے ہیں وہ اپنے قلبی

احساسات کو حسرت وغم کے مقابلے میں مضبوط بنانے کے اصول سے واقف نہیں ہوتے، وہ بہت جلد مرجاتے ہیں۔"

اس کا عجیب پہلو یہ بھی لکھا ہے کہ چینی لوگ اور امریکہ میں آباد حبشی لوگ دل کی بیماریوں سے شاذونادر ہی مرتے ہیں وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ زندگی سبک اور نرم رو رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹروں کے مہیا کردہ اعداد وشمار کی روشنی میں حرکتِ قلب کے بند ہونے سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد ان غریب مزدوروں اور کاشت کاروں کے مقابلے میں جو کسی جسمانی تکلیف سے ہلاک ہوتے ہیں، بیس گنا زیادہ ہے کیوں کہ رنج وفکر کا دباؤ ان کے مضبوط اعصاب تک میں سرایت کرتا ہے جس کی وجہ سے چہروں پر پژمردگی کے آثار ہویدا ہوتے ہیں۔

چنانچہ ایک دولت مند نوجوان کی بعض ڈاڑھیں ٹوٹ گئیں۔ ڈاکٹروں نے تجویز کیا کہ اندرونی پیچ وتاب اور مسلسل ہموم کی وجہ سے اعضائے رئیسہ متاثر ہوئے اور معدہ بہترین مقوی غذاؤں سے بھی مستفید نہ ہوسکا۔ قوت ہاضمہ خراب ہوئی اور تمام غذائیں زہریلے جراثیم میں منتقل ہونے لگیں جس کا نتیجہ ڈاڑھیں گرنے کی شکل میں رونما ہوا۔

مغربی ممالک میں اس پر برابر ریسرچ رہی۔ سوسائٹی میں خوشی پیدا کرنے کے لیے جابجا کلب، سینما ہاؤس اور ڈانس روم تعمیر ہوئے، مگر وہی ڈھاک کے تین پات۔

(مولانا قاری اظہار احمد تھانوی)

موضوع نمبر ۳۰

چہل قدمی اور جدید تحقیقات

پیدل دوڑنا:

اپنی صحت وقوت کے مطابق ہلکی یا تیز دوڑ وہ بہترین جسمانی ورزش ہے جس کی افادیت پر سارے اطباء اور ڈاکٹر متفق ہیں۔ جامع صغیر کی گذشتہ حدیث میں اس کا بھی پسندیدہ کھیلوں میں ذکر ہے۔ کیونکہ اس سے سستی دور ہوتی ہے جو اسلام کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے پناہ مانگی ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زید ارقم رضی اللہ عنہ سے بخاری ومسلم میں کئی روایت میں مروی ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اللھم انی اعوذبک من العجز والکسل والجبن والبخل والھرم.

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں عاجزی سے، سستی سے، بزدلی سے، بخل سے اور بے چارگی کی عمر سے''۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ہم ایک سفر میں چلے جا رہے تھے۔ ہمارے ساتھ ایک انصاری نوجوان بھی تھا۔ جو پیدل دوڑ میں کبھی کس سے مار نہ کھاتا تھا۔ وہ راستہ میں کہنے لگا'' ہے کوئی جو مدینہ تک مجھ سے دوڑ لگائے؟ ہے کوئی دوڑ لگانے والا میں نے ان سے کہا تم نہ کسی شریف کی عزت کرتے ہو اور نہ کسی شریف آدمی سے ڈرتے ہو۔ وہ پلٹ کر کہنے لگا کہ ہاں! رسول اللہ ﷺ کے علاوہ مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ سلمہؓ بن الاکوع کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان آپ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان صاحب سے دوڑ لگاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے اگر تم چاہو۔ چانچہ میں نے ان

سے مدینہ تک دوڑ لگائی اور جیت گیا"۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت زید ابن العوام رضی اللہ عنہ میں دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آگے نکل گئے تو فرمایا "رب کعبہ کی قسم! میں جیت گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد دوبارہ دوڑ کا مقابلہ ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آگے نکل گئے تو انہوں نے بھی وہی جملہ دہرایا۔ "رب کعبہ کی قسم! میں جیت گیا۔"

چہل قدمی سے بہت سی بیماریاں دور ہوتی ہیں:

صحت مند رہنے کے لیے نارمل اور اصولی زندگی گزارنا بہت ضروری ہے۔ بہت سے لوگ دواؤں میں صحت تلاش کرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان چاہے تو بغیر کچھ خرچ کیے صحت مند رہ سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے کچھ اصول مرتب کر لے۔ مثلاً ہلکی پھلکی غذا کا استعمال کرے۔ بہت پیٹ بھر کے کھانا نہ کھائے، سادہ کھانا اور سادہ زندگی گزارے اور اسی کے ساتھ پیدل چلنے کی عادت ڈالے۔ پیدل چلنا یعنی چہل قدمی کرنا انسان کی صحت کے لیے بہت ہی ضروری ہے۔

شہری زندگی چونکہ بہت ہی زیادہ مصروف زندگی ہے شہروں میں لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ جسمانی محنت کے بجائے دماغی محنت زیادہ کرتے ہیں وہ بھی آفسوں اور دفتروں میں بیٹھ کر یعنی صبح بیڈ ٹی لیتے ہیں۔ ہلکا ناشتہ کرتے ہیں اور بھاگم بھاگ دفتر پہنچ جاتے ہیں جہاں فائلوں میں سر کھپاتے ہیں۔ پھر شام کو دیر گئے گھر لوٹ آتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہی شہر میں چلے جاتے ہیں۔ ان کے اس معمول نے ان کی زندگی کو مشین بنا کر رکھ دیا ہے۔ وہ اپنی صحت سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں اور پھر ایک روز انہیں پچھتانا پڑتا ہے۔

نارمل اور صحت مند زندگی کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے ان معمولات کو تبدیل کرے اور صبح و شام چہل قدمی، کو اپنے معمولات میں شامل کرے کیونکہ چہل قدمی سے بہت سی بیماریاں دور ہوتی ہیں اور بہت سی ممکنہ بیماریاں پاس نہیں پھٹکتیں۔ اطباء نے خواتین کے لیے چہل قدمی کو بہت مفید بتایا ہے اور اگر کوئی خاتون دل کی مریضہ ہو تو اس کے لیے

چہل قدمی بہت ہی فائدہ مند ہے نیز چہل قدمی دل کے امراض کو ختم کرنے میں بہت زیادہ معاون ہے۔ تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ اگر خواتین ہر ہفتہ تین گھنٹے چہل قدمی کرلیا کریں تو وہ دل کے امراض سے محفوظ ہو جاتی ہیں یعنی ایسی خواتین کم از کم ۳ فیصد ہارٹ اٹیک کے خطرات سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ ایسی خواتین کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے جو کام کاج کرنے سے جی چراتی ہیں اور اپنا تمام وقت بیٹھے ہوئے اور دوسری عورتوں کی برائیاں کرتے ہوئے گزار دیتی ہیں۔ وہ گناہ میں تو ملوث ہوتی ہی ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنی صحت کو بھی برباد کرلیتی ہیں۔ ان کے جسم کے اندر کاہلی اور سستی آجاتی ہے اور چربی بڑھنے لگتی ہے جو ہارٹ اٹیک کا باعث بن جاتی ہے۔

چہل قدمی نہ کرنے سے بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ایسے لوگوں (خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین) کا وزن بڑھنے لگتا ہے وہ دل کے امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کے جسم میں کولسٹرول کی زیادتی ہونے لگتی ہے اس لیے اطباء نے جسم کو صحت مند رکھنے کے لیے تیز تیز چہل قدمی کو بہت فائدہ مند بتایا ہے۔ جس سے جلد فشارِ خون ختم ہو جاتا ہے اور بلڈ پریشر اپنے قدرتی دباؤ پر رہتا ہے اس سے خون میں کلوٹ بننا بھی ختم ہو جاتا ہے۔ خون کے اندر شکر اور کولسٹرول کی سطح بھی کم ہو جاتی ہے۔

بس اتنا سمجھ لیجئے کہ چہل قدمی کے بہت سے جسمانی اور دماغی فائدے حاصل ہوتے ہیں اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ چہل قدمی میں نہ تو پیسہ خرچ ہو رہا ہے اور نہ ہی اتنا زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ روزانہ اگر آدھا گھنٹہ بھی چہل قدمی کی جائے تو یہ جسمانی تندرستی کے لیے بہترین ٹانک ہے۔ امید ہے کہ لوگ اس فری نسخہ کو ضرور آزمائیں گے اور اپنے جسم کو تندرست توانا رکھیں گے۔

موضوع نمبر ۳۱

ناپاک اور حرام ادویات کا استعمال

اور جدید تحقیقات

اسلام شراب پینے اور خنزیر خوری سے ویسے تو سختی سے منع کرتا ہے لیکن اس کے علاوہ اسلام کسی ناپاک چیز کا کوئی ایک جز بھی بطور دوا استعمال کرنے سے سے منع کرتا ہے۔ کیونکہ اگر ایک حرام شے منہ میں چلی گئی تو زندگی بھر کی ریاضت بیکار ہو جائے گی۔

حلال دواؤں کی موجودگی میں حرام ادویہ سے اجتناب:

عن ابی الدرد رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الله انزل الداء ولدوا، وجعل لکل دا،فتداووا ولا تداووا بالمحرم (ابوداؤد بحواله الطب النبوی ص: ۱۲۱)

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا بلاشبہ اللہ نے بیماری اور دوا پیدا کی اور ہر بیماری کے لیے دوا بنائی سنو! اے لوگوں تم دوا کرو۔ البتہ حرام چیز کو دوا نہ بناؤ۔

عن طارق بن سوید الحضر میؓ قال قلت یا رسول الله ن بارضنا اعنابا نعتصر ھا فنشرب منھا؟ قال لافراجعته قلت انا نستشفی للمریض قال ان ذلک لیس بشفاء ولکنه داء (مسلم بحواله الطب النبوی ص: ۱۲۲)

طارق بن سوید حضرمیؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ

ہمارے علاقے میں انگور ہوتے ہیں کیا ہم ان کا رس نکال کر اس کو پی سکتے ہیں؟ (یعنی شراب بنا کر) ؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے دوبارہ آپ سے یہ سوال کیا کہ ہم یہ مریض کو بطور دوا کے پلا دیا کریں۔؟ آپ نے فرمایا یہ (یعنی شراب) شفاء نہیں ہے۔ بلکہ یہ خود بیماری ہے۔

ناپاک دوا کی ممانعت:

علاج سنت ہے مگر دوائیوں کی تیاری میں حرام و گندی چیزوں کے استعمال کو حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله انزل الداء و جعل لكل داء دواء فتداو وافلا تداووابحرام (مشكواة)

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور علاج دونوں ساتھ ساتھ پیدا کیے ہیں۔ لہذا علاج کریں لیکن حرام چیزوں سے نہیں۔

عن ابى هريرة قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الدواء الخبيث (ترمذى، ابوداؤد، ابن ماجه)

ترجمہ: ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ناپاک دوائیاں استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ان طارق بن سويد سال النبى صلى الله عليه وسلم عن الخمر فنهاه، فقال انما اصنعها للدواء فقال انه ليس بدواء لكنه داء (مسلم، مشكواة، ج ٢، صفحه ١٦٣)

ترجمہ: طارق بن سوید نے حضور ﷺ سے شراب کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ دوائی کے طور پر استعمال کرسکتا ہوں۔ فرمایا شراب سے دوائی مت تیار کرو کیونکہ

شراب بذاتِ خود ایک بیماری ہے۔

ویذکر عنه صلی الله علیه وسلم انه قال من تداوی بالخمر فلا شفاه الله (زاد المعاد)

ترجمہ: حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ جو شخص شراب کو دوائی کے طور پر استعمال کرتا ہے اسے صحت نہ بخشے۔

جراثیم کش ادویہ کی دریافت:

سانس کی نالیوں میں سوزش، دمہ کا ایک بہت بڑا سبب ہے دمہ اگر نہ بھی ہو تب بھی نالیوں کی سوزش اگر شدید ہو تو نمونیہ کہلاتی تھی۔ پتہ نہیں اس تشخیص کا معیار کیا تھا لیکن ڈاکٹر حضرات حملہ شدید ہو تو ڈبل نمونیہ کہتے ہیں۔ مریض کو بلغم نکالنے کے لیے مکسچر اور شدت کو کم کرنے کے لیے برانڈی دی جاتی تھی۔ چھاتی کے درد کے لیے ایک بدبودار تیل ملایا جاتا تھا۔ ورنہ گرم گرم مرہم کپڑے پر لگا کر چھاتی پر لیپ کر دیا جاتا تھا۔ چھاتی کی جلد سے لے کر پھیپھڑوں کی نالیوں تک بافتوں کی کم از کم بارہ تہیں اور درمیان میں جوف سینہ کا خلا ہے، مالش کے تیل اور مرہم ان بارہ تہوں اور خلا سے گزر کر نالیوں تک گزر جاتے تھے۔

موت کے وقت وہسکی سے علاج کے ذریعے غضبِ خدا کو دعوت:

برانڈی یا وہسکی سانس کی تکلیف کو وقتی طور پر آرام دیتے ہیں۔ لیکن جسم کے دفاعی نظام کو مفلوج کر کے بیماری کو جسم پر غلبہ پانے کا موقع فراہم کرتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں مریض کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں۔ بدیشی طبیب اگر اس پر عمل پیرا رہے تو وہ اپنے محدود علم سے مجبور تھے۔ لیکن مسلمان اطباء کو کیا ہوا تھا کہ وہ خاموش رہے۔ ہمارے لاکھوں بچے نمونیہ میں برانڈی پی کر مرتے رہے اور ہم یہ بھول گئے۔

نبی ﷺ کے پاس ایک حکیم آیا اور اجازت چاہی کہ وہ کسی دوائی میں شراب استعمال کرے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ شراب دوائی نہیں بیماری ہے۔

علاج کے اصول کے سلسلہ میں یہ اہم اصول مرحمت فرمایا:
''کسی حرام چیز میں کوئی شفا نہیں''۔

سوزش کا علاج تاریخ کے ہر دور میں مشکل کا باعث رہا ہے۔ خیال یہ تھا کہ نئی جراثیم کش ادویات کی دریافت ہے۔ یہ مسئلہ جیسا سنگین نہ رہے گا۔ لیکن بات اب بھی بنتی نہیں آتی۔ یہ درست ہے کہ اب کاربنکل اور نمونیہ عام طور پر جان لیوا نہیں ہوتے لیکن جراثیم کا پورا ایک قبیلہ ''وائرس'' اب بھی علاج کی حدود سے باہر ہے۔ جراثیم کی متعدد اقسام علاج کے دوران بھی ادویہ کی عادی ہو جاتی ہیں۔ اور مریض کی حالت بگڑ جاتی ہے۔ یہ کیفیت خاص طور پر ان جراثیم کے بارے میں زیادہ ہے جو پیپ پیدا کرتے ہیں۔

انگلستان کی کیمبرج یونیورسٹی کی تحقیق:

انگلستان کی کیمبرج یونیورسٹی نے صرف اسی قسم کے جراثیم پر خصوصی تحقیق کے لیے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ اس کی فعالیت کا لطیفہ سنئے۔

سینٹ پال ہسپتال لندن میں مثانہ کی شدید سوزش کے ایک مریض کا ہم نے عبوری علاج شروع کیا۔ اور پیپ کا ایک نمونہ کیمبرج لیبارٹری کو تجزیہ کے لیے بھیج دیا۔ پیپ کے نتیجہ میں جن ادویہ کو بے اثر قرار دیا گیا تھا۔ ہم وہی استعمال کر رہے تھے۔ اور اس دوران میں مریض تندرست ہو چکا تھا۔

شہد کے سلسلے میں گفتگو کے دوران پچھلی ملاقاتوں میں لانسٹ ۱۹۲۵ء کا ایک اقتباس پیش کیا گیا تھا۔ جس میں نمونیہ کے ایک مریض کو پروفیسر سرٹاس نے صرف شہد دے کر تندرست کیا اور بیماری نے اس کے دل پر کوئی اثر نہ کیا۔

زیادہ علاج سے بھی مرض بڑھ جاتا ہے:

گلے کی خرابیاں عام بیماری ہے۔ گلے سے سوزش کا مادہ پھیپھڑوں میں چلا جاتا ہے۔ بچوں کے گلے تو اکثر خراب رہتے ہیں۔ خاص طور پر وہ بچے جو چوسنی چوستے ہیں ان کا گلا اور

سانس کی نالیاں ہمیشہ ورم کا شکار رہتی ہیں۔ ہماری ایک بچی کو گلے کی خرابیوں کے نیے امراض اطفال کے پروفیسروں نے اتنی دوائیاں دیں کہ وہ دوائی پروف بن چکی ہے۔ مائیں اپنے بچوں کو ایک ڈاکٹر سے دوسرے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی وجہ سے خود بیمار پڑجاتی ہیں۔ کبھی گلوں کا آپریشن ہوتا ہے اور کبھی ناک سے غدود برآمد ہوتے ہیں۔ لیکن جس بچے کا گلا ایک مرتبہ خراب ہوجاتا ہے وہ مرتے دم تک خراب ہی رہا یہ اور کچھ جدید ترین ادویہ کے استعمال کے باوجود ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ علاج:

مشرقی ممالک میں خواتین بچوں کا گلا خراب ہو تو حلق میں انگوٹھا ڈال کر اسے مَل دیتی ہیں۔ اور صوبہ سرحد میں بڑی بوڑھیاں گلوں کو دبانے کے بعد ان پر توے کی سیاہی مل دیتی تھیں۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ عہد رسالت میں بھی ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک عورت سوجے ہوئے گلے کے بچے کو لے کر آئیں۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ بچے کو اندر سے مَل دیں۔ اس مرحلہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور آپ نے اس عمل پر اظہار ناپسندیدگی فرما کر ارشاد فرمایا۔

اپنے بچوں کو یوں عذاب نہ دو۔ تمہارے پاس عود الہندی موجود ہے۔ جس میں سات بیماریوں کی شفاء ہے، اور ان میں پلورسی بھی ہے۔ (بخاری)

اس قسم کی روایات ام قیس بنت محصنؓ اور دوسرے صحابہ کرام سے مسند احمد، ابن ماجہ، ابوداؤد اور مسلم میں ہیں۔

مستدرک حاکم میں حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے عورتو! اپنے بچوں کو ہلاک نہ کیا کرو۔''

اگر کسی بچے کے گلے میں خرابی ہو یا سر میں ساتھ درد ہو تو اسے قسط ہندی کھلاؤ۔

عود ہندی، قسط ہندی اور اس کے جراثیم کش اثرات ہمیں اب زیادہ تفصیل سے معلوم ہوئے ہیں جبکہ اسلامی تعلیمات کے راستے ہمیں ان سے بہت پہلے جان لینا چاہیے تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ:

''اپنی اولاد کو عذاب نہ دو جبکہ تمہارے پاس قسط ہندی اور درس موجود ہیں''۔(عبدالرزاق۔مستدرک حاکم، ہندی)

نبی ﷺ کی آخری بیماری کے دوران بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آپ پھیپھڑوں کی سوزش میں مبتلا ہیں اور اس کے علاج کے لیے آپ کو عود ہندی اور زیتون کا مرکب پلایا گیا۔آپ نے اس دوائی کو ناپسند فرمایا کیونکہ اس بیماری میں مبتلا نہ تھےلیکن احادیث میں سانس کی نالیوں کی سوزش کے لیے قسط ہندی۔عود ہندی۔درس۔خردل۔بنفشہ۔اسطو خودوس۔المربہ۔انجیر۔زیتون۔لوبان۔صعتر۔خبازی۔افانج اور سفرجل بنفیج کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔بنفیج ان میں سے ہر دوائی سوزش کو رفع کرتی ہے۔بلغم کو نکالتی ہے اور سانس کی نالیوں کی توسیع کرتی ہے۔جدید ادویہ کے ساتھ ان کا موازنہ کیا جائے تو یہ خوشگوار حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ جراثیم میں یہ صلاحیت نہیں کہ دوائی میں سے کسی ایک کے عادی ہو سکیں۔ان کا انداز عمل دوسری تمام ادویہ سے جداگانہ ہے۔

ہم نے قسط کے جوہر عامل کو پیپ پیدا کرنے والے جراثیم پر ڈالا تو اس نے ان جراثیم کو دس منٹ سے بھی کم عرصہ میں ہلاک کر دیا۔ (نکارنی، انڈین میٹریا میڈیکا)

کرنل چوپڑا اور دستور کے مشاہدات بھی تقریباً اسی قسم کی تصدیق مہیا کرتے رہے۔

چوپڑا اور دستور کے مشاہدات وغیرہ نے پیپ پیدا کرنے والے جراثیم کے خلاف قسط کو استعمال کیا۔عودالہندی اگر کو کہتے ہیں۔

یہ مسئلہ محدثین کے نزدیک بھی الجھن کا باعث ہے۔کیونکہ احادیث میں اکثر مقامات پر قسط اور عودالہندی کو ایسی صورت میں بیان کیا گیا ہے کہ جیسے ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہوں، حالانکہ یہ دونوں بالکل مختلف بلکہ استعمال اور فوائد کے لحاظ سے بھی جدا ہیں۔امام بخاری نے ایک روایت پر بحث کے دوران بتایا ہے کہ عودالہندی سے مراد قسط ہی لی گئی ہے گلے کی خرابی والی اکثر احادیث میں کہیں قسط مذکور ہے اور کہیں عودالہندی ممکن ہے۔دونوں چیزوں کے ہندوستان سے آنے کی وجہ سے راویان کرام مغالطہ میں مبتلا ہو گئے یا یہ دونوں چیزیں مختلف ناموں سے ملتی ہیں اور یہ مخمصہ آج بھی موجود ہے کیونکہ ہم نے جب بھی بازار سے قسط منگوائی، پنساریوں نے ہر بار نئی چیز مہیا کر دی۔

حالانکہ یہ پاکستان کے شمالی اور شمال مغربی علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ اور درآمدی اشیاء سے فوائد میں افضل ہے۔ اگر عود الہندی کو علیحدہ دوائی فرض کرلیا جائے تو بھی اس کے فوائد میں جراثیم کو مارنے کی صلاحیت موجود ہے۔ ویدک مطب میں ایک مشہور مرکب ''جو رسودا'' کمزوری اور سوزشوں کے لیے بڑی مقبول دوائی ہے ندکارنی اس کے جراثیم کش اثرات کا معترف ہے۔

ہم نے قسط کو مختلف صورتوں میں لیبارٹری میں جانچا اور علم جراثیم کے جید استاد یوسف جاوید صاحب نے ذاتی توجہ سے اس کے اثرات کا بھی جائزہ لے کر اس کی جملہ صفات کی تصدیق مہیا کی ہی۔ پروفیسر یوسف صاحب نے عود الہندی کو بھی جراثیم کش قرار دیا ہے۔

ہم نے قسط کو مختلف صورتوں میں استعمال کرتے ہوئے سوزش کی ہمہ اقسام میں شاندار نتائج کے ساتھ استعمال کیا ہے جبکہ عود الہندی کے مرکبات تیار کرنے کی بجائے مریض کے کمرے میں اس کی دھونی دے کر دیکھا گیا کہ اس کے اثرات کھانے سے بہتر رہتے ہیں۔

سانس کی نالیوں یا پھیپھڑوں میں سوزش کے علاج میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایسی ادویہ استعمال کی جائیں جن کے مریض عادی نہ ہوسکیں۔ اور یہ ادویہ جراثیم کو ہلاک کرنے کے ساتھ ساتھ مریض کے جسم میں قوت مدافعت پیدا کریں جبکہ جدید ادویہ جراثیم کو مارنے کے ساتھ مریض کو بے حال کر دیتی ہیں تقابلی جائزہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سوزش کے علاج میں نبی ﷺ سے بڑھ کر کوئی بہتر طریقہ معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ اور جو کوئی اس کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز پر سہارا کر رہا ہے۔ وہ اپنا وقت اور صحت دونوں خراب کر رہا ہے۔

حرام اشیاء سے بنی ادویات:

ادویات کی تیاری میں شراب (Alcohol) کا استعمال نہیں ہونا چاہیے اگر ان کو متبادل طریقوں سے تیار کرنا ممکن ہو یہ کام نہ صرف ہمارے مذہب کے عین مطابق ہوگا بلکہ اس سے ان ادویات کا غلط استعمال بھی رک جائے گا۔ مثلاً ٹنکچروں کی بنانے میں شراب

کا استعمال ہوتا ہے اور یہ آسانی سے دستیاب ہیں۔ اس لیے شراب کے رسیا ان کا استعمال نقصان دہ مقدار میں کر رہے ہیں جو کہ جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔

ہاضمے کی بہت سی دوائیاں ایسی ہیں جن میں خنزیر کے معدے کے اجزاء استعمال ہوتے ہیں مگر ان کے متبادل دوسری دوائیاں بھی ہیں جن میں کہ حرام اشیاء استعمال نہیں ہوتیں۔ مسلمان ڈاکٹر نسخہ لکھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھیں۔ تاکہ یہ حرام اجزاء والی دوائیاں جن کے متبادل موجود ہیں، درآمد ہی نہ کی جائیں۔

ادویات اور کینسر:

کیا آپ جانتے ہیں کہ بعض ادویات ایسی ہیں جن کا استعمال اگر ٹھیک طرح نہ کیا جائے تو ان ادویات کے استعمال سے کینسر پیدا ہونے کا شدید اندیشہ ہوتا ہے۔ ان ادویات کی فہرست تو خاصی طویل ہو سکتی ہے مگر وہ ادویات جو عام طور پر عوام الناس کے استعمال میں آتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ فینائل بیوٹازون (Phenyl Butazone)

2۔ کلوروم فینیکول (Chlorem Phenicol)

یہ دوا ٹائیفائیڈ کے بخار میں استعمال کی جاتی ہے اس کی وجہ سے ہڈیوں کے گودے کی خرابی اور خون کا کینسر ہو سکتا ہے۔

3۔ فینائل ہائیڈینٹائین (Phenyl Hydantion)

یہ مرگی کے علاج کے لیے استعمال ہوتی ہے اس کے استعمال میں بے احتیاطی سے غدودوں کے کینسر کا امکان بہت بڑھ جاتا ہے۔

4۔ ایم فیٹامین (Amphetamin)

اس کے استعمال سے بھی غدودوں کا کینسر ہو سکتا ہے۔

5۔ افیون (Opium)

نشئی لوگ اپنا نشہ پورا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ افیون میں موجود ٹار کے مرکبات کی وجہ سے خوراک کی نالی اور مثانے کے کینسر کی شرح بڑھ جاتی ہے۔

6۔فولاد کے ٹیکے (**Iron Dextran Complex**)

اس دوائی کے استعمال سے ٹیکے کی جگہ پر سارکوسا کا امکان ہوتا ہے اس سلسلے میں عوام الناس، پیرا میڈیکل اور میڈیکل سے منسلک اور دیگر لوگوں کو بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیے اور یہ ادویات اسی وقت استعمال کرنے چاہئیں جب ان کے استعمال کی اشد ضرورت ہو۔

موضوع نمبر ۳۲ •

جانوروں کوزلزلے کا پہلے سے علم ہوجانا

اور جدید تحقیقات

❁ ...... حضور ﷺ کے دور میں جب بھی کوئی آفات یا عذابات آتے تو جانور اور چوپائے اپنی حرکات سے پریشانیاں ظاہر کرتے اور اصحاب رسول ﷺ کو پتہ چل جاتا کہ عذاب خداوندی آنے والا ہے۔

❁ ...... آج دنیا بھر کے تحقیقات اداروں نے ریسرچ کی تو پتہ چلا کہ جانور کو عذابات خداوندی پہلے سے معلوم ہوجاتے اور وہ محسوس کر لیتے ہیں کہ کچھ ہونے والا ہے۔

❁ ...... ذیل میں ہم جانوروں کی پیش گوئیوں اور جانور کو خطرات کا علم کیسے ہوجاتا ہے اس جدید سائنسی تحقیقاتی اداروں کی رپورٹ پیش کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

جانوروں کی پیشنگوئی:

زلزلے کو برپا ہونے سے روکنا تو انسان کے بس میں نہیں، تاہم اس کی پیشگوئی کر کے ممکنہ نقصانات سے بچا جا سکتا ہے کتنی عجیب سے بات ہے کہ مختلف حیوان زلزلے کی آمد سے پہلے ہی آگاہ ہوجاتے ہیں۔

مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بڑا زلزلہ آنے سے قبل پرندے اپنے گھونسلوں سے باہر نکل کر پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر اڑنے لگتے ہیں۔ کوّے خلاف معمول درختوں پر اکٹھے ہو کر بے ہنگم کائیں کائیں سے آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ کتے آبادیوں سے نکل کر جنگلوں او رویرانوں کا رخ کر لیتے ہیں اور عجیب وغریب آوازیں نکالتے اور حرکات کرتے ہیں۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ جانوروں کی چھٹی حس ایسے مواقع پر جلد بیدار ہوجاتی ہے اور وہ

آنے والے خطرے کی بو بہت پہلے سونگھ لیتے ہیں۔ امید ہے کہ مزید مشاورت کے بعد جانوروں کی ان حرکات وسکنات کے ذریعے زلزلوں کی پیشگوئی کرنے میں خاصی پیش رفت ہوسکے گی۔

چینی سائنسدانوں کا مشاہدہ ہے کہ اگست ۱۹۷۶ء میں سی چوآن صوبے میں جوزلزلہ آیا تھا، اس کی آمد سے قبل ہی سانپ اس علاقے سے محفوظ مقامات کی طرف چلے گئے۔ جولائی ۱۹۷۶ء میں تانگ شان کے زلزلے میں بھی سانپوں نے ایسے ہی طرز عمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس شہر میں زلزلہ آنے سے بہت پہلے ہی رینگنے والے جانور چالیس کلومیٹر دور ایک گڑھے میں اکٹھے ہوگئے تھے۔ چینی سائنسدانوں کے مطابق سانپ چونکہ بلوں میں رہتے ہیں اس لیے وہ زیرزمین متوقع تبدیلیوں کے بارے میں نسبتاً زیادہ حساس ہوتے ہیں۔

اس وقت مصنوعی سیاروں کے ذریعے زلزلوں کی پیش گوئی پر تحقیق ہورہی ہے، روس کے اوٹوشمٹ انسٹی ٹیوٹ برائے زمینی طبیعات، کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مصنوعی خلائی سیاروں کے ذریعے کئی گھنٹے قبل زلزلے کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ زلزلے کی لہر اٹھنے سے پہلے زمین سے برقی مقناطیسی موجیں خارج ہوتی ہیں جو سگنل کی صورت میں مصنوعی سیارے تک جا پہنچتی ہیں اور اس کے حساس آلات انہیں ریکارڈ کرلیتے ہیں۔ اس میں سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ عموماً یہ سگنل مصنوعی سیاروں تک رات کے وقت پہنچتے ہیں جب سوئے ہوئے انسانوں کو خبردار کرنا مشکل ہوتا ہے امید ہے کہ مستقبل قریب میں ایسے مصنوعی سیارے وجود میں آجائیں گے جو زلزلوں کے ٹھیک ٹھیک پیشگی اطلاع دے سکیں گے۔

چینی سائنسدانوں نے ۱۴ فروری ۱۹۷۵ء کو اپنے ہی ملک میں آنے والے ایک زبردست زلزلے کی پیشگوئی کرکے ایک حیران کن کارنامہ انجام دیا۔ اس پیشگوئی کی بناء پر زلزلے سے پہلے ہی شہری، مویشی اور قابل انتقال قیمتی اثاثے محفوظ مقامات پر پہنچا دیے گئے اور اس طرح جانی ومالی نقصانات سے محفوظ رہنے کی صورت نکل آئی۔

جانوروں میں شعور:

انسان ایک ہزار چکر فی سکنڈ کی آواز کی لہروں کو محسوس کرسکتا ہے اس کے برعکس کتے

بلیاں اور لومڑیاں ساٹھ ہزار چکر فی سکنڈ کی آواز سن سکتے ہیں۔

سن ۱۹۷ء کا ذکر ہے چین کے صوبے لیاؤ ننگ میں سائنسدان تجربے گاہ میں تحقیق میں مصروف تھے ان کے چہروں پر تفکر کے سائے پھیلتے جا رہے تھے لیکن اعتماد اور حوصلے میں کوئی کمی نہیں واقع ہوئی تھی۔ ''وہ آفت'' کی آہٹ سن رہے تھے۔

زمین وقفے وقفے سے لرز رہی تھی زمین جھٹکے دلوں کی دھڑکن کی رفتار تیز کیے جا رہے تھے۔ زلزلے کے آثار واضح تھے۔ سائنسدانوں نے زلزلے کی پیش گوئی کرنے میں تذبذب کا مظاہرہ نہیں کیا۔

جون ۱۹۷۴ء میں جب زلزلے کے سگنل زیادہ تیزی سے موصول ہو رہے تھے انہوں نے اعلان کیا کہ دو برسوں کے دوران کسی بھی وقت ایک زلزلہ صوبے میں آ سکتا ہے اس علان کے چھ ماہ بعد علاقے کے جانوروں میں ایک عجیب وغریب تبدیلی رونما ہوئی جس نے لوگوں کو حیرانگی کے بھنور میں لا چھوڑا۔ زیادہ تر جانور بے چین، پریشان اور خوفزدہ سے رہنے لگے وہ کبھی چیختے کبھی دوڑتے، کبھی روتے اور کبھی پاگل پن کی حرکتیں کرتے۔

دسمبر میں جب سردی رگوں میں خون کو جمانے لگتی ہے علاقے میں سانپ اپنی زمینی پناہ گاہوں سے اچانک باہر نکل پڑے۔ اور سردی میں اکڑ کر رہ گئے۔ چوہے دن کی چمکیلی دھوپ میں گلیوں میں سڑکوں پر ادھر ادھر دوڑتے نظر آنے لگے۔ مگر کچھ ہی دنوں بعد معمولی جھٹکوں کا ایک سلسلہ علاقے میں ریکارڈ کیا گیا۔

فروری میں مرغابیاں بلند درختوں کی طرف پرواز کی کوشش کرتی دکھائی دینے لگیں اور سوروں نے ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیا۔ اور اپنے گھروں کو تباہ کر ڈالا۔ گائیں رسیاں توڑ توڑ کر بھاگنے لگیں کتے گردنیں ہوا میں اٹھائے گہری گہری سانسیں لینے لگے کبھی ان کے بھونکنے کی آواز دلوں کو ہلا کر رکھ دیتی تھی۔ اس کے بعد ایک بار پھر ہلکے ہلکے جھٹکوں نے زمین کے سینے کو ہلا کر رکھ دیا۔

۴ فروری ۱۹۷۵ء کو جب جانوروں میں سراسیمگی بے اطمینانی اور خوف کی کیفیت عروج پر تھی چینی حکام نے ہائی چینگ شہر کے دس لاکھ باشندوں کے شہر چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ اور بعد کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ ایک انتہائی بروقت فیصلہ تھا کیونکہ شہر کے خالی ہونے کے چند گھنٹوں بعد ہی ایک ہولناک زلزلے نے شہر کو کھنڈرات میں بدل کر رکھ دیا۔

ہائی چینگ کے اس زلزلے نے ان سائنسدانوں کے لیے جو حیوانات کی (Premonitory) قوت تسلیم کرتے تھے۔ ناقابل تردید ثبوت مہیا کیا تاریخ میں بے شمار مثالیں موجود ہیں جو زلزلوں سے قبل حیوانات کے حیرت انگیز اور ناقابل یقین کردار کو پیش کرتی ہیں۔

قدیم یونانی شہر ہیلس میں زیر زمین رہنے والے چوہے (Weasels) اور دیگر بے شمار حیوانات زلزلے سے پانچ روز قبل شہر سے فرار ہوگئے تھے۔ اس زلزلے نے ہیلس کے حسن کو زمین کی تہوں میں دفن کردیا تھا۔ چلی کے شہر کون سیپکون کی فضائیں غول درغول پرواز کرتے ہوئے، انجانے خوف کے شکار پرندوں کی چیخوں سے لرز اٹھی تھیں اور اس کے بعد یہ شہر زلزلے کی ہولناکیوں کی نذر ہوگیا۔

۱۹۰۶ء میں سان فرانسسکو کے تاریخی زلزلے سے قبل کتوں نے روز و شب بھونکنا اور چیخنا شروع کردیا تھا اور لوگوں کے رات کی نیند اور دن کا سکون غارت ہوگیا تھا یہ تو چند مثالیں ہیں۔ ورنہ تاریخ کے صفحات پر ایسی بے شمار مثالیں بکھری ہوئی ہیں۔ لیکن ہائی چینگ میں پہلی بار جانوروں کے کردار کا نہ صرف مشاہدہ کیا گیا تھا بلکہ اس کی مدد سے پہلی بار کسی شہر کی آبادی کو موت کے منہ میں جانے سے بچالیا گیا تھا۔

زیادہ تر زلزلے اچانک نہیں آتے۔ زمین کی زیریں سطح کی چٹانوں کا باہم ٹکراؤ ابتدائی مراحل کا نکتہ عروج ہوتا ہے۔ مستقل بڑھتا ہوا ارضیاتی دباؤ سطح زمین کے جھکاؤ اور ابھار میں غیر معمولی تبدیلیاں پیدا کردیتا ہے زلزلے کی لہریں زیر زمین چٹانوں میں رونما ہونے لگتی ہیں۔ زمین کے مقناطیسی میدان میں خفیف سا ردوبدل ہوتا ہے اور بڑے زلزلے سے قبل ہلکے جھٹکے وقتاً فوقتاً رونما ہونے لگتے ہیں۔

انسانی حسّی صلاحیت ان تمام ابتدائی کیفیات کو محسوس کرنے سے قاصر ہے لیکن بے شمار حیوانات ایسے ہیں جو ان کو محسوس کرنے کی غیر معمولی قوت سے مالا مال ہیں مثلاً زمین کے مقناطیسی میدان انتہائی معمولی تبدیلی سے کبوتر، شہد کی مکھی (Bletlls) (Termiles) اور سیگل، ایک انتہائی حساس مقناطیسی قطب نما کی مانند اثر انداز ہوتے ہیں ان اثرات کا مطالعہ ترکی جاپان اور چین میں حال ہی میں آنے والے زلزلوں سے قبل کیا گیا تھا۔

اب ہوتا یوں ہے کہ انسان جس کیفیت کو پرسکون گردانتا ہے وہ دراصل بالاصوتیات

(Ultra Sound) اور زیر صوتیات (Infra Sounds) سے لرزاں ہوتی ہے۔ ان کو محسوس کرنے کے لیے غیر معمولی قوت سماعت کا مالک ہونا ضروری ہے۔ بے شمار جانور ذاتی تحفظ مواصلات اور شکار کے لیے اپنے طاقت ور سماعتی حساسیات کو بروئے کار لاتے ہیں۔ یہ اس قدر طاقتور حساسیات ہوتے ہیں کہ کسی بڑے زلزلے سے قبل چٹان کے زیر زمین معمولی سے ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں اچانک پیدا ہونے والی اعلیٰ تعدد (High Frqency) آہٹوں کو فوری طور پر محسوس کر سکتے ہیں۔

انسان کی سماعتی صلاحیت نسبتاً انتہائی محدود ہوتی ہے انسان ایک ہزار چکر (Cycles) فی سیکنڈ کی آواز کی لہروں کو محسوس کر سکتا ہے۔ لیکن ۲۰ ہزار چکر فی سیکنڈ یا اس سے زیادہ چکر کی آواز کی لہروں کے لیے انسان مکمل طور پر بہرہ ہے اس کے برعکس کتے بلیاں اور لومڑیاں ۶۰ ہزار چکر فی سیکنڈ کی آواز سن سکتے ہیں۔ چوہے، چمگادڑ، وہیل اور (Dolphin) ایک لاکھ چکر فی سیکنڈ کی آواز نہ صرف پیدا کر سکتے ہیں بلکہ انہیں سن بھی سکتی ہیں۔ یہ آواز اس قدر تیز ہوتی ہے کہ چمگادڑ اپنے شکار کی خوش کن آہٹ سنتے وقت اپنے اندرونی کان بند کر لیتے ہیں۔

ان تیز آوازوں کے علاوہ زیر صوتیات بھی ہوتی ہیں جو بے حد مدھم آوازیں ہوتی ہیں۔ اور اس کی حد ایک سو چکر فی سیکنڈ یا اس سے بھی کم ہوتی ہے اتنی مدہم آوازیں زمین میں ہلکے پھلکے جھٹکوں یا زیر زمین گیس کے اخراج کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں انسانی قوت سماعت زیر صوت کا پتہ نہیں چلا سکتی بلکہ زلزلے کا پتہ چلانے والی عام نوعیت کی مشینیں، زلزلہ نگار، (Sel Smograph) بھی ان کا پتہ چلانے سے قاصر ہیں۔

اس نظریئے پر یقین کرنے کے لیے فی الوقت کافی وجوہ موجود نہیں ہیں کہ بالا و زیر صوتیات ہی حیوانات میں خوف و ہراس اور بے چینی پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ اعلیٰ تعدا کی لہریں جو چٹانوں میں دراڑیں پیدا ہونے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس قدر جلد منتشر یا لاپتہ ہو جاتی ہیں کہ شاید وہ صرف زلزلے کے علاقے میں ہی الارم کا باعث بن سکتی ہیں۔ کبوتر اور دوسری حیوانی انواع پر اس قسم کے پیچیدہ سگنل کے اثرات فوری طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔

مثلاً بعض پرندے بالا و زیر صوتیات کو سننے کے علاوہ زلزلے کی کمزور کیفیات کے

نتیجے میں رونما ہونے والے ارتعاش کو محسوس کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ جدید تحقیق سے یہ پتہ چلا ہے کہ کبوتر کی ٹانگوں میں موجود حساسیات کا ایک جال سا پھیلا ہوتا ہے جو بے حد معمولی ارتعاش سے بھی حساس ہوتا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں ایک معمولی درجے کے زلزلے سے قبل زیر مشاہدہ پرندوں کا ایک گروہ انتہائی ہراساں دکھائی دیتا تھا جبکہ ان پرندوں نے جن کی رابطہ عصبیات (Nerves Connecting) کاٹ دی گئی تھیں سر سمیگی کی کوئی علامت ظاہر نہیں کیں۔

مچھلیاں بھی انتہائی مدہم ارتعاش سے غیر معمولی طور پر حساس ہوتی ہیں۔ اس سمندر میں طویل فاصلوں سے بھی آوازوں ارتعاش کو فوری محسوس کر لیتی ہیں۔ چنانچہ زلزلوں سے قبل آبی حیوانات کا کردار تعجب کا باعث نہیں۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی کا باعث ہوگا کہ زیادہ تر زلزلوں کے مراکز سمندروں کے نیچے براعظموں کے ساحل پر واقع ہیں۔

ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کرہ ارض پر موجود ہر قسم کی قدرتی قوت کسی نہ کسی جاندار کی حسیات کی گرفت میں ہوتی ہے تاہم زلزلوں کو قبل از وقت محسوس کر لینے کی حیوانی صلاحیت کی گہرائی تک پہنچنے کے لیے جامع تالیف کی ضرورت ہے اس کے لیے زلزلوں سے قبل اور ان کے دوران زیر زمین ہونے والی کیفیات و واقعات اور بڑی تعداد میں مختلف انواع کی حسیاتی صلاحیتوں کے مابین ایک سائنسی ربط کو تلاش کرنا پڑے گا۔

اس قسم کی تالیف ایک نئے ارضی طبیعاتی نظریئے کی صورت میں سائنسدانوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ یہ نظریہ امریکہ کی کورینل یونیورسٹی کے تھامس گولڈ نے پیش کیا ہے اس نظریے کے مطابق زمینی تہوں میں موجود ہائیڈرو کاربن مادے بے حد گرم ہونے کے بعد دباؤ کا شکار ہو جاتے ہیں اس کے نتیجے میں میتھین اور سلفیورک گیس قوت اور دباؤ کے ساتھ بیرونی سطح کی جانب بہنے لگتی ہیں۔

ان گیسوں کا دباؤ کمزور چٹانوں کو چٹخا دیتا ہے ان چٹانوں کی ابتدائی چھوٹی دراڑیں رفتہ رفتہ بڑے بڑے شگافوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ گیسیں زمین کی گہرائیوں سے بالائی سطح کی جانب بڑھتی رہتی ہیں اور اپنے آگے ان بدبودار گیسوں کو بہاتی جاتی ہیں جو بالائی سطح کے قریب زمینی تہوں میں موجود ہوتی ہیں۔

زلزلے سے قبل خارج ہونے والی یہ گیسیں فوری طور پر ماحول میں تفوذ کر جاتی ہیں اور صرف قلیل مقدار ہی حیوانات میں عمومی طور پر خوف و ہراس کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے باقی رہ جاتی ہیں جدید تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ریشم کے کپڑوں اور بعض دیگر حیواناتی انواع میں زمین سے خارج ہونے والی گیسوں کی انتہائی کم مقدار ان کی حسیات کو غیر معمولی طور بیدار اور متحرک کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

سائنس دانوں نے شمسی مواصلات کے مطالعہ کے دوران بعض دلچسپ مشاہدات حاصل کیے ہیں مثلاً زلزلوں کے دوران خارج ہونے والی سلفر گیس زیر زمین رہنے والے بعض جانوروں کے لیے جنسی کھنچاؤ کی باعث ہوتی ہیں۔ پنسلونیا یونیورسٹی کے ماہر حیاتیات، ڈیوڈ مولٹن نے یہ معلوم کیا تھا کہ کتے بعض خوشبوؤں کے لیے انسان کے مقابلے میں سو سے دس ہزار گنا زیادہ حساس ہوتے ہیں۔

عام طور پر یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ جانوروں اور پرندوں کو آنے والے واقعات ''محسوس'' ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی خاندان میں کوئی موت واقع ہونے والی ہو تو کتے ماتمی انداز میں رونا شروع کر دیتے ہیں۔

سائنس داں پروفیسر ولز ہول نے اپنی تصنیف ''جانوروں کی نفسی قوت'' میں جانوروں کی قوت مدرکہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس نے ایک جگہ لکھا ہے:

> ''ایک دفعہ میں گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ گھٹا چھائی ہوئی تھی اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اچانک گھوڑا چلتے چلتے رک گیا۔ میں نے بہت کوشش کی۔ اسے چمکارا، چابک بھی لگائے، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ ابھی میں کوشش کر رہی رہا تھا کہ بجلی چمکی اور جہاں ہم کھڑے تھے، اس سے بمشکل دو میٹر پر گری۔ میرے لیے سخت تعجب کی ہے یہ بات، کہ گھوڑے کو کیوں کر محسوس ہو گیا کہ بجلی گرنے والی ہے۔''

پروفیسر ولز ہول نے ایک اور واقعہ بیان کیا ہے:

''ایک آوارہ کتا جیل میں رہنے لگا۔ ایک روز وہ ایک خاص کوٹھری کے سامنے کھڑا ہو کر بھونکنے لگا۔ جب جیلر نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا

کہ کوٹھری کے اندر قیدی اپنی چادر سے خودکشی کر رہا ہے، جس کی رحم کی اپیل مسترد کی جا چکی ہے"۔

ایک اور واقعہ یوں ہے۔ ایک صاحب کے پاس ایک باوفا اور خدمت گزار کتا تھا۔ وہ صاحب سرکاری ملازم تھے اور عام طور پر دورے پر رہا کرتے تھے۔ خود انہیں بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ اس کا مالک کس وقت آ رہا ہے۔ چنانچہ یہ معلوم ہوتے ہی وہ دروازے پر اضطراراً کھڑا ہو جاتا اور بے تابی سے اپنے مالک کا انتظار کرنے لگتا۔ اور مالک واقعی اسی روز گھر پہنچ جاتا۔ خانساماں کتے کی بے قراری کو دیکھ کر اندازہ کر لیا کرتا تھا کہ آج صاحب آنے والے ہیں۔ چنانچہ وہ مارکیٹ سے سودا سلف لے آتا اور کھانا تیار کر لیتا۔ مالک طویل سفر کا تھکا ماندہ گھر پہنچتا اور تازہ کھانا تیار دیکھ کر بہت خوش ہوتا۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے کتے کا شکریہ ادا کرنا نہ بھولتا۔

قبل از وقت واقعے کی اطلاع ایک بطخ کو بھی ہو گئی تھی۔ جس نے اپنی ذہانت سے سینکڑوں جانیں بچالی تھیں۔ دوسری جنگ عظیم کے آخری ایام میں اتحادی فوجیں جرمنی پر زبردست ہوائی حملے کر رہے تھے۔ ایک روز یہ بطخ چیخ چیخ کر ادھر ادھر بے تابانہ دوڑنے لگی۔ اس کے عجیب وغریب طرز عمل کو دیکھ کر لوگ بہت پریشان ہوئے۔ ایک سیانے نے کہا، ہو نہ ہو، بطخ نے محسوس کر لیا ہے کہ ہوائی حملہ ہونے والا ہے، اس لیے فوراً خندقوں میں گھس جاؤ۔

چنانچہ حسب ہدایت سب لوگ پناہ گاہوں میں چلے گئے۔ اسی لمحے اتحادیوں کے طیارے نمودار ہوئے اور انہوں نے اس قصبے پر اتنی زبردست بمباری کی کہ کھنڈر بنا دیا۔ لوگوں کے نزدیک بڑا نقصان یہ ہوا کہ بطخ ایک بم سے ہلاک ہو گئی تھی۔ سب کو یقین ہو گیا تھا کہ بطخ کو روحانی طاقت حاصل تھی اور اس نے محسوس کر لیا تھا کہ حملہ ہونے والا ہے۔ شکر گزار لوگوں نے بطخ کی یاد میں اسی پارک میں ایک میموریل بنا دیا ہے جس پر یہ پورا واقعہ آنے والی نسلوں کے لیے تحریر کر دیا گیا ہے۔ آپ بھی کبھی جرمنی جائیں تو قصبہ فری برگ پارک میں اس بطخ کی یادگار ضرور دیکھیے۔ یہ اس حقیقت کا مستقل ثبوت ہے کہ جانور اور پرندے بھی فوق الفطری، روحانی طاقت رکھتے ہیں۔

زلزلہ یا طوفان، جانوروں کو مشینوں سے پہلے پتہ چل جاتا ہے:

ھے چنگ/ لاہور (قومی اخبار نیوز) چین کے علاقے ہیچنگ میں چند سال پہلے جب لوگوں نے جانوروں کو سراسیمگی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگتے دیکھا تو حکام نے آبادی کا انخلاء کر کے لوگوں کو دوسرے مقامات پر منتقل کر دیا جس کے فوراً بعد قیامت خیز زلزلے نے تباہی مچادی مغربی اراضی طبعیاتی ماہرین کے خیال میں زلزلے کی پیشگوئی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ایسے حالات میں لوگوں کو محفوظ مقامات پر پہنچایا جاسکتا ہے۔ چینی حکام کا کہنا تھا کہ انہوں نے جانوروں کے عجیب وغریب طرز عمل سے اندازہ لگایا کہ کوئی تباہی آنے والی ہے اس قسم کی صورتحال میں چوہوں، سانپوں، گائے، بھینسوں گھوڑوں اور پرندوں کے طرز عمل سے سراسیمگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

برطانوی جریدے اکانومسٹ نے مافوق الحسیات ادراک کے عنوان سے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا ہے کہ عام حالات میں یہ بات عجیب لگتی ہے کہ دنیا کی جدید ترین رسدگاہوں میں زلزلے کے جھٹکوں سے پہلے زلزلہ کا اندازہ نہ لگایا جاسکے گا مگر جانوروں کو اس کا پہلے پتہ چل جائے سائنسداں اب اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مافوق الحسیات ادراک سے ایسا ممکن ہے اور بعض جانوروں میں ادراک کی یہ حس پائی جاتی ہے جو انسانوں میں موجود نہیں۔

شکاگو میں سوسائٹی آف انٹیگریٹو اینڈ کمپریٹو بیالوجی کی ایک مجلس مذاکرہ میں بتایا گیا ہے کہ زمین کی نچلی تہہ میں پیدا ہونے والی حرکات کا بعض جانوروں کو اپنے پیروں سے پتہ چل جاتا ہے اب تک سائنسدانوں کا صرف یہ قیاس تھا کہ اس نوع کی حرکات کا صرف ہاتھی کو پتہ چلتا ہے۔

اسٹینفورڈ یونیورسٹی کے کینلن اور کونل راڈویل نے اس مجلس مذاکرہ میں بتایا کہ زمین پر چلنے اور رینگنے والے بہت سے جانوروں کے پاس یہ حسیاتی ادراک ہوتا ہے ان میں شیر، ہاتھی، سانپ اور چوہے بھی شامل ہیں یہ ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح پیدا کی جانے والی لہروں کے ذریعے رابطہ رکھتے ہیں انہیں اپنی سونڈ میں موجود خلیوں کی مدد سے زمین میں

پیدا ہونے والی حرکات کا پتہ چلتا ہے سونڈ سے یہ حرکات اس کی ہڈیوں کے ذریعے کانوں کے درمیان پائی جانے والی غیر معمولی طور پر بڑی ہڈی میں پہنچتی ہیں جب دور سے ہاتھیوں کا کوئی غول آ رہا ہو تو کافی فاصلے پر موجود ہاتھی پیر اٹھا کر اس کا اظہار کرتا ہے طوفان کی آمد سے پہلے وہ سی طرح خطرے کی نشاندہی کرتا ہے۔

جانور خطرہ کی بو کیوں سونگھ لیتے ہیں، جدید تحقیقات:

ایران میں گذشتہ گرما میں جب زلزلہ آنے والا تھا تو لاتعداد بلیاں اپنے گھروں سے فرار ہو گئی تھیں۔ لوگوں نے اس بات کو اس لیے محسوس نہ کیا۔ کہ اکثر اوقات بلی گھر سے چلی جاتی ہے اور نر تو کئی کئی ماہ باہر رہ کر واپس آتا ہے۔

عین اسی طرح ۱۹۶۰ء میں اگاڈر میں جب زلزلہ آیا اس میں پچاس افراد ایک جھٹکے میں ہلاک ہو گئے تھے۔ تو چند منٹ قبل شہر کے کتے اور بلیاں بھاگنا شروع ہو گئے تھے۔ وہ کتے جو بندھے ہوئے تھے انہوں نے اپنے ناخنوں سے زمین کو کریدنا اور دروازوں کو توڑنا شروع کر دیا تھا۔ گھوڑوں نے ٹاپ مارنا اور ہنہنانا شروع کر دیا تھا ان کی آوازوں میں خوف اور ڈر تھا۔

بعض آدمی بھی زلزلہ یا حادثہ سے بچ جاتے ہیں اور عین وقت کوئی ایسا فیصلہ کرتے ہیں۔ جن سے وہ حادثہ کی جگہ سے دور ہٹ جاتے ہیں۔ جانوروں میں چھٹی حس ہوتی ہے اور وہ خطرات سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ ان کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہونے والا ہے۔ یا انہیں کیا نظر آتا ہے؟ یا چھٹی حس کیا بتاتی ہے؟ اس کا تجزیہ ممکن نہیں؟

البتہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جس گھر میں روح یا بھوت یا جن ہو، کتے اور بلی ان کو فوراً محسوس کر لیتے ہیں یا دیکھ لیتے ہیں۔ بلی کے تو بال کھڑے ہو جاتے ہیں خوف سے وہ دہری ہو جاتی ہے کتے بھی ڈراونی ہلکی آواز نکالتے ہیں۔ اور پیچھے ہٹنا شروع ہو جاتے ہیں خیال ہے کہ وہ چیزیں جو انسان کو نظر نہیں آتیں۔ ان کو نظر آ جاتی ہیں۔

۱۹۳۸ء میں دو پادری آگسٹائن اور کٹ برتھ اپنی روزمرہ کی عادت کے مطابق چہل

قدمی کرنے کے لیے تیار ہوئے۔ لیکن وہ کتے جو ہمیشہ ان کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ انہوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور بہت منانے اور تسلیوں کا بھی کوئی فائدہ نہ نکلا۔ وہ دونوں پادری متعجب تھے کہ شاید کتوں کو زہر دے دیا گیا ہے۔ اس لیے وہ زمین پر لیٹ گئے تھے اور انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

وہ لوگ زیادہ عرصے تک لاعلم نہ رہ سکے۔ آدھا گھنٹہ ہی گزرنے پایا تھا کہ برف کا ایک بہت بڑا تودا جو کسی نے بھی اپنی زندگی میں نہ دیکھا ہوگا پہاڑ کے ایک حصے کو توڑتا ہوا ایک نہایت مہیب آواز کے ساتھ خانقاہ سے جا ٹکرایا۔ تمام کھڑکیاں ٹوٹ گئیں اور تمام دروازے ایک ہی طرف کو اندر کی طرف دھکیل دیئے گئے۔ وہ دونوں پادری اگر اپنی عادت کے مطابق روانہ نہ ہوتے تو وہ دونوں اور وہ کتے زمین میں دفن ہو گئے ہوتے۔

جانور، پرندے، رینگنے والے جانور اور کیڑے مکوڑے بھی چھٹی حس رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کو خطرے کا پہلے سے علم ہو جاتا ہے اور اسی طرح سے موسم کی تبدیلی کو بھی وہ جان لیتے ہیں۔ اسی طرح سے جب سمندر میں طوفان آنے والا ہوتا ہے تو آبی پرندے بھی اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف اڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بارش کی آمد کا اندازہ بھی جانور اور گائے کر لیتے ہیں اور گائے اپنی دم کو اسی سمت میں حرکت دینا شروع کر دیتی ہے جس جانب سے بارش آنے والی ہوتی ہے جب کہ ابابیلیں میدان کے زیادہ قریب اڑنے لگتی ہیں۔ اور گائیں زمین پر بیٹھ کر زور زور سے چیخنے لگ جاتی ہیں۔

گھوڑے بھی خطرے کی بو سونگھ لیتے ہیں اور ایسے کئی واقعات ملتے ہیں۔ کہ انہوں نے اپنے سواروں کو خطرے سے بچایا ہے کافی سال ہوئے جب ایک خاندان راج برجی کے علاقہ میں رہتا تھا۔ جو کہ مشرقی بنگال میں ہے اور ان کے گھر کے اردگرد جنگل تھا وہ علاقہ سانپوں اور جنگلی جانوروں سے بھرا ہوا تھا۔ بچوں کے والد کو اپنے کاروبار کے سلسلے میں دور دور تک گھوڑے پر جانا پڑتا تھا۔ اور وہ بعض اوقات آدھی رات کے وقت جنگل کے راستے گھر پہنچتے تھے اور اکثر وہ گھوڑے پر ہی سو جاتے تھے اور ان کا وفادار گھوڑا ان کو حفاظت سے گھر پہنچا جاتا تھا۔

ایک رات ان کا گھوڑا اچانک رک گیا اور اس نے اپنے کان کھڑے کر لیے اور وہ بہت بری طرح سے کانپنے لگ گیا۔ اگرچہ وہ اس وقت گھوڑے پر سوئے ہوئے تھے۔ مگر وہ

فوراً جاگ اٹھے۔ ان کا گھوڑا مڑا اور اسی راستے پر بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ جہاں سے وہ ابھی آیا تھا۔ تسلیاں اور دلاسے بھی اس کو واپس مڑ جانے پر مجبور نہ کر سکے۔ اور اس طرح مجبوراً ان کو ایک لمبا راستہ اختیار کر کے گھر آنا پڑا۔ اور یہ بہت خوش قسمتی کی بات تھی اس لیے کہ اگلی صبح سب نے سنا کہ ایک آدم خور شیر نے ایک آدمی کو مار ڈالا اور وہ مقام جہاں وہ آدمی مارا گیا اس مقام سے دور نہ تھا جہاں سے گھوڑا واپس مڑا تھا۔

پڑھنے والوں کو غالباً جانوروں کی اس طینت کی بھی خبر ہو گی کہ حادثے کے موقع پر یا تو خود انہوں نے اپنی زندگی بچائی یا انسانوں کی زندگی بچائی۔

۱۹۵۶ء میں ایک شخص پال کیلن نامی جو اپنی بیوی کے ساتھ ایک چھوٹے سے فلیٹ میں ڈسل ڈورف کے مقام پر رہتا تھا۔ اس نے اپنی عادت کے مطابق دوپہر کو کھانا کھانے سے پہلے اپنی بلی کے لیے کھانے کی ایک پلیٹ زمین پر رکھی۔ اور بلی باوجود کھانے کی خواہش کے وہاں سے لوٹ گئی۔

اسی وقت زبردست طوفان کے آثار نمودار ہوئے۔ جس نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بلی بہت زیادہ متوحش ہو گئی اور وہ دیوانگی کے عالم میں اپنے مالک اور سونے والے کمرے کے دروازے کے درمیان بھاگنے لگی۔ تب کیلن نے دروازہ کھول دیا جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا ایک زبردست آواز کے ساتھ اس کمرے کی دیواریں اور چھت جس میں سے وہ ابھی باہر نکلا تھا۔ زمین پر آ رہی اس طرح اس کی بلی کی چھٹی حس نے اس کو اچانک موت سے بچا لیا

بلیاں اپنی حفاظت کرنا بخوبی جانتی ہیں۔ شاید یہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی نو زندگیاں ہوتی ہیں۔ ایک بوڑھے بلے نے اپنا گھر فوئی ٹا جہاز کے تختے پر بنایا۔ اس نے وہ سفر پورا کیا اور کئی مرتبہ آیا اور گیا۔ لیکن جب ایک سفر شروع کیا گیا تو اس نے ڈرنا اور میاؤں میاؤں کرنا شروع کر دیا۔ بالکل اس طرح جیسے وہ لوگوں کو زمین کی طرف کھینچنا چاہتا ہوں۔ آخری لمحے میں اس نے اپنے گرد ایک لکیر بنا دی اور پہاڑ کے پیچھے غائب ہو گیا۔

یہ زمین پر بوڑھے بلے کو کیا ہو گیا؟ اسے آج سے پہلے ایسی حالت میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔

اسی رات فوئی ٹا جہاز واپس نہ آیا۔ لیکن کچھ لوگوں نے اسی معاملے کے متعلق بہت

سے خیالات کا اظہار کیا۔ اور ایسا بھی ممکن نظر آتا تھا کہ اس نے کسی دوسرے جزیرے تک جانے کے لیے اپنا راستہ تبدیل کرلیا ہو جیسے کہ کبھی کبھی ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن وہ جہاز کبھی واپس نہ آیا۔ اور آخر دو ماہ کے بعد پتہ چلا کہ جہاز فیجی کے شمال میں واٹر لاج میں پھنسا ہوا ہے اور اس کے ملاح اور مسافر غائب ہیں ان پر کیا بیتی۔ آج تک کوئی بھی نہ جان سکا۔ لیکن اس بوڑھے بلے نے کیسے جانا۔

ریمینو ایک مسلح اور بکتر بند لڑاکا جہاز تھا جو سب میرین کو تباہ کرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس میں ایک بلی تھی جو ملاحوں کو بہت پسند تھی۔ ۱۹۱۸ء کو ۲ فروری کے دن جیسے ہی جہاز کی روانگی کا وسل ہوا۔ اس کے فوراً بعد بلی عرشے کی طرف جھپٹی اور تیزی کے ساتھ ساحل کی طرف کود گئی۔ اور بہت تیزی سے دور جاتی ہوئی نظر آئی۔ کیپٹن جانتا تھا کہ کچھ حادثہ ہونے والا ہے جبکہ بعض ملاح جہاز کے عرشے پر کھڑے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کر بلی کو الوداع کہہ رہے تھے اور اس کی اس حرکت پر ہنس رہے تھے۔

کچھ ہی منٹ گزرے تھے کہ ریمینو جو کہ ساحل سے صرف ۱۰۰ گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا جل اٹھا اور راکھ ہو گیا۔ اور کچھ دیر بعد صرف اس کا ملبہ باقی رہ گیا۔

اگر آپ موسم کی پیشن گوئی کرنا چاہتے ہیں تو جنگلی جانوروں کا معائنہ کریں اس لیے کہ خانہ بدوش اسی طرح اندازہ لگاتے ہیں۔

انکی موسم کے متعلق پیشن گوئیاں پوستین پہننے والے جانوروں اور کینیڈا کے پرندوں پر مبنی ہوتی تھیں۔

ہنس کا اونچا اڑنا سردی کا موسم نرم ہونے کی واضح نشانی ہے اور اس بات کے لیے مزید واضح ثبوت اس بات سے حاصل کیا جا سکتا ہے کہ لومڑیاں، بھیڑیئے، کستوری چوہے اور بیور وغیرہ جب تک سال کا آخری حصہ نہ آجائے ان کے جسم پر بہت بھاری بال نہیں ہوتے ہیں۔ یا مچھلیاں زیادہ گہرے پانی میں نہیں جاتیں۔ جیسا کہ وہ اس وقت جاتی ہیں جب تالابوں اور دریاؤں کا پانی صبح کے وقت جم جاتا ہے۔

برف ایک فٹ کی گہرائی تک نہیں گرے گی۔ بلیک ہاک نے اس بات کا اندازہ سردیوں کے نرم آغاز سے کیا۔ ہرن ہمیشہ درختوں کی چھال پر اس گہرائی تک پنجے مارتے ہیں۔ جتنی برف گرنی ہوتی ہے۔

زلزلہ سے پہلے جانوروں کو کیوں پتہ چل جاتا ہے؟ جدید تحقیقات:

۱:۔ایک حالت میں یہ جانور اپنے روزمرہ معمولات میں غیر معمولی طور پر بے چینی کا اظہار کرتے ہیں مثلاً بے چینی سے دوڑنا، کانپنا، واویلا کرنا اور چیخنا، چلانا وغیرہ۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ جانوروں کی یہ حرکات وسکنات درحقیقت کسی غیر معینہ تشویش کی نشاندہی کر رہی ہوتی ہیں۔

۲:۔دوسری حالت میں جانوروں کا ردِعمل یا دوسری قسم کا رویہ پہلے سے کہیں زیادہ بامقصد اور کسی متوقع خطرے کی نشاندہی سے متعلق ہوتا ہے۔ مثلاً اس حالت میں جانور اپنے گھروں یا باڑوں سے دور بھاگتے ہیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ زلزلہ پیمائی اور اس سے متوقع خطرات کا سراغ لگانے میں مددگار جانوروں کی تقریباً ۷۰ اقسام قابل ذکر ہیں تاہم ۱۱۴۹۹۹۳۰ اقسام کے دوسرے جانوروں میں یہ خواص موجود ہیں بہر حال اس کی وجہ ان کی جانب ماہرین کی عدم توجہ بھی ہو سکتی ہے۔

جانوروں کی وہ اقسام جو زلزلوں یا ایسی ہی نوعیت کے دوسرے خطرات کے بارے میں مؤثر آگاہی کا سبب بنتی ہیں ان میں کتے مویشی چوہے اور بلیوں کے نام نمایاں ہیں تاہم بعض سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ یہ جانور اتنے زیادہ ہوشیار یا حساس ہیں کہ وہ اس سلسلے میں مددگار ثابت ہوں۔

ماہرین زلزلہ پیمائی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جانوروں کا یہ غیر معمولی رویہ قریب الواقع زلزلے اسکی شدت کے بارے میں ممکنہ نشاندہی کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے تاہم اس نوع کے سبھی جانور ہی کسی متوقع خطرے پر اپنے ردعمل کا اظہار نہیں کرتے۔ بیشتر جانوروں کو (یا سوائے مچھلی یا رینگنے والے جانوروں) کے شاذ و نادر ہی کسی واقع کے بارے میں ۲۴ گھنٹے پہلے خبر ہوتی ہوتا ہم کبھی کبھار کسی متوقع خطرے کے بارے میں جانوروں کی غیر معمولی بے چینی یا شدید ردِعمل سے قبل از وقت قدرتی شواہد حل ہو جاتے ہیں تاہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہمیشہ جانور کسی ایسے متوقع خطرے کے بارے میں جب کسی ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں تو کیا واقعی کوئی ایسا حادثہ پیش بھی آتا ہے؟

ماہرین زلزلہ پیمائی اس مسئلے کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ آیا اس نوعیت کی غلطیاں جن کے حوالے سے متعلق معلومات شواہد کی تصدیق نہیں ہوتی اور وہ شواہد غلط پیش گوئیاں ثابت ہوتے ہیں کیا مستقبل کی نشاندہی کرنے والے حیاتیاتی حالات پر غالب رہیں گے! بعض سائنسدان جانوروں کے اس رویے کو غلطیوں سے مبرا اور قطعی قابل اعتماد حوالوں کے طور تسلیم نہیں کرتے۔

مثلاً دو سو سال قبل سوویت یونین میں واقع ہونے والے ایسے سینکڑوں حادثوں میں سے صرف ۳۰ کے قریب حادثوں کی ان حوالوں سے نشاندہی ہو سکی تھی دوم، ان حوالوں پر گہری تحقیق کرنے کے باوجود بھی کسی حادثے کے بارے میں سو فیصد پیشن گوئی کرنا محال ہوتا ہے اور ان میں دونوں اقسام کی غلطیوں کے امکانات موجود ہوتے ہیں۔ چونکہ بسا اوقات اس سلسلے میں جن شواہد کا سہارا لیا جاتا ہے وہ بعد ازاں درحقیقت زیر زمین کسی حادثے کی تیاری کا محرک ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا جانوروں کو اس بارے میں قطعی مورد الزام ٹھہرانا کوئی انصاف نہیں۔

بہر حال سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جانوروں کا اس غیر معمولی اور حیران کن رویے یا کسی مخصوص وقت اور جگہ پر ان کی تشویشناک بے چینی کو مستقبل قریب میں زلزلہ پیمائی یا اس سے متعلق پیش گوئی کے طبعی منظر میں کیا حیثیت دی جائے گی۔ چونکہ جغرافیہ دانوں کے بقول زلزلوں کا وقوع پذیر ہونا۔ حشرات الارض کا نہایت ہی خفیف بھونچال عمل ہے جو زمین کے انتہائی زیریں حصوں میں ہوا کے دباؤ اور کشش کے عمل میں تبدیلی زیر زمین پانی کی سطحوں میں حرکت یا زیر زمین انتہائی خفیف آوازوں کا پیدا ہونا الیکٹرو میگنیٹک فیلڈز میں کمی بیشی اور زمین کے انتہائی زیریں حصوں سے گیسوں کے پیدا ہونے کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ کسی مخصوص جگہ اور اس کے ماحول کے اثر کے بارے میں جانوروں کا ردعمل حفاظتی نوعیت کا ایک عمل ہوتا ہے جو ایک طویل ترین ارتقائی عمل کے نتیجے میں اسی نوعیت کے زلزلوں یا حادثوں کے بارے میں پیدا ہونے والی آوازوں یا اثرات کو عام حالتوں میں آدمی نہیں سن سکتا۔ تاہم یہ آوازیں یا اثرات یہ جانور آسانی سے سن سکتے ہیں اور ان آوازوں کو نہایت ہی حساس آلات کے ذریعے ریکارڈ بھی کیا جا سکتا ہے۔

سوویت یونین ماہرین ایسے تجربات کرنے میں مصروف ہیں جن کی مدد سے برقی لہروں کی بو اور ایسے ہی دوسرے ناگزیر حادثوں کے بارے میں جانوروں کے ردعمل کو زیادہ بہتر طور پر جاننے میں مدد ملے گی۔

اس مقصد کے حصول کے لیے سویت یونین کے سائنس دانوں نے قزاقستان کی اکیڈمی آف سائینسز کے ایک انسٹی ٹیوٹ برائے زلزلہ پیمائی میں زلزلہ پیمائی کا ایک حیاتیاتی نظام بھی قائم کیا ہے سوویت یونین ماہرین زلزلہ پیمائی اس جدید توسیعی پروگرام کے ذریعے جانوروں پرندوں، چیونٹیوں پہاڑوں میں غاروں میں رہنے والے جانوروں اور گلہریوں کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ کر کے قبل از وقت زلزلوں کے بارے میں جاننے کی کوشش کریں گے اس کے ساتھ ساتھ ماہرین کی جانب سے طبعی جغرافیائی صورتحال میں پیدا ہونے والی بے ربطگی کو جاننے کے لیے قدرتی ذرائع کی تدریس کا کام بھی جاری ہے۔

ماہرین حیاتیات نے اس ضمن میں زندہ جانوروں پر مختلف برقی رووں بشمول کم ماہیت کی برقی رو کے اثرات سے متعلق بے شمار تجربات کا ڈاٹا مرتب کیا ہے جس کی روشنی میں دودھ دینے والے جانوروں کے دماغ کے حیاتیاتی نظام پر برقی مقناطیسی لہروں کی رفتار کی اثر پذیری ۲۰۔۱۰؟۰ (ایچ زیڈ) ہے جو نہایت ہی مؤثر ہے۔

تاہم حیاتیاتی فزسٹس کا کہنا ہے کہ قدرتی برقی مقناطیسی لہریں بھی جانوروں پر نہایت موثر طریقے سے اثر انداز ہوتی ہیں ماہرین جغرافیائی طبیعات کا کہنا ہے کہ برقی مقناطیسی لہروں کے تضادات یا بے ربطگی کو زلزلہ کی آمد سے قبل دور دراز فاصلوں تک پھیلا کر حادثات کے بارے میں کئی ہفتے قبل انکشاف کیا جا سکتا ہے اور یہ ایک روشن امید ہے جو مستقبل قریب میں بے حد مددگار ثابت ہوگی۔

موضوع نمبر ۳۳

بچوں کی تربیت اور جدید تحقیقات

دین اسلام تربیت اولاد کے فریضے کو اعلیٰ معیار پر سرانجام دینے کی تعلیم دیتا ہے اسلامی تعلیمات کی رو سے وہ نیک والدین اجر عظیم کے مستحق ہوتے ہیں جو اپنے بچوں کو عمدہ اخلاق کی تلقین کرتے ہیں اور ان کے باہمی مشاغل میں دلچسپی لیتے ہیں بچے کی بہترین اخلاقی تربیت انتہائی ضروری ہے لیکن اس کے بھی کچھ اصول ہیں۔

اچھے اخلاق سکھانا ماں باپ کی ذمہ داری ہے:

اور اگر جابے جا، وقت بیوقت، چاہے کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی ہو لیکن ڈانٹ ڈپٹ، مار پیٹ شروع کردی جائے تو اس سے بغاوت پیدا ہوتی ہے۔ آپ جب ایسے بچوں کا جائزہ لیں گے کہ جن میں بغاوت اور سرکشی ظاہر ہوتی ہو تو ان کی ماضی کا بھی جائزہ لیجئے کہ ان کے سرپرستوں نے ان سے کیا معاملہ رکھا؟

اس لیے فرمایا کہ "اکرموا اولادکم" اپنی اولاد کا اور اپنے بچوں کا اکرام کرو، ان کو عزت کا مقام دو، وہ جس عزت کے مستحق ہیں ان کے ساتھ وہی معاملہ کرو، یہ بھی نہیں کہ بچوں کو باپ بنالو بلکہ جس عزت کے اور جس مرتبے کے وہ مستحق ہیں ان کے ساتھ وہی معاملہ کرو اور فرمایا کہ "واحسنوا ادبھم" اور ان کو اچھے اخلاق سکھاؤ (ادب اور اخلاق ایک ہی چیز ہے) صرف یہ دو لفظ ہیں (۱) اکرموا اولادکم (۲) واحسنوا ادبھم لیکن تربیت کے تمام اصول اور طریقے اس کے اندر آ گئے یہ تو یہ ایسے دو لفظ ہیں کہ ان کو لکھ کر اپنے کمرے اور اپنے گھر میں آویزاں کرنا چاہیے۔

یہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو "سنن ابن ماجہ" میں ہے ہمارے لیے ہر وقت عبرت کا سامان فراہم کرنے والی ہے کہ "اکرموا اولادکم واحسنوا ادبھم" یعنی اپنی اولاد کا اکرام کرو اور ان کو اچھے اخلاق سکھاؤ، معلوم ہوا کہ اچھے اخلاق سکھانا یہ ماں باپ کی ذمہ داری ہے۔

بچے کے ساتھ والدین کا نامناسب برتاؤ کرنا:

علماءِ تربیت کا تقریباً اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے کہ والدین اور تربیت کرنے والے حضرات اگر بچے کے ساتھ سخت یا ترش رویہ اختیار کریں گے اور اس کی تحقیر و تذلیل کرتے رہیں گے تو اس کا ردعمل اس کی عادات و اخلاق میں ظاہر ہوگا اور ممکن ہے کہ نوبت خودکشی یا والدین کے ساتھ لڑائی جھگڑے اور قتل تک پہنچ جائے۔ یا گھر سے وہ اس لیے بھاگ جائے کہ ظالمانہ سختی اور مار پیٹ کی اذیت سے بچ جائے۔ پھر اس کے اندر جو بگاڑ فساد پیدا ہوگا تو کسی المیہ سے کم نہ ہوگا۔

یہ ہیں اسلامی تعلیمات اور سنت نبوی ﷺ کی تربیت اولاد کی اسلامی تعلیم، آج اس کے بارے میں یورپی معاشرہ کیا کہہ رہا ہے اس بارے میں ہم چند تجربات و تحقیقات پیش کر رہے ہیں۔

والدین کی سختی کے مثبت نتائج:

یہ مقولہ درست ہے کہ بچوں کو سونے کا نوالہ کھلانا، مگر شیر کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ آیووانی یونیورسٹی کے ایک مطالعے سے ثابت ہوا کہ ڈسپلن کی معاملے میں سخت گیر والدین کے بچے آگے چل کر زندگی کے کئی مسائل و مشکلات سے محفوظ رہتے ہیں۔ مطالعے سے اندازہ ہوا کہ چھٹی سے آٹھویں جماعت کی عمر جن بچوں کی تربیت اور نگرانی ٹھیک رہتی ہے وہ آگے چل کر زیادہ کامیاب نوجوان ثابت ہوتے ہیں۔ اس عمر میں والدین کی سختی تعلیم کے اگلے مراحل کی عمر میں انہیں بے راہ روی سے محفوظ رکھتی ہے۔

بچوں کی تربیت اور نیوانگلینڈ میڈیکل سینٹر کی تحقیق:

بوسٹن کے نیوانگلینڈ میڈیکل سینٹر کے ماہر نفسیات رونلڈ پائینر کے مطابق سب سے زیادہ بداخلاق اور بدتمیز نوجوان کو سمجھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ چونکہ والدین اپنا زیادہ تر وقت گھروں سے باہر گزارتے ہیں اس لیے بچوں کی تربیت کا پہلو کمزور

ہو جاتا ہے۔ انہیں اپنے والدین سے اچھے اخلاق و عادات سیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس صورت حال کا علاج یہ ہے کہ والدین کو بالکل شروع ہی میں اپنے بچوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینی چاہیے کہ وہ اس گھر میں من مانی نہیں کر سکتے اور یہی حال اس پوری دنیا کا ہے، اس لیے انہیں حدود متعین کر دینی چاہئیں۔

مصروف والدین بچوں کو بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں:

امریکی تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اپنی مصروفیات میں کھوئے ہوئے والدین اپنے بچوں کو غلط سرگرمیوں کی جانب راغب کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بی بی سی کے مطابق اس رپورٹ کے روح رواں ''یونیورسٹی آف مینیسوٹا'' کے پروفیسر کا کہنا ہے کہ خاندانی تعلقات خراب رویوں کے ساتھ مضبوطی سے منسلک ہوتے ہیں۔ مذکورہ تحقیق میں ہائی اسکول کے 12 ہزار طلباء کا جائزہ لیا گیا اور یہ بات سامنے آئی کہ جو بچے ماں باپ میں کسی ایک کے ساتھ جذباتی طور پر لگاؤ رکھتے تھے ان میں دیگر بچوں کے مقابلے میں خراب ہونے کا امکان نسبتاً ایک تہائی کم تھا۔ بالغ ہوتے ہوئے افراد کو انتہائی نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ والدین کو دن کے چار اوقات میں اپنے بچوں پر گہری نظر رکھنی چاہیے۔ ان اہم اوقات میں علی الصبح اسکول جاتے ہوئے اور اسکول سے آنے کے فوراً بعد، کھانے اور سونے کے اوقات شامل ہیں۔

ماں کی عدم توجہی سے بچے کا دماغ متاثر ہوتا ہے:

تحقیق کے بعد یہ شواہد ملے ہیں کہ اگر بہت ہی کم عمر (یعنی صرف چند ماہ کے) بچے پر اس کی ماں توجہ نہ دے تو بچے کے دماغ میں ڈوپامائن نظام کو بڑھانے والے جین تبدیل ہو جاتے ہیں۔

دماغ میں ڈوپامائن کی بے قاعدگی کا تعلق منشیات، ذہنی تناؤ اور غیر متوازن شخصیت سے جوڑا جاتا ہے جبکہ انسانوں میں یہ کیفیات اس وقت بھی پیدا ہوتی ہیں جب انہیں بچپن میں نظر انداز کیا گیا ہو۔

سانتا باربرا میں جامعہ کیلیفورنیا کے محقق وائن بریک کے مطابق ڈوپامائن سسٹم کے متاثر ہونے سے منشیات کے استعمال اور ذہنی تناؤ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مگر کچھ لوگ منشیات کا استعمال صرف اس لیے کرتے ہیں کہ اوائل عمر میں انہیں توجہ نہیں دی گئی اور وہ اپنے بچپن سے ناخوش ہوتے ہیں۔ مگر ایک خیال یہ بھی ہے کہ ماں کی ممتا سے محرومی ان کے جین پر اثر انداز ہوتی ہے اور وہ اس قسم کا برتاؤ کرتے ہیں۔

اس سے پہلے بھی جانوروں پر تجربات کیے گئے تو ثابت ہوا کہ اگر ابتدائی عمر میں بچوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو آگے چل کر کئی نفسیاتی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔

راک فیلر یونیورسٹی کے بروس مک کیون کہتے ہیں ''چوہوں پر کیے گئے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ اگر بچے کو نظر انداز کیا جائے تو اس کے جین تبدیل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ فی الحال انسانوں پر تجربات نہیں کیے گئے کہ ماں سے دوری یا نظر انداز کرنے پر اس کے دماغ کے جین میں واقعی تبدیلی آتی ہے یا نہیں۔

چوہے تقریباً سات دن تک اپنے بچوں کو قریب رکھتے ہیں۔ بریک اور ان کے محقق ساتھیوں نے چوہے کے بچوں کو ہر روز تین گھنٹے تک ماں سے دور رکھا۔ یہ عمل سات روز تک کیا گیا۔ انہوں نے دماغ کے دو اہم علاقوں میں **30,000** جین کا تجزیہ بھی کیا۔ ان میں سے ایک علاقہ ہپوکیمپس ہے جو یادداشت سے وابستہ ہے اور دوسرا، بھیجے کی بیرونی تہہ **(Preferal Cortex)** جس کا تعلق سرگرمی اور ذہنی تناؤ سے ہوتا ہے۔

تجربے سے نیورنز کے درمیان روابط بنانے والے کئی اہم جین میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو چوہوں کے بچوں کا دماغ بڑی تبدیلی سے گزر رہا ہے یا پھر اعصابی خلیات نئے انداز سے رابطے (کنکشنز) بنا رہے ہیں۔

اس ٹیم نے ڈوپامائن نظام سے وابستہ جین میں تبدیلی کو بھی نوٹ کیا۔ اگر ڈوپامائن نظام حد سے زیادہ سرگرم ہو جائے تو شیزوفیرینا جیسے مرض کی وجہ بن سکتا ہے اور اگر بے حد کم سرگرم ہو تو شدید ذہنی تناؤ کا باعث ہوتا ہے۔

اب ماہرین اپنے مطالعے کو وسیع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر مائیں بچوں پر توجہ دیں تو شاید دماغی جین میں یہ تبدیلیاں واقع نہ ہوں۔ بریک کا کہنا ہے کہ نئی ماؤں کے لیے ایسے منصوبے بنائے جائیں کہ وہ اپنے بچوں کو مکمل قربت و نگہداشت فراہم کر سکیں۔

والدین کے بارے میں مغربی بچوں کے تاثرات:

ایلٹرن (Eltern) میگزین، میونخ (جرمنی) نے ۱۹۶۰ء میں ایسے طلباء اور طالبات کا سروے کرایا جن کی عمریں ۶ سال سے ۱۶ سال کے درمیان تھیں۔ اس رپورٹ کے مطابق آج کے زمانے میں بھی اکثر وبیشتر بچے اپنے والدین کی، ان کے حسن سلوک، محبت اور خیال رکھنے کے باعث، تعریف وتوصیف کرتے ہیں۔

بچے اپنے والدین کی جن خصوصیات کو حد درجہ پسند کرتے ہیں وہ والدین کا خوش معاملگی کا سلوک ہے۔ بچوں کی غلطیوں اور ناکامیوں کے باوجود بھی اسی رپورٹ کے مطابق گیارہ فی صد بچے ایسے بھی تھے جنہیں اپنے والدین میں کوئی قابل تعریف خوبیاں نظر نہ آئیں۔

ایک ۱۳ سالہ طالبہ نے اپنے والدین کے بارے میں اپنے تاثرات دو جملوں میں کہے۔

"جب بھی میں مغموم وملول ہوتی ہوں وہ میرے پاس موجود ہوتے ہیں۔ ان کا یہ جذبہ قابل تحسین ہے"۔

ایک دوسری ۱۳ سالہ طالبہ نے کہا کہ مجھے اس بات سے بڑی ڈھارس رہتی ہے کہ میرے والدین بڑی توجہ سے میری بات سنتے ہیں۔ اس سے مجھے بڑی تقویت ملتی ہے وہ ہمیشہ مجھ سے کہتے ہیں "اچھا اب ہمیں پوری تفصیل سے سناؤ۔ ہم غور سے تمہاری باتیں سن رہے ہیں"۔ اور حقیقتاً وہ جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔

ایک اور گیارہ سالہ لڑکی نے بتایا کہ:

"اس کے والدین کے پاس اس کے لیے ہمیشہ وقت اور فرصت ہوتی ہے۔ سوائے اس وقت کے جب ٹیلی وژن پر کھیلوں کے بارے میں کوئی پروگرام آرہا ہو۔ اس وقت میرے ابو کہتے ہیں "اس وقت بالکل نہیں"۔

ایک ۱۴ سالہ بچے نے کہا:

"میں اس بات کو خاص اہمیت دیتا اور قدر کرتا ہوں کہ میرے والدین

آپس میں لڑائی جھگڑا نہیں کرتے یا کم از کم اس وقت نہیں کرتے جب میں ان کے آس پاس ہی کہیں موجود ہوں۔ ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا نہ کرنا عموماً بوڑھے شادی شدہ جوڑوں میں شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ میاں بیوی کی یہ عادت محبت کو ختم کر دیتی ہے"۔

ایک بارہ سالہ لڑکی کو اس کے والدین کی یہ خوبی بہت پسند ہے کہ:

"انہیں بے حد معلومات ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ بہت سے ذہنی اور معلوماتی معمے حل کرتے رہتے ہیں۔"

ایک ۷ سالہ بچی کو یہ بات بے حد پسند ہے کہ:

"اس کے والدین کو جادوئی کرتب آتے ہیں" "جب بھی ہمارے گھر ملنے والے آتے ہیں تو میرے والدین انہیں جادوئی کمالات بتاتے ہیں جسے سب بے حد پسند کرتے ہیں اور اس وقت تو اور بھی مزہ آتا ہے جب میری امی اپنے کرتب دکھا رہی ہوتی ہیں تو بیچ میں میرے ابو آ ٹپکتے ہیں"۔

ایک نو سالہ طالبہ کی نظر میں اپنے والدین کی یہ خوبی سرفہرست ہے کہ:

"دونوں نے ہم بچوں کی کبھی پٹائی نہیں کی"۔

ایک ۱۴ سالہ بچہ اس بات سے بے حد متاثر ہے کہ:"

اس کے والدین نے اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑا، بلکہ وہ تو میرے ساتھ بہت صبر و تحمل کا سلوک کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہوم ورک کرنے میں بھی مدد دیتے ہیں"۔

ایک اور بچہ کہتا ہے:

"میرے نزدیک میرے والدین کا صبر و تحمل کا سلوک بے حد قابل تعریف ہے جس پر میں تعجب کرتا ہوں۔ یہ ان کا ہی دل گردہ ہے کہ مجھے برداشت کیے جا رہے ہیں۔"

موضوع نمبر ۳۴

خنزیر کا گوشت اور جدید سائنسی تحقیقات

اسلام میں خنزیر کے گوشت کی ممانعت:

ساڑھے چودہ سو سال قبل قرآن حکیم نے جن چیزوں کو انسانیت کے لیے ممنوع اور حرام قرار دیا تھا آج جدید سائنس عقل وخرد کی بنیاد پر ان کے مضر اثرات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے حرام کردہ چیزوں میں شفاء نہیں رکھی۔" (بخاری شریف)

قرآن مجید نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے وہ محض رسول اللہ ﷺ کا ذاتی فیصلہ نہ تھا بلکہ خداوند قدوس کا ہی فیصلہ تھا جو سرور کائنات ﷺ کی معرفت سے ہم تک پہنچا۔ صدیاں گزرنے کے بعد آج سائنس ان فیصلوں کی تائید کر رہی ہے حالانکہ غیر مسلم دانشوروں کی کوشش رہی ہے کہ وہ قرآنی فیصلوں کو سائنس اور منطق کی رو سے غلط قرار دیں تاکہ انہیں مسلمانوں کی تذلیل کا موقع ملے مگر انہیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی بلکہ مغربی دانشور اور سائنسدان یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جو چیز قرآن مجید اور پیغمبر اسلام ﷺ نے حرام قرار دی ہے۔ وہ انسانیت کی فلاح کی نہ صرف وجہ قرار دی جاسکتی ہیں بلکہ فی الواقع یہ حرام کردہ اشیاء انسانی صحت وتندرستی کے لیے بھی مضر اور جان لیوا ہیں۔

سورۃ المائدہ میں ایک مقام پر فرمایا ہے:

"تم پر حرام قرار دیا گیا مردار اور خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جسے غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو۔ وہ جو گلا گھٹ کر مرا ہو، جو چوٹ کھا کر مرا ہو، جو بلندی سے گر کر مرا ہو، جو سینگ لگ کر مرا ہو، جسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو، بجز اس کے جسے تم نے ذبح کرلیا ہو اور وہ جو

کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔''

مذکورہ آیت کی روشنی میں اگر تمام پہلوؤں پر بحث کی جائے تو بات طویل ہو جائے گی۔ مختصراً اہم جدید طب کی روشنی میں صرف خنزیر کے گوشت پر بحث کریں گے۔ ایک ماں اگر کسی دن تیز مرچ مسالے کا سالن کھا لے تو اس کا دودھ پیتا بچہ بلبلانے اور رونے لگتا ہے تو کیا وہ جانور جس کی مرغوب غذا مردار نجاست اور کوڑا کرکٹ ہو اس کا کھانا اچھی صحت کی ضمانت دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی لیے اسلام کی تعلیمات میں سور کے گوشت کو حرام قرار دینے کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ انجیل اور تورات میں بھی واضح طور پر اسے حرام کہا گیا ہے۔

حلال وحرام جانور:

کوئی حلال جانور قریب الموت ہو اور اس کی زندگی میں شبہ ہو تو اسے ذبح کیا جائے۔ اگر اس سے خون نکلے یا وہ پھڑکے تو حلال ہے اور اگر خون نہ نکلے یا وہ پھڑکے نہیں تو مردار اور حرام ہے۔

بنیادی طور پر تمام جانور تین قسم کے ہیں۔

(۱) آبی جانور۔

(۲) خشکی کے جانور۔

(۳) اور پرندے۔

(۱) آبی جانوروں میں صرف مچھلی (اپنی تمام قسموں سمیت) حلال ہے باقی تمام جانور حرام ہیں۔ حتیٰ کہ مچھلی بھی خود مر کر پانی میں الٹی تیرے تو ایسی مچھلی بھی حرام ہے۔ اتنی چھوٹی مچھلی جس سے چھلکا وغیرہ جدا کرنا ممکن نہ ہو وہ مکروہ تحریمی ہے۔ جو علماء جھینگے کو مچھلی سمجھتے ہیں وہ اسے حلال بتاتے ہیں اور جو علماء اسے مچھلی نہیں سمجھتے وہ اسے حرام بتاتے ہیں۔

(۲) خشکی کے جانور تین قسم کے ہیں:

1۔ جن میں خون بالکل نہیں ہوتا۔ جیسے مکھی، مچھر، تتلی، بھونرا، جونک، جھینگر، مکڑی، بچھو، چیونٹی، دیمک، جوں، جگنو، جھینگر، بیر بہوٹی وغیرہ یہ سب حرام ہیں لیکن اسی گروہ میں سے صرف ٹڈی بغیر ذبح کیے بھی حلال ہے۔

2۔ جن جانوروں میں خون موجود تو ہے لیکن بہتا ہوا نہیں جیسے سانپ، گرگٹ، اور چھپکلی، وغیرہ یہ تمام جانور حرام ہیں۔

3۔ جن جانوروں کے بدن میں بہتا ہوا خون موجود ہو ان کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

ا۔ جن جانوروں کو نبی کریم ﷺ نے نام لے کر حرام فرمایا جیسے پالتو گدھا، کوہ اور خنزیر وغیرہ یہ سب حرام ہیں۔

(نوٹ) ''کوہ'' بتدائے اسلام میں حلال جانور تھا اسی وجہ سے احادیث میں صحابہ کرام کا اس کو کھانے کا ذکر ملتا ہے لیکن بعد میں اس کو حرام قرار دے دیا گیا لہذا اب یہ جانور حرام ہے۔

۲۔ جو جانور زمین کے اندر بل بنا کر رہتے ہیں وہ سب حرام ہیں جیسے خرگوش، چوہا، چھچھوندر، نیولا وغیرہ، لیکن اس گروہ میں صرف خرگوش حلال ہے

۳۔ جو درندے دانتوں سے چیر پھاڑ اور شکار کرتے ہیں۔ وہ سب حرام ہیں۔ جیسے شیر، بھیڑیا، ہاتھی، گیدڑ، بندر، لنگور، لومڑی، بلی، کتا، ریچھ، چیتا، سیہ، بجو، تیندوا وغیرہ۔

۴۔ وہ جانور جن میں بہتا ہوا خون موجود ہو۔ اور وہ گھاس دانہ کھاتے ہوں۔ دانتوں سے چیر پھاڑ اور شکار نہ کرتے ہوں۔ خواہ پالتو ہوں یا جنگلی ہوں یہ سب حلال ہیں جیسے اونٹ، بکری، گائے، گھوڑا، دنبہ، بھینس، نیل گائے، جنگلی گدھا، ہرن، بارہ سنگا وغیرہ البتہ جنگی ضروریات کی وجہ سے گھوڑے کو کھانا مکروہ تنزیہی بتایا گیا ہے۔ اگرچہ حلال ہے۔

۲۔ پرندے: وہ پرندے جو کہ پنجوں سے چیر پھاڑ اور شکار نہیں کرتے۔ اور دانہ چگتے ہیں۔ حلال ہیں جیسے چکور، بٹیر، تیتر، مرغ، بطخ، چڑیا، بگلا، فاختہ، مینا، مرغابی، ممولا، بلبل، مور، چکوی، لقلق، شتر مرغ، قمری وغیرہ۔

۲۔ جن مخلوط النسل جانوروں کے ماں باپ میں ایک حلال جانور ہو اور دوسرا حرام ہو تو اس میں ماں کو دیکھا جائے گا۔ اگر ماں حلال ہو تو بچہ بھی حلال جانور ہوگا، اگر ماں حرام ہو تو بچہ بھی حرام ہوگا جیسے خچر کا باپ گھوڑا اور ماں گدھی ہے جس کی وجہ سے خچر حرام ہے۔

۷۔ حلال جانوروں کے سات اعضاء کا کھانا حرام ہے:

1۔ بہتا ہوا خون۔ 2۔ ذکر۔ 3۔ فروج 4۔ خصیے۔ 5۔ غدود۔ 6۔ مثانہ۔ 7۔ پتّا

۸۔ کوئی حلال جانور قریب الموت ہو اور اس کی زندگی میں شبہ ہو تو اسے ذبح کیا جائے۔ اگر اس سے خون نکلا یا وہ پھڑکے تو حلال ہے۔ لیکن جب اس سے خون نہیں نکلا یا اس کو ذبح کرنے پر حرکت نہیں ہوئی تو وہ مردار اور حرام ہے۔

۹۔ وہ حلال جانور جو گندگی کھانے کے عادی ہو جائیں ان کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ انہیں ذبح سے پہلے کچھ دن بند رکھنا مستحب ہے تاکہ انہیں صاف غذا دی جائے اور انکے گوشت کی بدبو ختم ہو سکے۔ مرغی کے لیے تین دن، بکری کے لیے چار دن اور گائے اونٹ کے لیے دس دن تک بند رکھنا مستحب ہے۔ (از۔ قاضی سراج الدین نعمانی)

ہم سور کا گوشت کیوں نہیں کھاتے ہیں:

منظور احمد بھٹی صاحب نے مذہب اسلام میں سور کے گوشت کی ممانعت کو ثابت کرتے ہوئے اپنے نظریات تحریر کیے ہیں جو آپ کے ذوق کی تسکین کا باعث ہوں گے۔

بہت عرصہ ہوا میں نے ایک پاکستانی اخبار یا رسالے میں پڑھا ایک صاحب فرما رہے تھے کہ ہمارے یورپ پلٹ دوست وہاں اپنے شراب پینے کے قصے تو بڑے مزے سے سناتے ہیں مگر سور کا ذکر نہیں کرتے۔ چند سال پہلے ہمارے دوست ارشد صاحب گوتھن برگ (GothenBurg) یونیورسٹی میں ریسرچ کے لیے آئے۔ ہاسٹل میں رہتے تھے کچن کمائنڈ تھا کچھ مشرقی یورپ کے طلباء بھی رہتے۔ تھے کہنے لگے یہ مجھ سے پوچھتے ہیں تم سور کا گوشت کیوں نہیں کھاتے؟

جب میں ان کو جواب دیتا ہوں کہ ہمارے مذہب میں حرام ہے تو ان کے ذہن میں یہ حرام حلال والی بات نہیں آتی۔ اسی طرح یورپ میں آنے والے اکثر طلباء اور عام مسلمان اگر بس ٹرین یا ہوائی جہاز میں سفر کر رہے ہوں یا ریسٹورنٹ میں کسی سے ملاقات ہو جائے تو باتوں باتوں میں یہ ضرور پوچھتے ہیں پاکستان میں سیلاب کیوں آتے ہیں؟

میں جواب دیتا ہوں کہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ پاکستان ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے۔ سردیوں میں پہاڑوں پر بہت برف پڑتی ہے۔ گرمیوں میں جب یہ برف پگھلتی ہے تو ہمارے دریاں اور نہریں اس پانی سے بھر جاتے ہیں جب مون سون کی بارشیں ہوتی ہیں

تو ان بارشوں کے زائد پانی کے لیے دریاؤں میں جگہ نہیں ہوتی اور اگر یہ بارشیں بہت زیادہ ہوں تو دریاؤں میں طغیانی آ جاتی ہے جو کہ سیلاب کا سبب بنتی ہے۔ میرے اس جواب سے اکثر لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں مگر سور کے حرام ہونے والی بات ان کے سمجھ میں نہیں آتی۔

اگر یہ کہیں کہ سور مردار کھانے والا جانور ہے اور مردار کھانے والے جانور یورپ والے بھی نہیں کھاتے سوائے سور کے تو جواب ملتا ہے۔ سور تو آج کل فارم میں پرورش پاتا ہے اور اسے صحت مند چارہ مہیا کیا جاتا ہے مصر کے ایک ڈاکٹر نے بھی یہی کہا تھا کہ سور اب حرام نہیں رہا کیونکہ اس کو صاف ستھرا چارہ مہیا کیا جاتا ہے لیکن کیا کسی جانور کی جبلت بدل سکتی ہے؟ اس کا ایک جواب نہیں کئی جواب ہیں۔

آپ کو اپنے تجربات اور ایسے واقعات جو یورپ میں پیش آئے جن کا تعلق سور کے گوشت سے تھا وہ آپ تک پہنچا دوں تاکہ آپ کسی غلط فہمی میں نہ رہیں اور یہ کہ سور کے گوشت اور اسکے اوصاف کے بارے میں آپ کو مزید معلومات حاصل ہو جائیں۔ سب سے پہلے ہم اسے مذہبی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے چھٹے پارے کی سورۃ مائدہ آیت نمبر۲ میں بیان فرمایا:

"حرمت علیکم المیتة الدم ولحم الخنز"

ترجمہ۔ "تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت۔"

اسی سورۃ میں آیت نمبر ۹۵ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

"احل لکم صید البحر وطعامه"

ترجمہ۔ "تمہارے لیے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے۔"

یہودی اور عیسائیوں کا ایک فرقہ **Adventist** بھی اسے حرام قرار دیتے ہیں جو جولائی 1978 میں سویڈن کے ایک بڑے اخبار گوتھن برگ پوسٹ نے ایک دفعہ سرخی لگائی کہ ۳۳ فیصد سور کا گوشت ناقص اور بیماری پیدا کرنے والا ہے اسی سال ٹیلی ویژن پر دکھایا گیا کہ سور کے پھیپھڑے سو فیصد بیمار پائے گئے ہیں سور سب جانوروں سے زیادہ بیمار رہنے والا جانور ہے۔

ایک دفعہ ہمارے ساتھ چلی (جنوبی امریکہ کے ایک ملک) کا رہنے والا ایک آدمی

کام کرتا تھا اس کا نام سیسر Ceser تھا۔ جب اسے پتا چلا کہ ہم دو تین آدمی سور کا گوشت نہیں کھاتے تو اس نے کہا کہ مجھے بھی ڈاکٹر نے سور کا گوشت کھانے سے منع کیا ہوا ہے۔ کیونکہ میرے پیٹ میں السر (آنتوں کی بیماری) ہے۔ اس کے علاوہ اس نے بتایا کہ ہمارے ملک چلی میں گرمیوں میں سور کا گوشت بیچنا قانوناً منع ہے کیونکہ اس کے کھانے سے اس قسم کا بخار ہوتا ہے کہ آدمی مر جاتا ہے۔

یہ 1978ء کا ذکر ہے جب میں Svenerikson tecnical collegeboras میں پڑھتا تھا۔ یاد رہے کہ سویڈن اور یورپ کے اکثر ملکوں میں ایک وقت کا کھانا پینا کالج لیول تک مفت ملتا ہے میں نے اپنے لیے سبزی خور Vegeterian لکھوایا تھا۔ اس لیے میرا کھانا الگ آتا تھا اکثر کلاس فیلو پوچھتے تھے کہ تم صرف سبزی کیوں کھاتے ہو۔ میں کہتا تھا کہ چونکہ یہاں زیادہ تر سور کا گوشت پکتا ہے اس لیے میں نے اپنے لیے مچھلی اور سبزی ہوا ہے جو وہ مجھ سے پوچھتے کہ تم سور کیوں نہیں کھاتے؟

میں ان سے سوال کرتا کہ آپ لوگ کتا کیوں نہیں کھاتے۔ وہ کہتے کہ اچھا تو تم کتا کھالیتے ہو۔ میں جوب دیتا کہ نہیں میں کتا نہیں کھاتا مگر ہمارے چینی اور کوریائی بھائی کتے کا گوشت کھاتے ہیں۔ کتا مردار کھانے والا جانور ہے اس لیے تم لوگ نہیں کھاتے۔ سور بھی مردار کھانے والا جانور ہے، مردار کھانے والے جانوروں میں سے صرف آپ لوگوں نے سور کو ہی چنا بقیہ مردار کھانے والے جانور آپ لوگ بھی نہیں کھاتے۔ نئی بائبل میں ہے کہ جو گوشت مارکیٹ میں بک رہا ہے اسے تم خرید سکتے ہو اور کھا سکتے ہو اس لیے عیسائی دنیا اسے کھانے سے عار نہیں سمجھتی۔ حالانکہ کتے کا گوشت سور کے گوشت سے صاف ہے۔

چند سمجھ دار لڑکوں نے لیکچرار (استاد) سے پوچھا کہ کیا کتے کا گوشت سور کے گوشت سے صاف ہے تو ٹیچر نے کہا کہ یہ بالکل صحیح ہے۔ لڑکوں نے کہا کہ کیا ہم سور کھانا چھوڑ دیں، ٹیچر نے جواب دیا یہ فیصلہ کرنا آپ لوگوں کا کام ہے۔ جس سوال کا جواب آپ نے مانگا وہ میں نے دے دیا ہے۔

ایک دفعہ ایک سویڈش آدمی کیفے میں آیا۔ احوال پوچھنے کے بعد مجھ سے سوال کرتا ہے کیا تم مسلمان ہو، میں نے کہا ہاں میں مسلمان ہوں۔

کہتا ہے ''میں نے اس لیے پوچھا کہ مجھ میں اور تم میں ایک بات مشترک ہے۔''

میں نے پوچھا کیا، کہنے لگا ”تم سور کا گوشت نہیں کھاتے اور میں نے جس دن سے یہ پڑھا کہ سور کو پسینہ نہیں آتا اس دن سے سور کا گوشت کھانا چھوڑ دیا ہے۔ اس کا پسینہ جلد کے اندر ہی رہتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ لوگ اس کے پائے وغیرہ کیسے کھا لیتے ہیں میں اتنا عرصہ بغیر تحقیق کیے سور کا گوشت کھاتا رہا۔ پسینہ نہ نکلنے کی وجہ سے سور کا گوشت بہت پانی والا اور بدبودار ہوتا ہے۔ سور کو سب سے زیادہ بیماریاں لگنے کی وجہ بھی یہ ہے کہ اسے پسینہ نہیں آتا“۔

ایک دفعہ بیالوجی کی کتاب میں ایک چھوٹی بچی کی ننگی تصویر تھی اور بچی کے سارے جسم پر سرخ سرخ دانے نکلے ہوئے تھے ساتھ ایک سور اور چوہے کی تصویر تھی سور چوہے کو پکڑ رہا تھا یعنی اگر سور نے چوہا کھایا اور ہم اس سور کا گوشت کھائیں گے تو اس کی بیماری انسان کو لگ جاتی ہے۔

ایک دفعہ مقامی اخبار **Borastidning** بوروس تدنگ نے لکھا کہ ایک عورت کے نومولود بچے کو ماں کے پیٹ میں عجیب بیماری لگ گئی۔ ڈاکٹروں نے کہا تم نے سور کا گوشت کچا تو نہیں کھایا اس نے کہا ”میں نے حمل کے دوران کچا قیمہ چکھا تھا جس وقت میں کوفتے بنا رہی تھی“۔

سور میں سونگھنے کی قوت بہت زیادہ ہے اس لیے وہ چوہے کو بہت جلد سونگھ لیتا ہے اور پکڑ کر کھا جاتا ہے۔ جرمنی میں ایک پولیس والے نے ایک سور کو منشیات کا کھوج لگانے کے لیے تربیت دی تھی۔ وہ اتنا اچھا ثابت ہوا کہ اسے باقاعدہ پولیس میں بھرتی کیا گیا جب زیادہ عمر کی وجہ سے ریٹائر ہوا تو دنیا بھر کے اخبارات اور ٹیلی ویژن میں اس کا چرچا ہوا۔ اس کو باقاعدہ پنشن دی گئی اس طرح سرکاری کتوں (یعنی پولیس کے) کتوں کو بھی ریٹائرمنٹ پر پینشن باقاعدہ ملتی ہے۔

خنزیر پر جدید سائنسی تحقیقی ادارے پریونٹو اینڈ سوشل میڈیسن کی ریسرچ:

جدید سائنسی تحقیقاتی ادارے (پریونٹو اینڈ سوشل میڈیسن) نے ثابت کیا ہے کہ عام طور پر دوسرے جانوروں کے ذبیحے کے بعد جس قدر یورک ایسڈ خارج ہوتا ہے خنزیر کے

خون میں موجود یہ فاسد مادہ اس طرح خارج نہیں ہوتا۔ خنزیر کے جسم سے یورک ایسڈ صرف دو فیصد ہی خارج ہوتا ہے کیونکہ اس کے عضلات کی ساخت کچھ اس قسم کی ہوتی ہے کے یورک ایسڈ کا 98 فیصد حصہ اس کے جسم کا جز بنا رہتا ہے۔ جن لوگوں کے جسم میں یورک ایسڈ کی مقدار زیادہ ہو وہ جوڑوں کے درد میں مبتلا رہتے ہیں۔

چنانچہ یورپ میں مشاہدہ کیا گیا ہے کہ سور کا گوشت کھانے والے جوڑوں کے درد (وجع المفاصل) زہریلی جراثیمی پیچش، آنتوں کی سوزش، اعصابی کمزوری، مرگی مالیخولیا، بخار اور خون کی کمی جیسے امراض کا زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ خنزیر کے گوشت میں موجود جراثیم خوب پکانے اور ابالنے کے باوجود بھی نہیں مرتے اور جگر، معدہ، اعصاب اور دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔

سور کے گوشت میں موجود جراثیم چربی میں بھی زیادہ ہوتے ہیں جس کے کھانے سے خون میں کولیسٹرول کی مقدار بڑھ جاتی ہے جو شریانوں کو تنگ کر کے فالج اور امراض قلب کا باعث بنتا ہے۔ اس طرح اس حرام گوشت سے اندھا پن اور پاگل پن کا مرض بھی لاحق ہو جاتا ہے۔

سائنسی تجربات نے ثابت کیا ہے کہ سور کا گوشت کھانے سے وہ تمام بیماریاں انسانی جسم میں منتقل ہو جاتی ہیں جو سور میں پائی جاتی ہیں سائنسدانوں کے مطابق سور کو دل کا دورہ پڑتا ہے بلڈ پریشر زیادہ ہوتا ہے۔ چیچک اور آنتوں کی بیماریاں اسے زیادہ لاحق رہتی ہیں اور اس کے گوشت میں طفیلی کیڑے زیادہ ہوتے ہیں۔ خصوصاً آنتوں اور جگر میں پلنے والا ایک خطرناک طفیلی جرثومہ **Buski. Fasclolopsis** سور اور کتے میں پایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے پیٹ کا درد، اسہال اور عموماً موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔

سائنسدان کہتے ہیں کہ کتے اور سور کے قریب رہنے سے بھی یہ جراثیم انسانی جسم میں منتقل ہو سکتے ہیں۔ خنزیر کی چربی میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ دیگر جانوروں کے برعکس انسانی جسم میں پگھلتی نہیں ہے بلکہ موجود رہتی ہے۔

ڈاکٹر گلینڈ شیفرڈ Glendshepherd کا خنزیر پر طبی تجزیہ:

ڈاکٹر صاحب خنزیر کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
امریکہ اور کینیڈا کے خنزیر کا گوشت کھانے والوں میں سے ہر چھ میں سے ایک فرد کے پٹھے ٹریچیناسس (Trichincsis) سے متاثرہ ہیں۔ بیشتر لوگوں میں جوان (جراثیموں) سے متاثر ہیں۔ان میں علامات مرض نہیں ہوتیں۔اکثر ان میں سے مرجاتے ہیں، اور کچھ ان میں سے مستقل طور پر بے کار ہو جاتے ہیں۔
آگے چل کر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

No one is Immune from this disease and their is no cure, neither antibiotics nor drugs affect these tiny deadly worms. Ordinary Wethodss of salf ting and smoking do not kill those womrs. Freventig ingection is the real answer.

ترجمہ۔کوئی بھی شخص اس بیماری سے محفوظ نہیں ہے۔اور نہ ہی اس کا کوئی علاج ہے نہ تو جڑی بوٹیاں اور نہ ہی جراثیم کش ادویات ان ننھے مہلک جراثیموں پر کارگر ہیں۔حفظ ماتقدم اور احتیاطی تدابیر ہی اس کا اصل اور درست حل ہیں۔

بحوالہ **(Hallal Meat M. Samee.Ul .Allah Page 44)**

سور میں موجود کیڑوں کی انسانی جسم میں منتقلی:

جدید طبی تحقیق کے مطابق عام طفیلیات (Parasitology) میں تین کیڑے موجود ہوتے ہیں جو انسانوں اور سؤروں کے اندر یکساں قسم کی بیماریاں پیدا کرتی ہیں وہ یہ ہیں۔

1. Protozoan Ciliate or Balantindium Coli.

2. Pork Tape Worm.

3. Trichina Round Worm.

4. (Puerto Rico)

5. Balantindium Coli or Protozoan Ciliate.

یہ ایک ایسا طفیلی کیڑا ہے جو سؤر کے آنتوں میں رہتا ہے اور گوبر کے ساتھ باہر نکل آنے کے بعد اپنی گرد خول بنالیتا ہے، آگے چل کر یہ خول جس کے اندر طفیلی کیڑا موجود ہوتا ہے کسی نہ کسی طرح کھانے کی اشیاء کے ذریعے لوگوں کی آنتوں میں پہنچ جاتا ہے۔اس کیڑے کا سراغ پہلی بار ڈاکٹر مسٹن نے ۱۸۵۷ء نے اور ڈاکٹر اسٹین ۱۸۶۲ء نے لگایا تھا۔

ڈاکٹر (E.A Widmed) ای اے وڈمر ایک مضمون میں لکھتا ہے

پروٹوزوئن سیلی ایٹ (Protozoan Ciliate) جسے ڈاکٹر اپنی اصطلاح میں بہت بیلٹن ڈیم کولی (Balantindium Coli) کہتے ہیں سوروں میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔متعدد ملکوں میں کی گئی تحقیقات کے مطابق سوروں میں یہ کیڑا ۱۲٪ سے ۱۰۰٪ تک موجود ہوتا ہے۔البتہ انسانوں میں اس کی تعداد کم ہوتی ہے، یعنی پورٹو ریکو (Puerto Rico) میں تحقیقات کے مطابق ۱۰٪ ہے لیکن جب یہ انسانوں میں داخل ہوتا ہے تو بیماری کی نشانیاں کافی واضح ہوتی ہے۔

جدید تحقیقات کے مطابق اس بیماری کے کیڑے کا اصل سور ہوتے ہیں۔بدقسمتی سے Balantindium Coli کی پیدا کردہ پیچش کا کوئی خاص علاج اب تک تیار نہیں ہوسکا ہے۔

ڈاکٹر کینڈلر (Dr.Chandler) اپنی کتاب nal Parasities and Huma Desease کے صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں۔یہ پیچش ان ملکوں میں زیادہ پائی جاتی ہے جہاں سوروں کو باقاعدہ گوشت کے لیے پالا جاتا ہے۔اس کے علاوہ بھی بیماریاں پیدا کرنے والے کیڑے ہیں جو سوروں سے انسانوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔جیسے Trichinella Worm "Trichinella Spiralis"

امریکا اور کنیڈا میں چھ میں سے ایک فرد کے مشتوں Shephered میں کیڑے دیکھے گئے ہیں جو سور کا ایسے گوشت کھانے سے پیدا ہوتے ہیں جس میں

(Trichinosis) یا کیڑوں کا اثر ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں پر اس کا اثر کم ہوتا ہے۔ لیکن کچھ لوگ موت کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے ان چھوٹے کیڑوں پر اینٹی بایوٹکس یا ٹیکوں یا مختلف دواؤں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اسلام کی مناہیات دین اور عقلی طور پر ہی نہیں۔ بلکہ سائنسی طور پر بھی مفید ہے۔ ڈاکٹر سید خالد غزنوی اپنے مقالہ میں ایک نومسلم کے تاثرات بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں میں اسلام کو اس لیے نہیں مانتا کہ میرے والد مسلمان تھے یا میرے بزرگوں میں سے بعض حضرات کی دینی حیثیت شہرت دوام کا باعث بنی۔ میں اسلام کو اس لیے مانتا ہوں کہ میں نے دنیا کے سبھی مذاہب کا مطالعہ کیا ہے اور ان میں سے آخر مجھے اسلام ہی قبول کرنا پڑا۔ کیوں کہ یہی وہ واحد مذہب ہے جس میں سے کسے غلطی یا غلط بیانی کو تلاش کرنے والے چودہ سو سال سے ناکامی کا منہ دیکھ رہے ہیں

مسلمانوں پر تنگ نظری اور وہمی ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں پر سینکڑوں چیزوں کو حرام کر دیا ہے اور مسلمان ہر وقت حلال وحرام کے چکر میں پھنس کر ذہنی الجھنوں کا شکار رہتے ہیں لیکن آج میں یہ ثابت کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام کے مناہیات دینی اور عقلی طور پر ہی نہیں بلکہ طبی اور سائنسی طور پر بھی مکمل اور مفید ہیں۔

جرمن سائنس دانوں نے معلوم کیا ہے کہ سور کے گوشت میں موجود ایک طفیلی کیڑا (Paxasite) گوشت اور جوڑوں کی بیماری پیدا کرتا ہے۔ سور کھانے والی اقوام کا تفصیلی معائنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ہڈیوں اور جوڑوں کی بیسوں امراض ایسی پائی جاتی ہیں جو مسلمانوں میں نہیں ہوتیں یہ جانور خواہ کتنا ہی صحت مند کیوں نہ ہو اس کے گوشت کو جیسے بھی چاہیں استعمال سے پہلے ٹیسٹ کر لیں۔ لیکن یہ اس کے باوجود کھانے والے کی صحت کے لیے مضر ہوتا ہے۔

خنزیر کے گوشت سے پیدا ہونے والی بیماریاں:

طبعی لحاظ سے خنزیر کا گوشت کئی بیماریوں کو جنم دیتا ہے جن میں چند ایک یہ ہیں:

۱۔ مرگی:

خنزیر کے گوشت میں ایک کیڑا ہوتا ہے جسے ٹیپیا سولیم (Taenia Solium) کہتے ہیں۔ یہ کیڑا انتڑیوں اور خون میں سے ہوتا ہوا دماغ میں پہنچتا ہے اور اس سے مرگی کے دورے پڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔

خنزیر کے گوشت میں ایک اور کیڑا ہوتا ہے جسے (Trichinella Spiralis) کہتے ہیں۔ اس کے بچے (Larvae) انسانوں کی انتڑیوں میں سے ہوتے ہوئے عضلات اور دماغ میں پہنچ کر سوزش پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے عضلات میں ناقابل برداشت درد ہوتا ہے اور مرگی کے دورے پڑنے لگ جاتے ہیں۔

۲۔ چربی کی زیادتی:

خنزیر کے گوشت میں تمام جانوروں سے زیادہ چربی ہوتی ہے اور خون میں کولیسٹرول کے اضافے کا سبب بنتی ہے اس کے برے اثرات کا ذکر بالتفصیل کیا جا چکا ہے۔

۳۔ سرطان (Cancer) کی مختلف قسم کی بیماریاں:

آج کل غیر ملکی مستند طبی رسالوں میں یہ بحث جاری ہے کہ سؤر کے گوشت سے ان بیماریوں کا تعلق ہے اس پر مزید تحقیق ہو رہی ہے۔

۴۔ شکر فولاد کی شکایت:

سور کا گوشت کھانے والے کو مرض شکر افولاد (خنازیر) اور ٹی نیا سولیم کی نسبتاً زیادہ شکایت ہو جاتی ہے، اور مرض ٹری کائی نوس بھی ہو جاتا ہے کیوں کہ سور کے گوشت میں ٹری کائی ایک قسم کے نہایت باریک کرم پائے جاتے ہیں اور اس کا گوشت کھانے سے جب وہ کرم جسم انسانی میں چلے جاتے ہیں تو ان کی خراش اور سمیت (زہریلا) سے مرض مذکورہ ہو

جاتا ہے۔اس مرض کی علامات ایسی ہوتی ہیں جیسے کہ مرض ہیضہ یا زہر سنکھیا کی اور جب یہ کرم عضلات میں چلے جاتے ہیں تو ان میں شدید درد ہونے لگتا ہے اور بعض اوقات فالج وغیرہ ہو جاتا ہے اور جن انسانی جسم میں ان کرموں کی وجہ سے زیادتی ہو جائے۔تو پھر موت یقینی ہو جاتی ہے۔

۵۔خون کی کمی کی شکایت:

یہ کیڑے خنزیروں کے ذریعے انسانوں میں پھیلتے ہیں۔اس سے خون کی کمی کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔علاوہ ازیں اس کے ذریعے جلد اور معدہ کے کئی امراض بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔Faciolophis Buski ایک ایسا طفیلی کیڑا ہے جسے پہلی مرتبہ لینکاسٹر (Lankaster 1857) (Odliver 1902) نامی سائنسدانوں نے دریافت کیا تھا۔یہ کیڑا خنزیر کی آنتوں میں پرورش پاتا ہے۔یہاں سے نکل کر وہ پانی میں گھونگوں کے کیڑوں کو متاثر کرتا ہے۔بعد میں یہ کیڑا انسانوں کو متاثر کرتا ہے۔یہ مرض چین میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

۶۔پیراسائٹ انفیکشن کی شکایت:

خنزیر ایک غلیظ جانور ہے۔یہ ہمہ خور حیوان ہے جو ہر چیز کھا جاتا ہے بہت سی بیماریاں خنزیر سے انسان تک منتقل ہوتی ہے۔ بالخصوص ''پیرا سائیٹ انفیسٹیشن'' (Parasite Infestation) جدید تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ یہ بڑھاپے کا سبب ہے۔کہن سالی، دل ،دماغ کی شریانوں کے اندرونی حصے کی سختی جسے ''اتھروسلیر سیزز'' (Athrosclerosis) کہا جاتا ہے سے موسوم کی جاتی ہے جب ان شریانوں میں مادہ منجمد ہو جاتا ہے۔تو اس سے ذیل کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں ''کرونا ری تھروبز'' (Coronry Thrombosis) یا ہارٹ اٹیک (Heart Attact) کیریبل تھروبز (Cerebal Thrombosis) یا سٹروک (Stroke) مقرر غذا کے مختلف عناصر بھی اتھروسلیر وسلیر سیزز

(Atherosclerosis) کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ خرگوش کے اندر گراس ایلتھر وما (Gross Altheroma) نامی بیماری پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر اس کو کولسٹرڈ (Cholesterol) کے ساتھ ملا کر کھلایا جائے لیکن اگر آپ کو کولسٹرڈ کے ساتھ سؤر کی چربی بھی ملا دیں تو ایلتھر وما (Altheroma) اور مائیوکارڈیل (Myocar Dial) نامی بیماری کا اثر ہوجاتا ہے۔

۷۔ ٹریکی نوسس کا مریض:

ٹریکی نوسس Trichinosis ایک ایسا مرض ہے جو ایک چھوٹے سے ٹریکی نیلا اسپائیرس (Trichinella Spiralis) نامی کیڑے کے حملہ سے پیدا ہوتا ہے۔ انسانوں میں یہ مرض سؤر کے ایسا گوشت کھانے سے پیدا ہوتا ہے جسے اچھی طرح پکایا نہ گیا ہو۔ کیوں کہ گوشت میں کیڑے کے لاروے مضبوط خولوں میں بند موجود ہوتے ہیں۔ ان خولوں کی بیرونی دیوار معدہ اور چھوٹی آنت میں گل جاتی ہے اور لاروے آزاد ہوکر چھوٹی آنت کی نازک اوپری جھلی پر آجاتے ہیں، اور ہفتہ بھر میں جوان ہوجاتے ہیں۔ بارآوری کے بعد مادہ کیڑے اپنے نئے لاروے آنتوں کی نازک اندرونی جھلی یا بعض اوقات سیدھا لمبی غدودوں میں چھوڑ دیتے ہیں، جہاں سے یہ لاروے خون میں داخل ہوکر جسم کے تمام اعضاء میں پہنچ جاتے ہیں خصوصاً جسم کے پٹھوں میں جگہ بنالیتے ہیں، جہاں وہ دوبارہ خولوں میں بند ہوجاتے ہیں۔

یہ جراثیم عام طور پر مندرجہ ذیل عضلات پر حملہ کرتے ہیں۔ ڈایا فرام، آنکھیں، گردن، حلق، سانس کی نالی، جہاں وہ کیلسی فائیڈ ٹریکی نوسس پیدا کرتے ہیں۔ جو یورپ امریکا اور دنیا کے دیگر ممالک میں عام ہے۔ امریکا میں طبی تحقیقات کے نتیجہ میں دیکھا گیا ہے کہ اس مرض کے اثرات /۱۵ سے /۲۰ تک ہیں۔ ویسے اس مرض سے شدید طور پر متاثر ہونے والے افراد کی تعداد بہت کم ہے کہ جن میں یہ طفیلی جراثیم اپنی واضح علامات کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور جن کے نتیجے میں شروع شروع میں پیچش، سر کا چکر، قے اور بخار ہوجاتا ہے۔

دوسرے مرحلے پر جسم میں درد اور اکڑن پیدا ہو جاتی ہے بعد ازں عضلات میں ورم آ جاتا ہے، اکثر چہرہ سوج جاتا ہے۔ اس کا پہلا علاج تو دافع سوزش ادویات کا استعمال ہے جو واضح علامات مرض کو ختم کر دیتی ہے۔ تھایا بین ڈافرول، اس سلسلے میں کافی مؤثر ثابت ہوتی ہے جس سے آنتوں اور معدہ میں موجود کیڑے تباہ ہو جاتے ہیں۔ تاہم بڑے پیانے پر ٹریکی نوسس آلودہ خنزیر کے گوشت کو معلوم کرنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں ہے سوائے گوشت کو اچھی طرح پکانے کے۔

خنزیر سے لگنے والی چیدہ چیدہ بیماریاں:

(۱)......کینسر
(۲)......فیل پاء
(۳)......بلڈ پریشر
(۴)......وَجع المفاصل
(۵)......جوڑوں کا درد
(۶)......فسادِ عقل
(۷)......سکرافولا
(۸)......آتشک
(۹)......ٹی نیا سولیم
(۱۰)......سوزاک
(۱۱)......ٹری کائی نوس
(۱۲)......مخلس

خنزیر کے ذریعے مندرجہ ذیل جراثیم و کیڑے نشو ونما پاتے ہیں اور پھیلتے ہیں:

(1) Tape wormorm

(2) Round Worm

(3) Hook worm

(4) Faciolopsis Buski

(5) Paragonimus

(6) Clonorchis Sinesis

(7) Erysipelothrix Rhusiophathiae

(1947) Stoll "This Wormy Wold"

خنزیر میں ۱۶ اقسام کے جراثیم کی نشاندہی:

ڈاکٹر محمد جعفر صاحب خنزیر کا بھی تجزیہ کرتے ہوئے اپنے آرٹیکل میں لکھتے ہیں۔
جدید تحقیق کے مطابق خنزیر کے گوشت میں باقی جانوروں کی بہ نسبت زیادہ چربی ہوتی ہے۔اور یہ چربی دیر سے ہضم ہوتی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے خنزیر کے گوشت میں ۱۶ قسم کے نقصان دہ جراثیموں کی نشاندہی کی ہے۔سور کا گوشت کھا کر ٹیپیو رم (TAPEWORM) میں مبتلا مریضوں کی تعداد دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔دوسری بیماریاں جو خنزیر سے منسوب کی جاتی ہیں۔وہ یہ TRICHIWELLA INLESUNAL ہیں۔

یہ مضمون ۶ جنوری ۱۹۷۱ء کو لندن میں شائع ہوا تھا۔

HALLAL MEAT .WRITTEN BY MUHAMMAD SAMEE-UL-ALLAH

سور کے گوشت کے مریضوں کی سروے رپورٹ:

(اوہایو OHIO ولوبی (Willoughby) شہر میں ایک خاندان کے کچھ لوگوں نے ایک مقامی دکان سے سلیج خریدی اور تیل میں تلنے کے بعد اسے استعمال کیا۔یہ تمام افرادِ خانہ TRICHINOSIS کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔مئی ۱۹۴۸ء میں نیو برلن، وسکنسن کا ایک خاندان ''زکام کی مانند'' ایک مرض میں مبتلا ہو گیا۔طبی تحقیق کے بعد پتا چلا کہ آٹھوں

افراد کو Trichinosis لاحق ہو گیا ہے۔ انھوں نے بیف ہیمبر گر سینڈوچ کھائے تھے۔

(CDC Veterinary Public Health Notes.February 1969)

طبی رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ مارکیٹ میں بیف اور پورک (گائے کے گوشت اور خنزیر کے گوشت) کا قیمہ بنانے والی مشین علیحدہ علیحدہ نہ تھیں۔

(Morbidily and Morality Weekly Report)

VOL. 18 no.9 مورخہ ۲۲/ دسمبر ۱۹۶۹ء کو واشنگٹن مسوری کے ۷۶/ افراد TRICHINOSIS میں مبتلا ہو گئے۔ کیوں کہ جو پورک (PORK) انھوں نے خریدا تھا اس گوشت کو مارکیٹ میں اچھی طرح صاف نہیں کیا گیا تھا TRICHINOSIS کے جراثیم گوشت میں موجود تھے۔ بقول ڈاکٹر شیفر ڈان جراثیم کو دواؤں کے انجرات یا نمک چھڑکنے سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

موضوع نمبر ۳۵

ایمان اور یقین کی طاقت اور جدید تحقیقات

❁......ایمان و یقین ایک نور ہے جس شخص کے اندر جتنا زیادہ ایمان و یقین ہوگا۔ اللہ کی مدد اتنی ہی اسکے ساتھ زیادہ آئے گی۔ حضور ﷺ نے اپنی امت کو ایمان و یقین ہی اپنے اندر پیدا کرنے کی ترغیب دی۔

❁......کیونکہ جتنا زیادہ ایمان و یقین ہوگا آدمی اتنا ہی اچھے اعمال کرے گا۔

❁......حضرت ضادہؒ کہتے ہیں ابن عمرؓ سے پوچھا گیا نبی اکرم ﷺ کے صحابہ ہنسا کرتے تھے انہوں نے فرمایا ہاں مگر اس حال میں کہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑوں سے بھی بڑا تھا۔ (حیاۃ الصحابۃ)

❁......ایمان کی کمزوری برائیوں کی جڑ ہے۔

❁......حضرت عبیدؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایمان کے ۳۳۳ شعبے ہیں ان میں سے جس پر بھی انسان عمل کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔ (الاخلاق حسنۃ)

آیئے اب ایمان پر چند مشاہدات و تجربات و تحقیقات ملاحظہ فرمائیں۔

خدا کی ذات پر ایمان رکھنے والے جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں:

خدا کی ذات پر مکمل بھروسہ اور پختہ ایمان رکھنے والے ہر قسم کے آپریشن سے جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ پیرس ہومیو پیتھک ورلڈ رپورٹ فرانس کی ڈی سوریز یونیورسٹی کی تازہ ترین تحقیق کے مطابق وہ افراد جن کا خدا کی ذات پر عقیدہ پختہ ہوتا ہے اور جو اس پر بھرپور ایمان رکھتے ہیں انتہائی نازک آپریشن مثلاً دل، دماغ یا لبلبے کی سرجری سے جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ ایسے مریضوں کا جب اسپتال میں تجزیہ کیا گیا تو عقیدے کے کمزور افراد کے مقابلے میں بہت جلد صحت یاب ہو گئے اور انھوں نے اپنی

تکالیف پر بھی قابو پالیا۔

عربوں کے اللہ پر یقین کو دیکھ کر ایک انگریز کا متاثر ہونا:

ایک یورپی محقق عربوں کے ساتھ سفر کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ اپنی زندگی بڑے سکون سے لیتے ہیں اور اگر انہیں کبھی کوئی پریشانی ہو تو وہ غیر ضروری طور پر خفگی یا غصے کا اظہار نہیں کرتے۔ ان کا ایمان ہے کہ جو کچھ قسمت میں لکھا جا چکا ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔ اور قسمت کا لکھا صرف اللہ ہی بدل سکتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ عرب مصیبت کے وقت میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ اسے مزید واضح کرنے کے لیے میں آپ کو ایک ایسے خوفناک اور گرم طوفان کا حال بتاتا ہوں جو تین روز تک دن رات چلتا رہا۔

یہ اس قدر شدید تھا کہ یہ صحرا سے گرم ریت اُڑا کر فرانس تک لے گیا۔ ہوا اس قدر گرم تھی کہ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے سر کے بال جل رہے ہیں، میرا گلا پیاس کے مارے خشک ہو چکا تھا، آنکھیں جل رہی تھیں اور دانت میل سے اٹے پڑے تھے، اور یوں لگ رہا تھا کہ جیسے میں کسی گلاس کی فیکٹری کی بھٹی کے سامنے کھڑا ہوں۔ میں اس قدر بدحواس ہو چکا تھا جتنا کہ ایک صبر کرنے والا انسان ہو سکتا ہے، مگر میں نے دیکھا کہ عربوں کے چہرے پر کوئی پریشانی یا خوف نہیں تھا وہ اپنے کندھے اچکا کر کہتے تھے "مکتوب" یعنی یہ تقدیر میں لکھا ہوا تھا۔

طوفان ختم ہونے کے فوراً بعد ہی ان عربوں نے اپنی تمام بھیڑیں ذبح کر دیں اور صرف حاملہ بھیڑیں ذبح نہ کیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ انہیں ذبح نہیں کریں گے تو یہ سب مر جائیں گے بھیڑوں کو ذبح کرنے کے بعد انہوں نے انہیں پانی میں پھینک دیا۔ یہ سب کچھ انہوں نے بڑی خاموشی سے کیا اور اپنے اس نقصان پر کسی طرح کی پریشانی یا شکایت نہیں کی۔ قبیلے کے سردار نے مجھے بتایا کہ یہ زیادہ نقصان نہیں ہے۔ ہم اپنا سب کچھ اس شدید اور خوفناک طوفان میں کھو سکتے ہیں۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے پاس ابھی بھی چالیس فیصد بھیڑیں رہ گئیں، ہیں جن سے ہم اپنی گزر اوقات کا سلسلہ ایک بار پھر شروع

کر سکتے ہیں۔

یہاں مجھے ایک اور واقعہ بھی یاد آ رہا ہے۔ ہم صحرا میں جا رہے تھے کہ ہماری کار کا ایک ٹائر پھٹ گیا شوفر فالتو ٹائر کی مرمت کرانا بھول گیا تھا اور اب ہمارے پاس تین ٹائر صحیح سلامت تھے مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اپنے ہم سفر عربوں سے پوچھا کہ اب ہم کیا کریں گے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ غصہ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ٹائر کے پھٹنے میں اللہ کی مرضی شامل تھی اور اللہ کی مرضی میں دخل نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے بعد انہوں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ گاڑی چلائے اور گاڑی تین پہیوں پر لڑکھڑاتی ہوئی چلتی رہی۔ تھوڑی دور جا کر وہ جھٹکے کے ساتھ رک گئی اور اب اس کا پیٹرول ختم ہو گیا تھا۔ ان عربوں میں سے ایک نے صرف یہ کہا ''اللہ کی مرضی''۔

یقین کا کرشمہ:

پاک بھارت جنگ کے دوران پیش آنے والا ایک ناقابل یقین اور ایمان افروز واقعہ:

بریگیڈیئر ریٹائر حامد سعید اختر کہتے ہیں کہ میں نے اکتوبر ۶۲ء میں فوج میں شمولیت اختیار کی اور مدت ملازمت کی تکمیل پر دسمبر ۹۴ء میں ریٹائر ہوا۔ بتیس سالہ فوجی سروس میں ۶۵ء کی جنگ بلاشبہ میری زندگی کا سنہرا دور تھا۔ سکینت قلب کی اصطلاح ہم پڑھتے اور سنتے آئے ہیں، لیکن سکینت وارد ہونے کی کیفیت کا عملی تجربہ اتنا خوبصورت اور ناقابل بیان تھا کہ میں اسے حاصل زندگی سمجھتا ہوں۔ وہ اخوت، یگانگت، محبت اور وحدت دوبارہ دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی ہیں۔

تب قوم مختلف سیاسی ٹکڑوں اور مذہبی فرقوں میں بٹے ہونے کے بجائے جسد واحد کے مانند تھی۔ بلا استثناء ہر پاکستانی قوم وملت کی خاطر کچھ کر گزرنے کے جذبے سے سرشار دکھائی دیتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے تمام قوم اپنے قول فعل سے قرآنی آیات کی عملی تصویر بن گئی ہو۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے اور متحد ہونے والی آیت پر عمل کا نمونہ پیش کیا جا رہا تھا۔ تب پہلی بار علامہ اقبالؒ کے شعر:

یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

کا مفہوم پورے سیاق و سباق کے ساتھ مجھ پر منکشف ہوا۔ میں نے کامل حواس کے ساتھ ملا اور مجاہد کی اذان کا فرق محسوس کیا اور کلام اقبال، کلام اللہ کی تفسیر کی صورت میں میرے قلب پر وارد ہونے لگا۔ مناجات سحر کے مقابلے میں معرکہ آرائی کی اہمیت واضح ہوئی۔ مری گنہگار آنکھوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتوں کا احاطہ تو نہ کیا، لیکن قدم قدم پر اللہ کی مدد شامل حال نظر آئی۔

ویسے بھی جب بھیجنے والا بصیرت کی آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہو تو فرستادوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ کیا جوان اور کیا افسران، سب کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔ ہر کوئی وطن کے دفاع کی خاطر تن من دھن کی بازی لگانے میں سبقت لے جانا چاہتا تھا۔ مجھے حولدار شاہ بہرام بھی یاد ہے جو دشمن کی گولہ باری کے دوران توپ کے ٹائر سے لپٹ جاتا تھا۔ میں نے جب اس گلگتی جوان سے اس حرکت کی وجہ دریافت کی تو وہ آبدیدہ ہو کر بولا سر میں ایسا اس لیے کرتا ہوں کہ گولے کے ٹکڑوں سے ٹائر نہ پھٹ جائے۔ ہمارے پاس اضافی ٹائر نہیں ہیں۔ شاہ بہرام کی کوئی بات نہیں، میری جگہ کوئی اور جوان بھی آ سکتا ہے۔ مجھے گنر شبیر بھی یاد ہے جو شیل شاک کا شکار ہو گیا۔ جب اسے فیلڈ اسپتال بھیجا جا رہا تھا تو تمام یونٹ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی گویا شیل شاک کا ہونا یا نہ ہونا اس کے اپنے بس میں تھا۔

دنیا کی جنگی تاریخ کے اعداد و شمار کے مطابق اوسطاً اموات کی شرح ایک افسر فی پچاس جوان ہے، لیکن جب پاکستان کا وجود خطرے میں پڑا تو اس پاک دھرتی کے سپوت اپنے ہاتھوں پر سروں کی قندیلیں سجائے موت کو للکارتے نظر آئے۔ ہمارے افسروں کی شہادت کی شرح ایک افسر فی پندرہ جوان رہی۔ اتنی بلند شرح شہادت کو انگریزوں کی بقا کی خاطر جنگیں لڑنے والوں نے ناتجربہ کاری پر محمول کیا، لیکن ملک کی عزت و وقار پر جانیں قربان کر دینے والوں کے جذبے کی سچائی کا ایسے مادہ پرستوں کو شعور نہ تھا۔ بے شک دلوں کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

۶۵ء کی جنگ میں بہت سے انہوں نے واقعات کا مشاہدہ بھی ہوا جن کی کوئی سائنسی

یا عقلی توجیہہ ممکن نہیں تھی۔ جنگ کے دوران چونکہ اس نوعیت کے بہت سے واقعات پیش آتے رہے اس لیے وہ چنداں غیر معمولی ہونے کی اہمیت حاصل نہ کر پائے۔ آنے والے برسوں میں ان کی حیثیت محض نا قابل یقین قصے کہانی کی رہ گئی، تاہم آج مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ ایسے واقعات کو ریکارڈ پر لانا چاہیے تھا کیونکہ یہ ہماری آنے والی نسلوں کی امانت ہیں۔ درج ذیل واقعہ اسی سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔

۹ ستمبر کا دن تھا اور میری یونٹ سیالکوٹ سیکٹر میں سچیت گڑھ کے محاذ پر دشمن کے دانت کھٹے کر رہی تھی۔ توپ خانے کے فائر کی شدید اور مسلسل ضرورت کی بنا پر سکھلائی کے برخلاف بار بار پوزیشن بدلنا ممکن نہ تھا جس سے دشمن ہماری پوزیشن معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت تک ہم بہتر (۷۲) گھنٹوں سے لگا تار اپنی پیادہ فوج کو فائری امداد دے رہے تھے۔ کسی نے آنکھ جھپکی تھی نہ کسی کو کھانے پینے کا ہوش تھا۔ فائر کی طلب میں اس قدر اضافہ ہو گیا تھا کہ توپیں مسلسل گرج کر دشمن پر آہن و آتش کی بارش کر رہی تھیں۔ دشمن بھی زخمی ناگ کی طرح پہلو بدل بدل کر حملہ آور ہو رہا تھا۔ جونہی ایک ہدف پر کامیابی سے فائر گرایا جا چکتا، ساتھ ہی دوسرے ہدف پر توپ خانے کا فائر شروع کر دیا جاتا۔ ہمارا مختصر سا توپ خانہ دشمن کے تین ڈویژنوں کا حملہ روکنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ دونوں جانب سے غالب آنے کی انتھک کوشش جاری تھی۔

ایسے میں اچانک دشمن کی جانب سے جوابی گولہ باری شروع ہو گئی۔ گولہ باری اس شدت کی تھی کہ الامان والحفیظ۔ گویا دشمن نے اندازہ لگا لیا تھا کہ پاکستان توپ خانے کو تباہ کیے بغیر اس کے لیے ہمارے دفاعی مورچوں کو روندنا ناممکن تھا۔ اشد ضرورت کی بنا پر ریزرو گولہ بارود بھی ہماری بیٹری میں موجود تھا۔

مجھے شدید خطرے کا احساس تھا کہ اگر دشمن کا ایک بھی گولہ ہمارے ریزرو ذخیرے پر پڑ گیا تو تمام بیٹری کا وجود حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا، لیکن ایسی شدید گولہ باری میں کوئی مثبت حکمت عملی میرے ذہن میں نہ تھی۔ دشمن کا فائر بتدریج قریب سرکتا آ رہا تھا۔ میں نے احتیاطاً گولہ بارود سے لدی ہوئی گاڑیوں کو محفوظ مقام پر منتقل ہونے کا حکم دیا، لیکن توپوں کے نزدیک زمین پر پڑے ہوئے ذخیرے کا کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ گن پوزیشن پر اپنے ہی گولہ بارود کے پھٹنے سے تمام بیٹری کے مقدر میں شہید ہونا لکھ دیا گیا

ہو۔

میں نے بے بسی کے عالم میں اللہ کے حضور صدق دل سے دعا کی کہ اے پروردگار عالم میری بیٹری ایک تو ہی بچا سکتا ہے۔ اس دعا کے جواب میں دشمن کی گولہ باری میں مزید شدت پیدا ہوگئی، گرد، دھوئیں اور گولوں کے پرافشاں آتشیں ٹکڑوں کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

اچانک ایک گولہ قریب کی توپ کے گولہ بارود کے ذخیرے پر گرا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور شدت یاس وغم سے سر جھکا لیا اور کلمہ طیبہ کا ورد کرنے لگا۔ اب صرف ایک ثانیے کی دیر تھی اور سب کچھ ختم ہو جاتا تھا۔ گویا میری دعا قبول نہ ہوئی تھی۔ بیٹری کو تباہ ہوتے دیکھنے کا مجھ میں حوصلہ نہ تھا۔ میں انتظار میں تھا کہ دھما کہ اب ہوا کہ ہوا۔ وقت کی نبضیں تھم گئیں۔ زمین کی گردش رک گئی۔ لیکن موت سے شدید انتظار طویل ہوتا چلا گیا۔ یہ کیا؟

اچانک مجھ پر آشکارا ہوا کہ دشمن کی گولہ باری تھم چکی تھی۔ لیکن ان گولوں کا کیا ہوا جو ہمارے ذخیرے پر گرے تھے؟ میں کمان پوسٹ سے دیوانہ وار ذخیرے کی طرف بھاگا۔ دشمن کا گرایا ہوا ایک گولہ ہمارے ذخیرے سے صرف دس فٹ دور پھٹا تھا۔ اس کے ٹکڑوں نے ایمونیشن کے بکسوں کے اوپر والے ڈھکن اڑا دیئے تھے لیکن تمام ایمونیشن ماں کی گود میں بچے کی طرح محفوظ تھا۔ دوسرا گولہ کہاں گیا جو بارودی ذخیرے کے عین وسط میں گرا تھا؟

میں بہت احتیاط سے گربہ قدم آگے بڑھا، لیکن عقدہ حل نہ ہوا۔ میں نے کھلی آنکھوں سے توپ کا گولہ ذخیرے کے عین وسط میں گرتے دیکھا تھا؟ زمین سے دھول بھی اڑی تھی۔ تو پھر گولہ کہاں گیا؟

میں نے چند بکس ہٹوا کر قریب سے جائزہ لیا۔ بے ترتیب پڑے ہوئے ایمونیشن کے بکسوں کے درمیان تقریباً ایک فٹ جگہ خالی رہ گئی تھی۔ دشمن کا گرایا ہوا گولہ اس کے مرکز میں یوں پیوست تھا گویا ہر طرف سے پیمائش کر کے وہاں کھونٹا گاڑ دیا گیا ہو۔ میں مسرت اور حیرت سے سن رہ گیا۔ پھر میں نے تشکر بھری نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور اللہ کا ایک عاجز بندہ خاموشی کی زبان میں اپنے خالق سے ہم کلام ہوا **فبای آلاء ربکما تکذبان۔**

بیٹری کے تمام جوانوں نے موت کو اتنے قریب آ کر واپس جاتے دیکھا تو سب کا ایمان تازہ ہو گیا۔ جوانوں نے اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا اور دوبارہ دشمن پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس بار ہم نے پہلے وہ گولے فائر کیے جن کے ایمونیشن بکس کے ڈھکنے دشمن کے فائر سے ٹوٹ گئے تھے۔ آبزرور کی رپورٹ کے مطابق ہمارے اس فائر نے دشمن کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔

چونکہ ہماری یہ پوزیشن دشمن کی نظر میں آ چکی تھی، لہٰذا فائر کی شدت میں کمی آتے ہی میں توپ خانے کے لیے متبادل پوزیشنوں کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ ہم نے بمشکل دو تین میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ آسمان پر دشمن کے نیٹ طیارے نمودار ہوئے۔ ان کی نیچی پرواز سے ان کا جارحانہ انداز مترشح تھا۔

جونہی انہوں نے غوطہ لگایا، میں نے جیپ ایک قریبی جھنڈ کی طرف دوڑا دی۔ مقصد ان کے نشانہ باندھے ہوئے فائر سے بچنا تھا۔ میری نگاہ آسمان کی طرف تھی اور پاؤں ایکسی لیٹر پر۔ ایم ۳۸ امریکن جیپ ایک سنگ پگڈنڈی پر پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ جہاز سے فائر ہوا۔ مشین گن کا برسٹ جیپ سے چند فٹ آگے پگڈنڈی پر لگا۔ زمین سے دھول اٹھی۔ سفر جاری رہا۔ جہاز آگے نکل گیا۔

اب پیچھے والے جہاز نے جیپ کو اپنا ہدف بنا لیا۔ ایکسی لیٹر جیپ کے فرش سے لگ گیا تھا۔ جیپ اچھلتی کودتی ساٹھ میل کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ اچانک جھٹکا لگا اور میں ونڈ سکرین سے جا ٹکرایا۔ دوبارہ سنبھل کر میں نے ایکسی لیٹر پر پاؤں جما دیا۔ انجن غرایا، پہیے گھومے، لیکن جیپ ساکن رہی،، میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو جیپ رکی ہوئی تھی۔ عین اس وقت نیٹ طیارے نے برسٹ فائر کیا لیکن جیپ ایک سیکنڈ پہلے غیر متحرک ہو چکی تھی۔ فائر جیپ سے چند قدم آگے پانی کے کھال میں لگا۔ جیپ کا رک جانا ہمارے لیے نئی زندگی کا پیغام ثابت ہوا۔ میں سخت متعجب تھا کہ جیپ رک کیسے گئی۔ نیچے اتر کر جائزہ لیا۔

دراصل درختوں کے ذخیرے کی طرف جاتی ہوئی پگڈنڈی بتدریج تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ جیپ کا نچلا حصہ پگڈنڈی سے جا لگا اور چاروں ٹائر ہوا میں معلق ہو گئے کیونکہ پگڈنڈی کے دونوں طرف پانی کا خشک کھالا تھا۔ اور پگڈنڈی کھیتوں کی عام سطح سے اونچی تھی۔ بھارتی نیٹ اپنے ناکام مشن کے بعد واپس جا چکے تھے۔ میرے ساتھ

صرف تین افراد تھے۔ ڈرائیور، وائرلیس آپریٹر اور نقشہ بردار ٹیکنیکل اسسٹنٹ۔ اتنے میں دو دیہاتی بھی آ شامل ہوئے اور جیپ کو نکالنے میں مدد دینے لگے۔ دس منٹ کی زور آزمائی کے بعد سب نے متفقہ فیصلہ دے دیا کہ ریکوری کے بغیر جیپ کو نہیں نکالا جا سکتا۔

میں نیا نیا لیفٹیننٹ تھا جو جانتا کچھ نہیں، کرتا سب کچھ ہے۔ میں نے کہا کہ تعجب ہے ہم چھ افراد صرف سات من وزنی جیپ کو نہیں اٹھا سکے۔ دیہاتیوں نے استفسار کیا کہ واقعی جیپ صرف سات من وزنی ہے۔ میں نے پورے یقین سے کہا کہ ہاں صرف سات من وزن کی ہے۔

ڈرائیور نے دبی زبان سے کہا کہ سر اس کا وزن سات من سے بہت زیادہ ہے، لیکن میں نے اسے ڈانٹ دیا کہ تم نہیں جانتے تو مت بولو۔ دراصل ایم ۳۸ جیپ کو ۱/۴ ٹن گاڑی کہا جاتا ہے۔ یہ اس کی وزن اٹھانے کی صلاحیت ہے نہ کہ اپنا وزن، تاہم ان دنوں میں واقعی یہ سمجھتا تھا کہ سات من اس کا اپنا وزن ہے۔ میں نے کہا کہ ۱/۴ ٹن کا مطلب ہے ایک ٹن کا چوتھائی وزن۔ چونکہ ٹن ۲۸ من کا ہوتا ہے، لہٰذہ جیپ کا وزن سات ہی من ہے۔ میرا پراعتماد انداز متاثر کن تھا۔ سب یک زبان ہو کر بولے کہ پھر تو کوئی بات ہی نہیں۔ ہر شخص کے حصے میں صرف پینتالیس سیر وزن آتا ہے۔ سب نے مل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور جیپ کو کھلونے کی طرح اٹھا کر ہموار جگہ پہ رکھ دیا۔ ہم دیہاتیوں کا شکریہ ادا کر کے پھر اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔

اس واقعے کے دو سال بعد ایک لیکچر کے دوران مختلف گاڑیوں کی خصوصیات بیان کی جا رہی تھیں تو مجھے معلوم ہوا کہ ۱/۴ ٹن جیپ کا وزن تقریباً تین ہزار پاؤنڈ یعنی کم و بیش سوا ٹن ہے۔ جب میں نے باقی افسروں کو بتایا کہ جنگ ۶۵ء کے دوران ہم چھ افراد نے اسے با آسانی اٹھا لیا تھا تو سب بے یقینی سے ہنسنے لگے۔ شاید قارئین کرام بھی اس واقعے میں مبالغے کا پہلو ڈھونڈنے کی کوشش کریں۔ میں صرف اتنا کہوں گا کہ:

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زبان تو ہے
یقین پیدا کرے اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

اور قارئین کرام میں اس مضمون کو تشنہ تکمیل ہی سمجھوں گا اگر میں مولانا ظفر علی خاں کا وہ پیغام چھ ستمبر کے حوالے سے آپ کے گوش گزار نہ کروں جو پاکستان کے مسلمانوں کے

لیے اکسیر حیات ثابت ہوسکتا ہے یعنی:

فضائے بدر پیدا کہ فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ایمان ویقین خوف کو مسترد کر دیتا ہے:

ہم صرف اپنے آپ سے ''بڑی چیز'' پر یقین کر کے زندگی کے چیلنجوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

ہم ایک ایسی دنیا میں بستے ہیں جو کائنات کا ایک انتہائی چھوٹا سا حصہ ہے اگر ہم نا شکری سے کام نہ لیں اور اس کے عجائبات کو آنکھیں کھول کر دیکھیں تو ہم اس اعتراف پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ ایک خوب صورت جگہ ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان پر یہ کریہہ المنظر ہو چکی ہے۔ اور یہ کہ ہم ایک ایسے عہد میں رہتے ہیں جس میں خوف ودہشت کا دور دوزہ ہے۔

مہیب اور قیامت خیز جنگیں ہیں، جوانوں کی سرمستیاں اور طغیانیاں ہیں، عوام کی بغاوتیں ہیں، شتر بے مہار لوگوں کی سرکشیاں ہیں۔ دوسری طرف بے شعور، ظالم اور اقتدار کے بھوکے حکم راں ہیں نیکی، دیانت داری، خاندان میں باہمی الفت اور شائستگی وشرافت کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے، محنت ودیانت کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ عیاروں اور بدمعاشوں کی مانگ ہے۔ دولت اور عزت پر برے لوگوں کی اجارہ داری ہے اور دنیا کے بہت بڑے حصے پر کفر والحاد کی عمل داری ہے

بایں ہمہ انسان کے قبضے میں ایٹمی طاقت ہے جس کی تباہ کاری کی کوئی حد نہیں ہے اور یہ طاقت بھی خطرناک اور مغرور لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ آج ہر شخص کے لیے یہ بات کٹھن ہے کہ بحر وبر اور جو السماء میں فتنہ وشر کے عروج عہد میں جو خیر کی اقدار پر یقین رکھتا ہے اور شر سے بیزار ہے جو اپنے قدموں کو ڈگمگانے سے باز رکھ سکے اور ایسی حالت میں اپنے ایمان کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ قدم چین کی اس روایت پر عمل کرے کہ تاریکی کو سنے کے بجائے صرف ایک شمع کو روشن کر دینا بہتر ہے۔

بالاترین بات ہے کہ دنیاوی زندگی از روئے مذہب آزمائش کا دور ہے جس کی ایک معیاد ہے اور اس کے اثرات موجود زندگی کی قلیل مدت تک محدود نہیں بلکہ ابدالا باد تک وسیع ہیں۔ اگر ہم موجود عہد کے خوف اور اس کی نفسیات کی سرایت سے جو دنیا کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے، جانبر ہونا چاہتے ہیں اور صرف موجودہ زندگی کا رنج و راحت کو سب کچھ نہیں سمجھتے تو لازمی ہے کہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اس طوفان میں اپنے قدموں کو اور زیادہ مضبوطی سے جمائے رکھیں، دولت ایمان کو مضبوطی سے پکڑے رہیں اور اس کی حفاظت کریں اور استقلال وقار اور حق پرستی کے ساتھ آگے بڑھتے رہنے کی تا بہ مقدور کوشش جاری رکھیں۔

مجھے وہ وقت یاد ہے کہ جب میں گرمی کے موسم میں اپنی بیوی اور پانچ سالہ بچی کے ساتھ ساحل سمندر پر خیمہ زن تھا۔ ایک دن ہم اپنی چھوٹی سی کشتی میں سوار گہرے سمندر کی کھاڑی میں سیر کر رہے تھے کہ واپسی میں ہم کو طوفان نے گھیر لیا۔ پہاڑ جیسی بلند لہروں میں ہماری کشتی کبھی آسمان سے باتیں کرتی اور کبھی سمندر کی تہہ میں پہنچ جاتی۔ ایسی صورت میں انسان کی جو کیفیت ہوسکتی ہے ظاہر ہے، لیکن ہماری چھوٹی سی بچی کو اس بات پر پورا بھروسہ تھا کہ میرا باپ مجھ کو اس مصیبت سے بہ خیر و خوبی نکال کر لے جائے گا۔ وہ کشتی کے ایک گوشے میں سمٹ کر اطمینان کے ساتھ لیٹ گئی اور لطف یہ کہ لیٹے ہی سو گئی۔ اس کو اپنے باپ کی عقل، ہنرمندی اور طاقت پر اس قدر یقین تھا کہ خوف کا اس کے دل میں ذرا سا بھی گزر نہیں ہوا۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ ہم میں ایسے عجیب اطمیان قلب اور یقن کامل کی صلاحیت موجود ہے کہ ہمارا خالق ہر وقت نگراں اور ہمارے حال سے باخبر ہے اور ہم سے ماں باپ سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اور قادر بھی ہے وہ ہم کو اس دنیا کی زندگی کے بحر سے خیر و خوبی کے ساتھ پار لگا سکتا ہے اور طوفان کے شدائد سے بچا سکتا ہے۔ اس زندگی میں ہم کو جس امتحان سے دو چار ہونا پڑتا ہے اگر ہم ثابت قدم رہیں تو اس سے بڑھ کر ہمارے لیے نہ صرف سعادت بلکہ راحت کی کوئی اور صورت نہیں ہوسکتی۔ ہم بھی بچی کی طرح اطمیان قلب سے ہمکنار رہ سکتے ہیں۔

اگر ہم ہر وقت اس تصور کے ساتھ زندگی بسر کریں کہ ہمارا رب ہمارے ساتھ ہے اور

ساری کائنات اللہ کا چہرہ ہے اور مخلوق اللہ کی عیال ہے اور جو مصیبت ہم پر آتی ہے خود ہماری کسب کی ہوئی ہوتی ہے اور وہ خوف جو ہم اپنے اندر پاتے ہیں وہ اللہ پر بداعتمادی کے روگ کا پیدا کردہ ہے۔ تو خوف کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ خوف سے یہاں ہماری مراد غیر اللہ کا خوف ہے۔ اللہ کا خوف تو درحقیقت ایمان باللہ کی علامت ہے اور جس شخص کا قلب ایمان سے معمور ہو ماسوا کا خوف اس کے قریب نہیں پھٹکتا۔

اگر ہم اس تصور کو ہر وقت چلتے پھرتے دل میں رچا اور بسا لیں اور یہ کچھ مشکل بات بھی نہیں، صرف دنیاوی زندگی کی معرفت اور اپنی ہستی کے شعور کی ضرورت ہے تو پھر ایمان کی چاشنی سے لطف اندوز اور خود اپنے تجربے سے سرشار ہو کر بے اختیار پکار اٹھیں گے۔ کہ ایمان و یقین خوف کو مسترد کر دیتا ہے اور امن و آسودگی سے ہمکنار کرتا ہے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس مادّی دنیا میں مادی مظاہر اور مادّی جسم سے جن کی روح مغلوب ہے وہ کبھی یہ تجربہ نہیں کریں گے۔ ہم یہ قول پیر رومی کے شعر میں سمجھنا چاہتے ہیں کہ علم سے بھی تن کی خدمت لے رہے ہیں۔ کیا خوب کہا پیر رومی نے۔

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بردل زنی یارے بود

یقین کے بارے میں ڈاکٹر کے تجربات:

ڈاکٹر نیوپلن ہل کہتے ہیں:

ایقان بھی ایک بڑی دولت ہے۔ بدنصیبی سے ایسے بہت کم لوگ ہیں جو اس کی اہمیت سے واقف ہیں۔ کیونکہ یقین ہی وہ مضبوط کڑی ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے شعور کو عقل مطلق سے قریب سے قریب تر کر سکتے ہیں۔ یہی وہ دماغ کی سرسبز و شاداب وادی ہے۔ جہاں ہم دنیا کی تمام دولت حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی وہ منزل ہے جہاں ہم تخلیقی خیالات کو پیدا کرنے اور ان کو بروئے کار لانے کے لیے کام کر سکتے ہیں۔

انسان نے اپنی فکر کی بدولت دنیا میں جتنے معجزات کو جنم دیا ہے وہ سب ایقان کی منزل پر پہنچنے کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ یہ ایسے معجزات ہیں جن کو سائنس، منطق یا عقل کی

کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا تھا۔

یقین ہی وہ قوت ہے جس کے ذریعے ہم روحانی عظمتیں اور وہ تمام چیزیں حاصل کر سکتے ہیں جس کے ذریعے ہم اپنے پیدا کرنے والے سے قریب تر ہو سکتے ہیں۔

یقین میں وہ قوت چھپی ہوتی ہے جو ہماری معمولی دماغی قوتوں کو روحانی منزل پر پہنچا دیتی ہے اور یہ اسی کا صدقہ ہے کہ انسان جیسا ذرہ ناچیز خالق اکبر کے خزانۂ عقل سے کچھ بٹورنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ٹالسٹائی کہتا ہے کہ:

ایمان طاقت اور زندگی ہے۔

بابا گرونانک کا کہنا ہے کہ:

جس کو ایمان نصیب ہو جائے اس کے دونوں جہاں اچھے ہو جاتے ہیں۔

ارسطو کہتا ہے کہ:

مضبوط ایمان ہر مشکل کو آسان بنا دیتا ہے۔

ٹالسٹائی کہتا ہے کہ:

ایمان طاقت اور زندگی ہے۔

اسٹائکن کی بیٹی کی ایمان پر تحقیق:

مکہ سے شائع ہونے والے رسالے "مجلّہ الحج" نے اپنے تیئسویں سال کے تیسرے شمارے میں اسٹائکن کی بیٹی سوتیلانا کی زبانی لکھا ہے۔

کہ اس کے وطن اور اولاد چھوڑنے کا اصلی سبب دین ہے۔ اس لیے کہ وہ ایک ایسے گھر میں بڑھی پلی تھی جس کے افراد اللہ سے قطعاً بے بہرہ تھے اور اس کا نام ان کی زبان پر نہ قصداً آتا تھا نہ بھولے سے۔ اور جب وہ سن شعور کو پہنچی اور بڑی ہوئی (تو بغیر کسی خارجی عامل کے) اس نے اپنے اندر ایک قوی احساس یہ پایا کہ اللہ پر ایمان لائے بغیر دنیا کی

زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی، جیسے کہ اللہ پر ایمان لائے بغیر لوگوں میں عدل وانصاف قائم کرنا ناممکن ہے اور اس نے نہایت ٹھنڈے دل سے یہ محسوس کیا کہ انسان کو ایمان کی بالکل اسی طرح ضرورت ہے۔ جس طرح پانی اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔

اللہ کی ذات پر یقین اور امریکی ڈاکٹروں کی رپورٹ:

جدید معاشرہ بیک وقت دو متضاد عمل کر رہا ہے، ایک طرف وہ مادی ساز وسامان فراہم کرنے میں پوری قوت صرف کر رہا ہے، دوسری طرف مذہب کو ترک کر کے وہ حالات پیدا کر رہا ہے جس سے زندگی طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہو جائے، وہ ایک طرف دوا کھلا رہا ہے، اور دوسری جانب زہر کا انجکشن دے رہا ہے، یہاں میں ایک امریکی ڈاکٹر ارنسٹ اڈولف (Paul Ernest Adolph) کا ایک اقتباس نقل کروں گا جو اسکے سلسلے میں ایک دلچسپ شہادت فراہم کرتا ہے۔

جن دنوں میں میڈیکل اسکول میں زیر تعلیم تھا، میں ان تبدیلیوں سے آگاہ ہو جانے کی صورت میں جو جسم کے اخلاط (Body Tissues) میں رونما ہوتی ہیں، خوردبین کے ذریعے نسیجوں کا مطالعہ کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ نسیجوں پر مختلف موافق اثرات کے واقع ہونے سے زخم کا اطمینان بخش اندمال ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جب تعلیم ختم کر کے میں عملاً ڈاکٹری کے پیشے میں داخل ہوا تو مجھے اپنے اوپر بڑا اعتماد تھا کہ میں زخم اور اس کے اندمال کے طریقوں کو اس حد تک جانتا ہوں کہ میں یقینی طور پر موافق نتیجہ پیدا کر سکتا ہوں جبکہ میں اس کے ضروری طبی وسائل مہیا کر کے اس کو استعمال میں لاؤں، لیکن جلد ہی میری اس خود اعتمادی کو صدمہ پہنچا، مجھے محسوس ہوا کہ میں نے میڈیکل سائنس میں ایک ایسے عنصر کو نظر انداز کر دیا تھا جو سب سے زیادہ اہم ہے۔ یعنی خدا۔

اسپتال میں جن مریضوں کی نگرانی میرے سپرد کی گئی ان میں ایک ستر سال کی بوڑھی عورت تھی۔ جس کا کولھا زخمی ہو گیا تھا۔ ایکسرے تصاویر کے معائنے سے معلوم ہوا کہ اس کی نسیجیں (Tissues) بڑی تیزی سے ٹھیک ہو رہی ہیں، میں نے اس سرعت کے ساتھ شفایابی پر اس کو مبارکباد پیش کی، انچارج سرجن نے مجھے ہدایت کی کہ اس خاتون کو ۲۴ گھنٹے

میں رخصت کر دیا جائے کیونکہ اب وہ کسی سہارے کے بغیر چلنے پھرنے کے قابل ہوگئی ہے۔

اتوار کا دن تھا، اس کی بیٹی ہفتہ وار ملاقات کے معمول کے مطابق اسے دیکھنے آئی، میں نے اس سے کہا کہ چونکہ اس کی ماں صحت یاب ہے، اس لیے وہ کل آ کر اسے اسپتال سے گھر لے جائے، لڑکی اس کے جواب میں کچھ نہیں بولی اور سیدھی اپنی ماں کے پاس چلی گئی، اس نے اپنی ماں کو بتایا کہ اس نے اپنے شوہر سے اس کے بارے میں مشورہ کیا، اور یہ طے ہوا ہے کہ وہ اس کو اپنے گھر نہ لے جاسکیں گے، اس کے لیے زیادہ بہتر انتظار کی صورت یہ ہے کہ اس کو کسی دارالضعفاء (Old Peoples Home) میں پہنچا دیا جائے۔

چند گھنٹوں کے بعد جب میں بڑھیا کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ بڑی تیزی کے ساتھ اس پر جسمانی انحطاط طاری ہو رہا ہے، چوبیس گھنٹے کے اندر ہی وہ مرگئی۔ کولھے کے زخم کی وجہ سے نہیں بلکہ دل کے صدمے کی وجہ سے۔ (Not of her broken hip, but of a broken heart) ہم نے ہر قسم کی ممکن طبی امداد اسے پہنچائی، مگر وہ جانبر نہ ہو سکی، اس کے کولھے کی ٹوٹی ہوئی ہڈی تو بالکل درست ہو چکی تھی، مگر اس کے ٹوٹے ہوئے دل کا کوئی علاج نہ تھا، وٹامن، معدنیات اور ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اپنی جگہ لانے کے لیے سارے ذرائع استعمال کرنے کے باوجود وہ صحت یاب نہیں ہوئی، یقینی طور پر اس کی ہڈیاں جڑ چکی تھیں، اور وہ ایک مضبوط کولھے کی مالک ہو چکی تھی، مگر وہ بچ نہ سکیں، کیوں، اس لیے کہ اس کی صحت کے لیے اہم ترین عنصر جو درد تھا، وہ وٹامن نہیں تھا، نہ معدنیات تھے اور نہ ہڈیوں کا جڑنا تھا یہ صرف امنگ (Hope) تھی، اور جب زندگی کی امنگ ختم ہوگئی تو صحت بھی رخصت ہوگئی۔

اس واقعہ نے مجھ پر گہرا اثر کیا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ مجھے یہ شدید احساس تھا کہ اس بوڑھی خاتون کے ہرگز یہ حادثہ پیش نہ آتا۔ اگر یہ خاتون خدائی امید (God of hope) سے آشنا ہوتی، جس پر ایک عیسائی کی حیثیت سے میں اعتقاد رکھتا ہوں۔

(The Evidence Of God pp . 212- 14)

اس مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ جدید ترقی یافتہ دنیا کس قسم کے تضاد سے دوچار ہے، وہ ایک طرف سارے علوم کو اس نہج پر ترقی دے رہے ہیں، جس سے خدا کا وجود حرف غلط

ثابت ہو جائے، تعلیم وتربیت کے پورے نظام کو اس ڈھنگ سے چلایا جارہا ہے، جس سے خدا اور مذہب کے احساسات دلوں سے رخصت ہو جائے، اس طرح روح ...... اصل انسان ...... کو موت کے خطرے میں مبتلا کر کے اس کے جسم ...... مادی وجود ...... کو ترقی دینے کی سعی کی جارہی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ عین اس وقت جبکہ بہترین ماہرین اس کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے میں کامیابی حاصل کر چکے ہوتے ہیں، عقیدے کی اندرونی طاقت کی محرومی کی وجہ سے اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے، اور بظاہر جسمانی صحت کے باوجود وہ موت کے آغوش میں چلا جاتا ہے۔

یہی وہ تضاد ہے، جس نے آج پوری انسانیت کو تباہ کر رکھا ہے، خوش پوش جسم حقیقی سکون سے محروم ہیں، عالی شان عمارتیں اجڑے ہوئے دلوں کا مسکن ہیں، جگمگاتے ہوئے شہر جرائم اور مصائب کا مرکز ہیں، شاندار حکومتیں اندرونی سازش اور بے اعتمادی کا شکار ہیں، بڑے بڑے منصوبے کردار کی خامی کی وجہ سے ناکام ہو رہے ہیں ...... غرض مادی ترقیات کے باوجود زندگی بالکل اجڑ گئی ہے، اور یہ سب نتیجہ ہے صرف ایک چیز کا ...... انسان نے اپنے خدا کو چھوڑ دیا، اس نے اس سرچشمہ سے اپنے آپ کو محروم کر لیا، جو اس کے خالق ومالک نے اس کے لیے مہیا کیا تھا۔

نفسیاتی امراض کی نوعیت جو اوپر بیان کی گئی ہے وہ اتنی واضح حقیقت ہے کہ خود اس فن کے ماہرین نے اس کا اعتراف کیا ہے، نفسیات کے مشہور ماہر پروفیسر ینگ (C.G.Jung) نے اپنی زندگی بھر کا تجربہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''پچھلے تیس برسوں میں روئے زمین کے تمام متمدن ممالک کے لوگوں نے مجھ سے (اپنے نفسیاتی امراض کے سلسلے میں) مشورہ حاصل کرنے کے لیے رجوع کیا ہے، میرے مریضوں میں زندگی کے نصف آخر میں پہونچنے والے تمام لوگ ...... جو کہ ۳۵ سال کے بعد کہی جا سکتی ہے ...... کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا، جس کا مسئلہ اپنے آخری تجزیے میں زندگی کا مذہبی نقطۂ نظر پانے کے سوا کچھ اور ہو، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان میں سے ہر شخص کی بیماری یہ تھی کہ اس نے وہ چیز کھو دی تھی جو کہ موجودہ مذاہب ہر دور میں اپنے پیروکاروں کو دیتے رہے ہیں، اور ان مریضوں میں سے کوئی بھی حقیقۃً اس وقت تک شفایاب نہ ہو سکا، جب تک اس نے اپنا مذہبی تصور نہیں پالیا۔''

یہ الفاظ اگر چہ سمجھانے والے کے بجائے خود بالکل واضح ہیں، تاہم اگر میں نیویارک اکیڈمی آف سائنس کے صدر رائے، کریسی ماریسن کے الفاظ نقل کر دوں تو بات بالکل مکمل ہو جائے گی۔

''ادب و احترام، فیاضی، کردار کی بلندی، اخلاق، اعلیٰ خیالات اور وہ سب کچھ جس کو خدائی صفات (Divine Attributes) کہا جا سکتا ہے، وہ کبھی الحاد سے پیدا نہیں ہو سکتیں جو کہ دراصل خود بینی کی عجیب و غریب قسم ہے، جس میں آدمی اپنے آپ کو خدا کے مقام پر بیٹھا لیتا ہے، عقیدے اور یقین کے بغیر تہذیب تباہ ہو جائے گی، نظم، بے نظمی میں تبدیل ہو جائے گی، ضبط نفس اور اپنے آپ پر کنٹرول کا خاتمہ ہو جائے گا......اور برائی ہر طرف پھیل جائے گی، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خدا پر اپنے یقین کو دوبارہ مضبوط کریں''۔ **(Man God Not Stand Alone p. 123)**

سائنسدان کا 45 اشخاص کا مطالعہ:

ایک سائنسدان نے جو درازی عمر کا اندازہ لگانے میں بڑا ماہر تھا ایک مرتبہ 450 اشخاص کی عمروں کا مطالعہ کیا۔ اس کی تحقیق سے پتہ چلا کہ ان لوگوں کے زیادہ دیر زندہ رہنے کے مندرجہ ذیل اسباب تھے۔

(۱) وہ اپنے آپ کو مصروف رکھتے تھے۔
(۲) وہ ہر کام میں استدلال کو مدنظر رکھتے تھے۔
(۳) ان کی خوراک کم اور سادہ ہوتی تھی۔
(۴) وہ زندگی کے ہر پہلو سے لطف اٹھانا چاہتے تھے۔
(۵) وہ جلدی سو جاتے تھے اور جلدی اٹھ بیٹھتے تھے۔
(۶) وہ خوف اور پریشانیوں سے آزاد تھے۔ خاص طور پر موت کے خوف سے۔
(۷) ان کے ذہن بڑے پرسکون تھے اور انہیں خدا کی ذات پر اعتقاد تھا۔

موضوع نمبر ۳۶

شیطانی وساوس کا انجکشن اور جدید سائنسی تحقیقات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے اپنی کتاب فضائل ذکر میں ایک بزرگ کا قصہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے اللہ جل شانہٗ سے دعا کی کہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی صورت منکشف ہو جائے تو انہوں نے شیطان کو دیکھا کہ وہ دل کے بائیں طرف مچھر کی شکل میں ایک لمبی سونڈ منہ میں لیے بیٹھا ہے جس کو سوئی کی طرح سے دل کی طرف لے جاتا ہے اگر دل کو ذاکر پاتا ہے تو سونڈ جلدی سے کھینچ لیتا ہے اور اگر غافل پاتا ہے تو اس سونڈ کے ذریعے سے وساوس اور گناہوں کا زہر انجکشن کے طریقے سے دل میں بھرتا ہے۔

پہلے پہل اس واقعہ کو پڑھ کر حیرت ہوئی کہ کس طرح شیطان سوئی کی مانند سونڈ کے ذریعے انسان کے دل پر حملہ کرتا ہے اور سوئی چبھنے کی تکلیف بھی نہیں ہوتی، چونکہ یہ واقعہ سچا ہے اور بحمد اللہ پہلے بھی اس کے سچا ہونے میں کوئی اشکال نہیں تھا لیکن جدید سائنس نے جس طرح اور ہر معاملے میں اپنے تحقیقات کے ذریعے اسلام کی حقانیت ثابت کی ہے بالکل اسی طرح اس واقعے کی سچائی بھی ثابت ہو چکی ہے کس طرح؟ یہ آگے ملاحظہ کریں۔

شیطانی وسوسوں کا انجکشن:

بیشتر لوگ انجکشن لگوانے سے ڈرتے ہیں، خصوصاً بچے سوئی چبھنے کی تکلیف کے پیش نظر ٹیکہ نہ لگوانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اگر سوئی خراب ہو یا اسے کسی دوسرے شخص پر بھی استعمال کیا گیا ہو تو سوجن پیدا ہو سکتی ہے اور ہیپاٹائٹس (Hepatitis) اور ایچ آئی وی (Hiv) جیسے مہلک وائرس بھی ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو سکتے ہیں۔ ہیپاٹائٹس سے ورم جگر اور ایچ آئی وی سے ایڈز جیسی جان لیوا اور ناقابل علاج بیماریاں لاحق ہو سکتی ہے۔

ترقی پذیر ملکوں میں متعدی امراض سے بچاؤ کے لیے تقسیم کی جانے والی ویکسین خراب ہو جانے کے ڈر سے استعمال سے قبل منجمد کی جاتی ہے اور اس ضمن میں کی جانے والی ذراسی بے احتیاطی لاکھوں کے نقصان کا باعث بنتی ہے۔

حال ہی میں ایک نئی ٹیکنالوجی سامنے آئی ہے جس سے یہ خطرات ختم ہو جائیں گے۔ برطانوی سائنس دانوں نے طویل تحقیق کے بعد ایک ایسا سسٹم ایجاد کیا ہے جس میں ٹیکہ لگاتے ہوئے سوئی کے استعمال کی قطعی ضرورت نہیں رہتی۔

پاؤڈر جکٹ (Powder ject) نامی یہ سسٹم ایک چھوٹی گیس گن پر مشتمل ہے۔ یہ گیس گن سفوف کی شکل میں موجود دوائی جلد کے راستے جسم میں منتقل کر دیتی ہے۔ آکسفورڈ کے جان ریڈکلف اسپتال میں امراض قلب کے مریضوں کو انستھیزیا اسی آلے کی مدد سے دیا گیا ہے۔ ابھی سسٹم کو تجرباتی مرحلوں میں جانچا جا رہا ہے۔ اگر اس سے اطمینان بخش نتائج سامنے آئے تو انجکشنوں کی ۹۰ فیصد اقسام میں یہ نظام استعمال کیا جا سکے گا۔ انسولین اور متعدی امراض سے بچاؤ کے ٹیکے بھی اسی طریقے سے لگائے جا سکتے ہیں۔

اس آلے کو بٹن سے کنٹرول ہونے والے والو کے ذریعے عمل میں لایا جاتا ہے۔ یہی والو بڑے دباؤ سے ہیلیم گیس کو دھکیل کر ایک چیمبر میں پہنچا دیتا ہے جہاں ایک جھلی نما کارتوس موجود ہوتا ہے، اس کے منہ پر دوائی کا سفوف چپکایا جاتا ہے اور یوں وہ دوائی مساموں کے راستے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ فی الحال یہ کارتوس ایک بار استعمال کرنے کے بعد ضائع کر دیے جاتے ہیں۔

اسی وجہ سے دوائی سمیت ایک سنگل شاٹ فائر کی قیمت ایک ڈالر ہے، مگر کمپنی اس سلسلے میں ابھی مزید ریسرچ کر رہی ہے تاکہ یہ لاگت کم سے کم ہو سکے اور بڑے پیمانے پر اس کے استعمال میں کم خرچ آئے۔

موضوع نمبر ۳۷

سودی نظام اور جدید تحقیقات

سود ایک بدترین لعنت ہے جس معاشرے میں سود عام ہو جائے اس معاشرے میں روزی کی برکت ختم ہو جاتی ہے اور فسق و فجور عام ہو جاتا ہے ضروری نہیں کہ ہمارا مالیاتی نظام سودی منافع پر ہی منحصر ہو اس کا متبادل جائز منافع ہم وصول کر سکتے ہیں قرآن میں کئی جگہ سود کی مذمت میں وعیدیں آئی ہیں لیکن پھر بھی ہم اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ ہی کرنے کا ارادہ ہے۔

حرمت سود کے بارے میں قرآنی آیات:

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ:

یایها الذین امنو اتقو ا الله و ذرو امابقی من الربوا ان کنتم مومنین(۲۷۸)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔ (سورہ بقرہ۔۲۷۸)

فان لم تفعلو فاذنوابحرب من الله ورسوله وان تبتم فلکم روؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون(۲۷۹)

پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کا اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی دوسرا تم پہ ظلم کرنے پائے گا۔ (سورہ بقرہ۔ ۲۷۹)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

یاایھاالذین امنو لا تاکلو ا الربوا ا ضعافا مضٰعفةً واتقو الله لعلکم تفلحون

یعنی اے ایمان والو! سود مت کھاؤ دوگنا کر کے اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم میاب ہو (سورہ ال عمران۔۱۳)

سود کے بارے میں احادیث نبوی ﷺ:

حدیث: عن ابن مسعودؓ قال لعن رسول الله اکل الربوو موکله'

ترجمہ: ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے"۔

حدیث: عن جابر ابن عبدالله عن النبی صلی الله علیه وسلم لعن رسول الله اکل الربو وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء

ترجمہ: "حضرت جابر ابن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر اور کھلانے والے پر اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ سب برابر ہیں"۔

حدیث: عن علی ابن ابی طالب قال لعن رسول الله اکل الربوو موکله

ترجمہ: حضرت علی ابن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے سود کھانے والے پر اور کھلانے والے پر.....!

حدیث: عن عبدالله بن حنظلةغسیل الملکة قال رسول الله درهم ربا یاکله الرجل وهو یعلم اشد من ستة وثلاثین زنیة"

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ جو غسیل الملائکہ حضرت حنظلہؓ کے بیٹے ہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سود کا ایک درہم جسے کوئی شخص حرمت سود کا علم رکھنے کے باوجود کھاتا ہے تو اس کا گناہ ۳۶ مرتبہ زنا کرنا سے بھی زیادہ ہے۔"

حدیث: عن ابن مسعودؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الربو ثلاثة وسبعون باباً الیها مثل ان ینکح الرجل امه وان اربی الربا عرض الرجل المسلم

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ سود کے عذاب کی ۷۳ اقسام ہیں ان میں سب سے ادنیٰ قسم اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنا ہے اور سب سے بڑا سود یہ ہے کہ کسی مسلمان کی عزت لوٹی جائے۔"

حدیث: "عن ابی هریره قال قال رسول الله لیلة اسری بی علی قوم بطونهم کالبیوت فیها الحیات تری من خارج بطونهم فقلت من هولاء؟ قال هولاء اکلة الربا."

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ مجھے معراج کی رات ایسی قوم پر لے جایا گیا۔ جن کے پیٹ گھروں کی طرح تھے (بڑے تھے) ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو پیٹوں کے باہر سے نظر آرہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا کہ یہ سود خور ہیں۔"

حدیث: "عن ابن مسعودؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ماظهر فی قوم الزنا والربا الا احلو علی انفسهم عتاب الله."

ترجمہ: "حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی قوم میں نہیں پھیلتا زنا اور ربا مگر جب بھی پھیلتا ہے تو وہ اپنے اوپر اللہ کا عذاب نازل کروالیتی ہے۔"

سود کے معاشی نقصانات پر مفتی تقی عثمانی صاحب کی تحقیقات

سود کے نقصان دہ اثرات:

سودی قرضوں کا دائمی رجحان یہ ہے کہ وہ مالداروں کو فائدہ اور عام آدمیوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ پیدائش دولت، وسائل کی تخصیص اور تقسیم دولت پر بھی منفی اثرات لاتے ہیں، ان میں سے چند اثرات ذیل میں درج ہیں:

(۱) وسائل کی تخصیص پر اثرات بد:

موجودہ بینکاری نظام میں قرضے زیادہ تر ان لوگوں کو دیئے جاتے ہیں جو مال و دولت کے لحاظ سے خوب مضبوط ہوتے ہیں اور وہ ان قرضوں کے لیے آسانی کے ساتھ رہن (گروی) مہیا کر سکتے ہیں، ڈاکٹر عمر چھاپرا جو اس مقدمہ میں بطور عدالتی مشیر تشریف لائے تھے انہوں نے ان اثرات کو درج ذیل الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

> ''اسی لیے قرضے لیسٹر تھرو کے قول کے مطابق ان لوگوں کو دیئے جاتے ہیں جو خوش قسمت ہوں نہ کہ وہ حاجت مند اور مستحق ہوں، اسی لیے موجودہ بینکاری نظام تقسیم دولت کا غیر عادلانہ نظام مسلط کرتا ہے، یہاں تک کہ مورگن گارنٹی ٹرسٹ کمپنی جو امریکا کا چھٹا سب سے بڑا بینک ہے اس نے تسلیم کیا ہے کہ بینکاری نظام ان لوگوں کو سرمایہ فراہم کرنے میں ناکام رہا ہے جو چھوٹی کمپنیاں ہوں یا شراکت داری کرنا چاہتی ہوں اور بینکوں کے سرمایہ کی زیادتی بھی انہیں صرف ان کمپنیوں کو تمویل کرنے پر ہی ابھارتی ہیں جن کے پاس زیادہ مال ہوتا ہے لہٰذا اگرچہ بینکوں کی زیادہ تر آمدنی آبادی کی اکثریت سے آتی ہے لیکن اس کا فائدہ مجموعی طور پر مالدار لوگ ہی اٹھاتے ہیں''۔

(ڈاکٹر چھاپرا کا تحریری بیان بعنوان ''اسلام نے سود کو کیوں حرام قرار دیا'' ص ۱۸)

مندرجہ بالا اقتباس کی سچائی کا اندازہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی ستمبر ۱۹۹۹ء کی شماریاتی رپورٹ میں کیا جاسکتا ہے کہ کل ۲۱ لاکھ ۸۴ ہزار ۴ سو ۱۷ (۲۱۸۴۴۱۷) کھاتے داروں میں صرف ۹ ہزار ۲ سو ۶۹ (۹۲۶۹) افراد نے (جو کہ مجموعی کھاتوں کا ۰.۴۲۴۳٪ فیصد ہیں) ۴۳۶۶۶۷ روپے کا فائدہ اٹھایا جو ۱۹۹۸ء کے دسمبر کے اخیر تک مجموعی تمویلات کا ۶۴.۵٪ فیصد حصہ ہیں۔

(۲) پیداوار پر برے اثرات:

چونکہ سود پر مبنی نظام میں سرمایہ مضبوط رہن (گروی) کی بنیاد پر فراہم کیا جاتا ہے اور فنڈز کا استعمال تمویل کے لیے کسی قسم کا بنیادی معیار قائم نہیں کرتا اسی واسطے یہ لوگوں کو اپنے وسائل کے پار رہنے پر مجبور کرتا ہے، مالدار لوگ صرف پیداواری مقاصد کے لیے قرضے نہیں لیتے عیاشانہ خرچوں کے لیے بھی قرضے لیتے ہیں۔ اسی طرح حکومت صرف حقیقی ترقیاتی پروگرام کے لیے قرضے نہیں لیتی بلکہ فضول اخراجات اور اپنے ان سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے بھی قرضے لیتی ہے جو صحت مند معاشی فیصلوں پر مبنی نہیں ہوتے، منصوبوں سے غیر مربوط قرضے جو کہ صرف سود پر مبنی نظام میں ہی ممکن ہیں ان کا فائدہ قرضوں کے سائز کو خطرناک حد تک بڑھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ۱۹۹۸ء سے ۱۹۹۹ء تک کے بجٹ کے مطابق ہمارے ملک کے ۴۶٪ فیصد اخراجات صرف قرضوں کی ادائیگی پر خرچ ہوئے جبکہ صرف ۱۸ فیصد ترقیات پر لگے جن میں تعلیم وصحت اور تعمیرات شامل ہیں۔

(۳) اثرات بد تقسیم دولت پر:

ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب تجارت کو سود کی بنیاد پر فائنانس (تمویل) کیا جائے تو سود پر مبنی تمویل اس وقت تک مقروض کو مزید نقصان پہنچاتی ہے جب وہ تجارتی خسارہ کا شکار ہو یا پھر وہ قرض دینے والے کو نقصان پہنچاتی ہے اگر مقروض اس سے عظیم نفع

کمائے۔

سودی نظام میں مذکورہ دونوں صورتیں مساوی طور پر ممکن ہیں اور اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں کہ جس میں سود کی ادائیگی نے چھوٹے تاجروں کو تباہ کر دیا ہے لیکن ہمارے موجودہ بینکاری نظام میں تمویل کرنے والے کے ساتھ ہونے والا ظلم کہیں زیادہ ہے اور اس کی وجہ سے تقسیم دولت کا نظام بہت بری طرح متاثر ہوا ہے

جب اس صورت حال کو اس حقیقت کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے جیسے پیچھے بھی ذکر کیا گیا تھا کہ مجموعی تمویلات کا ۵٪ ۶۴ء فیصد صرف ۳٪ ۲۲۴ء فیصد کھاتہ داروں کو دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کئی لاکھ (ملینز) افراد کی رقوم سے صرف ۹ ہزار ۲ سو ۶۹ افراد نے فائدہ اٹھایا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں موجود تقسیم دولت کی ناہمواریوں اور ناانصافیوں میں اس قسم کی تمویلات نے کتنا بڑا کردار ادا کیا ہے اور بہ نسبت اس پرانے صرفی سود کے جو چند افراد پر انفرادی طور پر ظلم کرتا تھا اس جدید تجارتی سود نے پورے معاشرے کے ساتھ مجموعی طور پر کس قدر زبردست ظلم کیا ہے۔

موجود سودی نظام کس طرح امیروں کے لیے کام کرتا ہے اور کس طرح غریب کو مار دیتا ہے یہ بات رابرٹسن نے درج ذیل الفاظ میں بیان کی ہے۔

> ''سود کا ایک عام کردار معاشی نظام میں یہ ہوتا ہے کہ یہ خود کار طریقہ سے غریب سے امیر کی طرف سرمایہ کا انتقال کا سبب بنتا ہے اور پھر غریب سے امیر کی طرف انتقال سرمایہ تیسری دنیا کے ممالک کے قرضوں کے ذریعہ اور بھی زیادہ چونکا دینے کی حد تک واضح ہو گیا ہے لیکن یہ اصول پوری دنیا پر لاگو ہوتا ہے۔ اگر ہم نظام سرمایہ پر غور کرتے ہیں کہ کب اور کس طرح ہم اس قابل ہوں گے کہ اس نظام کو دوبارہ از سر نو اس طرح ترتیب دیں کہ وہ نظام انصاف کے ساتھ بہترین طریقے سے چل سکے تو پھر سود اور افراط زر سے آزاد نظام کے دلائل اس ۲۱ ویں صدی کے لیے بڑے مضبوط دکھائی دیتے ہیں''۔

یہی منصف ایک دوسری کتاب میں درج ذیل بات بیان کرتا ہے:

''انتقال نفع غریب سے امیر کی طرف، غریب جگہوں سے، امیر

جگہوں کی طرف غریب ممالک سے امیر ممالک کی طرف موجودہ مالیاتی تمویلی نظام کی بجہ سے ایک وجہ غریب سے امیر کی طرف انتقال سرمایہ کی سود کی ادائیگی اور وصولی ہے جو معشیت کے اندر ایک کردار ادا کرتی ہے۔"

(۴) مصنوعی سرمایہ اور افراط زر کا اضافہ:

چونکہ سودی قرضے حقیقی پیداوار کے ساتھ کوئی خاص رابطہ نہیں رکھتے اور تمویل کرنے والا ایک مضبوط گروی حاصل کرنے کے بعد عموماً اس کا کوئی خیال نہیں کرتا کہ اس کی رقم مقروض کہاں استعمال کر رہا ہے۔

نیز بینکوں اور مالیاتی اداروں کے ذریعے سرمایہ کی فراہمی ورسدان اشیاء یا خدمات سے کوئی تعلق یا رابطہ نہیں رکھتی جو واقعات کی دنیا میں پیدا کی گئی ہیں، اس طرح یہ صورتحال سرمایہ کی رسد اور اشیاء وخدمات کی پیداوار کے درمیان ایک سنگین حد تک عدم توازن پیدا کرتی ہے، یہی درحقیقت ایک واضح وجہ ہے۔ جو افراط زر سے پیدا کرتی یا اسے مزید بھڑکاتی ہے۔

مذکورہ بالا صورتحال کو جدید بینکوں کے اس عمل نے خوفناک حد تک بڑھا دیا ہے جو تخلیق زر کے نام سے مشہور ہے، معاشیات کی ابتدائی کتابیں بھی عموماً تعریفی انداز میں ذکر کرتی ہیں کہ اس طرح بینک سرمایہ تخلیق کرتے ہیں؟ بینکوں کے اس بظاہر ''معجزانہ کردار'' کو بعض اوقات افزائش پیداوار اور خوشحالی لانے کا ایک اہم ذریعہ قرار دیا جاتا ہے، لیکن موجودہ بینکاری کے چیئرمین اس تصور کے ذیل میں موجود خرابیوں کو بہت کم منکشف کرتے ہیں۔

موجودہ بینک کسی چیز کے بغیر تخلیق زر کرتے ہیں، انہیں اپنے کھاتوں کے مقابلے میں دس گناہ زائد قرضے دینے کی بھی اجازت ہوتی ہے اس واسطے حکومت کے حقیقی ذخائر اور قرضوں سے آزاد سکے اور روپے کی تعداد گردش کرنے والے مجموعی روپوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں ان میں سے اکثر مصنوعی ہیں اور ان کو بینکوں کی تمویل کی وجہ سے پیدا کیا گیا ہے، حکومت کے جاری کیے ہوئے حقیقی روپے کی تعداد روز بروز اکثر ممالک میں کم ہوتی

جاری ہے جب کہ بینکوں کے پیدا کیے ہوئے روپے کی جن کی پشت پر کچھ نہیں ہے تعداد مستقل بڑھ رہی ہے قرضوں اور قرضوں کا یہ چکر اب سرمایہ کاری کی رسد کا ایک عظیم حصہ بن چکا ہے اور حکومت کے جاری کیے ہوئے حقیقی زر کا تناسب اکثر ملکوں میں مسلسل بڑھ رہا ہے۔

برطانیہ کی مثال لیجیے ۱۹۹۷ء کی مردم شماریاتی رپورٹ کے مطابق مجموعی زر کا اسٹاک ۶۸۰ بلین پاؤنڈ حکومت برطانیہ نے سکوں اور کاغذی نوٹ کی شکل میں جاری کیے اس کے علاوہ بقیہ ۶۵۵ بلین پاؤنڈ بینکوں کی تخلیق کے ذریعے پیدا ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی رسد سرمایہ کا صرف ۳ء۶٪ قرضوں سے آزاد سرمایہ تھا جبکہ بقیہ ۹۶ء۴٪ بینکوں کے پیدا کیے ہوئے بلبلہ یا جھاگ کے سوا کچھ نہ تھا۔

دنیا کی پوری معیشت اس طرح ایک غبارے کی شکل اختیار کر چکی ہے جو روز بروز ایسے نئے قرضوں اور تمویلی معاملات سے پھولتا جا رہا ہے جس کا حقیقی معیشت سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ بڑا غبارہ بازار کے جھٹکوں کی زد میں ہے اور کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے اور ماضی قریب میں ایسا متعدد مرتبہ ہو چکا ہے خصوصاً جبکہ ایشین ٹائیگرز مکمل تباہی کے کنارے پہنچے اور ان کے جھٹکے پورے عالم میں محسوس کیے گئے اور میڈیا نے یہ شور مچایا کہ مارکیٹ کی معیشت اپنے آخری سانس لے رہی ہے۔

آج پوری دنیا کی خطرناک صورتحال دراصل سود پر مبنی نظام کو معیشت پر بے قابو اختیار دیئے جانے کا نتیجہ ہے۔ کیا کوئی شخص پھر بھی یہ اصرار کر سکتا ہے کہ تجارتی سود ایک معصومانہ معاملہ ہے؟ درحقیقت تجارتی سود کے بحیثیت مجموعی نقصانات ان صرفی سود کے معاملات سے کہیں زیادہ ہیں جس سے گذشتہ زمانے میں چند افراد انفرادی طور پر متاثر ہوتے تھے۔

سودی نظام کے نقصانات پر جدید تحقیقات:

اسلام نے امور جاہلیت میں سے کسی امر کو باطل ٹھہرانے کے سلسلے میں اس کی اتنی مذمت نہیں کی جتنی سود کی کی ہے اصل میں سود خور آدمی تاجر زیادہ ہوتا ہے اور آدمی کم۔ اس میں انسانی اخلاق وعادات کا فقدان ہوتا ہے۔ اور اس کے سامنے روپے پیسے کے علاوہ کوئی

دوسرا مطمع نظر نہیں ہوتا اسلام اس نظریہ کے دو جہتوں سے اختلاف رکھتا ہے۔

اسلام ایک طرف انسان کو انسان دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کا دل قوم کے ہر دور میں دھڑکے اور وہ دوسروں کے رنج وغم اور دکھ درد کا پاس رکھے۔ جبکہ سود خور اس کے برعکس اپنی مقررہ مدت پوری ہو جانے کے بعد رحم وکرم کے تمام مفاہیم کو فروگزاشت کر دیتا ہے وہ ہر امکانی طریقے سے سود چاہتا ہے۔ چاہے اس سود کی ادائیگی میں مقروض کا گھر بکتا ہے تو بک جائے اس کے بچے فاقے سے مر رہے ہیں تو مر جائیں لیکن اسے سود ضرور مل جائے اور اگر کسی سود خور میں اتنی شقاوت و بے رحمی نہ بھی ہو تو بھی وہ یہ نہیں کر سکتا کہ انسان کی مجبوری کے پیش نظر اس مہینے یا اس سال کا سود معاف کر دے وہ اپنے حساب کو بڑھاتا ہی چلا جائے گا۔ چاہے رقم ایک صدی کے بعد وصول ہو۔

اور دوسری طرف اسلام اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتا کہ انسان اپنے سماجی حالات کا اسیر ہوتا ہے۔ معاشرے میں کوئی شہزور ہوتا ہے اور کوئی کمزور۔ کوئی غنی ہوتا ہے اور کوئی فقیر۔ اس لیے ہر ایک کے ساتھ ایک سی برابری ومساوات کا سلوک کرنا چاہیے۔ کسی پر کوئی دباؤ ڈالنا انسانی غیرت وشرافت کے منافی ہے۔ سرمایہ دار کو اللہ نے دولت سے نوازا ہے تو وہ کھائے پیئے، عیش کرے، لطف اٹھائے اور جو چاہے مرضی کرے لیکن یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کی عزت کا مذاق اڑائے، ان کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے پنجہ استبداد میں جکڑے اور ان پر ایسے حالات کا بوجھ ڈال دے کہ وہ سوسائٹی میں سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔

سود...... وہ معاملہ! کہ جس کے کرنے والے کے خلاف اللہ اور رسول ﷺ کا اعلان جنگ ہے۔

ترہیب! کیسی خوفناک ہے یہ ترہیب جو دلوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔

''اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی سود نہ چھوڑا) تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے اعلان جنگ سن لو۔

اف! کس قدر ہولناک ہے یہ ترہیب! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے اعلان جنگ! جس سے سودی کاروبار کرنے والے دوچار ہوں گے مہیب جنگ! جس کا انجام معلوم اور نتیجہ متعین ہے۔

یہ جنگ ہمیشہ بھڑکتی رہے گی! یہ وہ جنگ ہے کہ جس کا اعلان اللہ نے سودی کاروبار کرنے والے کے خلاف کیا ہے۔ یہ جنگ "آج" بھی بھڑکی ہوئی ہے مگر نوع انسانی غفلت میں مبتلا ہے۔ وہ کارخانوں سے پیداوار کے عظیم ذخائر نکلتے ہوئے دیکھتی ہے اور خیال کرتی ہے کہ وہ خوب کمارہی ہے۔ اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ پیداوار کے یہ عظیم ذخائر نوع انسانی کو سعادت سے ہمکنار کرسکتے ہیں بشرطیکہ یہ کسی پاکیزہ سرچشمے سے حاصل ہوئے ہوتے۔ لیکن یہ تو گندے سرچشموں سے نکل رہے ہیں۔ اور اپنے زہریلے اثرات سے انسانیت کا بے دردی سے گلا گھونٹ کر اسے ختم کردینے پر تلے ہوئے ہیں۔

واضح رہے کہ نکاس کی نالیوں سے صرف نکاس کا گندا پانی ہی نکلا کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے میٹھے پانی کے نکلنے کی خواہش و آرزو کرے تو یہ اس کی حماقت کا ایک بین ثبوت ہے۔

اس کے علاوہ سودی نظام خالص اقتصادی اور معاشی پہلو سے بھی فاسد اور شرمناک پہلو لیے ہوئے ہے۔ اس کا فساد اس حد تک بڑھا ہوا ہے۔ کہ خود مغرب کے بعض ماہرین اقتصادیات جو اس نظام کے سائے میں پروان چڑھے ہیں اور جن کا عقول اور ثقافت کی رگ رگ میں وہ زہر جو سرمایہ دار گروہ نے ثقافت، فکر و اخلاق کے تمام گوشوں میں پھیلا رکھا ہے۔ سرایت کیے ہوئے ہے اس نظام کے مفاسد سے آگاہ ہوگئے ہیں۔

دور جدید میں مغرب کا امام "لارڈ کینز" لکھتا ہے کہ جب تک دنیا میں سے سود کو ختم نہیں کیا جائے گا بے روزگاری کا مسئلہ حل طلب رہے گا۔ چنانچہ کینز کے نزدیک سرمایہ دار طبقہ کی استحصالی قوت کو توڑنے کا سب سے موثر راستہ سود کا خاتمہ ہے۔

سود کے نقصانات:

گذشتہ بحث کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سود نہ تو کوئی معقول چیز ہے، نہ انصاف کا تقاضا ہے، نہ وہ کوئی معاشی ضرورت ہے اور نہ ہی فی الحقیقت اس میں فائدے کا کوئی عنصر موجود ہے۔ لیکن سود کی حرمت صرف ان منفی اسباب پر ہی مشتمل نہیں ہے بلکہ اس

کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ قطعی طور پر ایک نقصان دہ چیز ہے۔ سطور ذیل میں ہم سود کے کچھ نقصانات کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سود کے اخلاقی نقصانات:

سود کے حرام ہونے کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ وہ تمام اخلاقی قدروں کو پامال کر کے خود غرضی، بے رحمی، سنگدلی، زر پرستی اور کنجوسی کی صفات پیدا کرتا ہے، اس کے برعکس اسلام ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے جو رحم و کرم، محبت و مودت، ایثار، تعاون اور بھائی چارے کی بنیاد پر قائم ہو، اس میں تمام انسان مل جل کر زندگی گذاریں، ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آئیں، غریبوں اور ناداروں کی امداد کریں، دوسروں کے نفع کو اپنا نفع اور دوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھیں، انسانوں میں یہ تمام صفات پیدا کر کے اسلام انہیں انسانیت اور شرافت کے اس اوج کمال تک پہنچانا چاہتا ہے جہاں سے انہیں ''اشرف المخلوقات'' کا خطاب عطا ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف سود (خواہ وہ تجارتی ہو یا مہاجنی) جس ذہنیت کو جنم دیتا ہے اس میں ان اخلاقی اوصاف کی کوئی جگہ نہیں قرض دینے والے ساہوکار کو بس اپنے سود کی تو پرواہ ہوتی ہے، آگے اسے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ مقروض کو نفع ہوا یا نقصان؟ نفع ہوا تو کتنا؟ کتنی مدت میں؟ اور کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد؟

وہ مسلسل اپنے دیئے ہوئے مال پر منافع وصول کرتا رہتا ہے، اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ مقروض کو جتنا ہو سکے بہت کم وقت میں نفع ہوتا کہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا سود بڑھتا اور چڑھتا رہے اسے مدیون کے نقصان کا بھی کوئی غم نہیں ہوتا کیونکہ نفع نقصان کی ہر شکل میں اس کا نفع کھرا رہتا ہے۔ یہ چیز خود غرضی کو اس قدر بڑھا دیتی ہے کہ یہ ایک سرمایہ دار کسی حاجت مندانہ قرضہ میں بھی اپنی رقم کو بلا سود لگانے پر راضی نہیں ہوتا۔

وہ یہ سوچتا ہے کہ میں یہ فاضل رقم کسی تاجر کو کیوں نہ دوں تا کہ گھر بیٹھے ایک معین نفع مجھے حاصل ہوتا رہے، اس خیال کے پیش نظر اگر ایک شخص کے گھر میں بے گور و کفن لاش پڑی ہے یا اس کا کوئی عزیز دم توڑ رہا ہے وہ بھی اس کے پاس آ کر اس سے قرض مانگے گا تو

وہ یا تو انکار کردے گا یا تمام اخلاقی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر اس سے بھی سود کا مطالبہ کرے گا۔

ایسے مواقع پر بالعموم حرام کھاتے کھاتے قساوت قلب کی یہ صفت اس درجہ رنگ جمالیتی ہے کہ اس وقت آپ کے مدلل لکچر اور پر اثر مواعظ کچھ کام نہیں آتے۔ سود خور دولت مند کو اپنے چاروں طرف پیسہ ہی ناچتا نظر آتا ہے اس لیے اس وقت آپ کو اس سے یہ شکایت ہونی بھی نہ چاہیے کہ وہ ہماری بات کیوں نہیں سنتا؟ اور ہمارے مواعظ کا کیوں اثر نہیں لیتا؟ اس کے پاس بزبان حال یہ جواب ہے کہ:

اندرون قعرِ دریا تختہ بندم کردئی
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

پھر جب یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ فاضل سرمایہ اس قدر نفع بخش ہے کہ اس سے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر بھی ایک یقینی نفع حاصل ہوسکتا ہے تو ان میں زراندوزی کا جذبہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا ہے اور وہ پیسہ بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور بسا اوقات وہ اسی حرص کے نشے میں ناجائز ذرائع سے روپیہ کمانے کی فکر کرتے ہیں اور کچھ نہیں تو یہ چیز ان میں کنجوسی تو ضروری ہی پیدا کردیتی ہے، اور اس مرحلہ پر زراندوزی کے میدان میں ریس شروع ہوتی ہے۔

ہر شخص چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے زیادہ پیسہ جمع کرلوں، اور پھر یہ ریس حسد، بغض اور عداوت کو جنم دیتی ہے، بھائی سے بھائی کی لڑائی ہوتی ہے، دوست سے دوست جلنے لگتا ہے، باپ کو بیٹے کے اور بیٹے کو باپ کے نقصان کی کوئی پرواہ نہیں رہتی یہاں تک کہ نفسی نفسی کے اس محشر میں انسانیت سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہے۔

یہ محض خیالی باتیں نہیں ہیں، آپ اپنے گردوپیش پر نظر ڈال کر دیکھئے کہ کیا آج یہ سب کچھ نہیں ہورہا ہے؟

آپ کو جواب اثبات میں ملے گا اور اگر آپ نے انصاف سے کام لیا تو آپ پر یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ یہ سب کچھ ''سود'' ہی کے شجر خبیثہ کے پھل پھول ہیں اور اگر ہمیں ان تمام ناہمواریوں کو دور کرنا ہے تو ہمیں ہمت کرکے اسی شجرۂ خبیثہ پر کلہاڑا چلانا پڑے گا اور اگر ہم اصلاح وتبلیغ کے صرف لفظی طریقے اختیار کرتے رہے تو ہماری مثال اس احمق سے

مختلف نہ ہوگی جو بدن پر جا بجا نکلی ہوئی پھنسیوں کا علاج صرف پاؤڈر چھڑک کر کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح اس شخص کو کبھی شفاء حاصل نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ وہ بیماری کی اصل جڑ کو پکڑ کرا سے ختم نہ کرڈالے اسی طرح ہم بھی اپنے معاشرے کو اس وقت تک صحت مند نہیں بنا سکتے جب تک کہ سود کی لعنت سے چھٹکارا نہ پالیں۔

سود کے تمدنی نقصانات:

تمدنی حیثیت سے سود کے نقصانات دیکھیں تو بادنی تامل یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آجائے گی کہ جس سوسائٹی میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ خود غرضی کا معاملہ کریں۔ کوئی شخص اپنی ذاتی غرض اور اپنے ذاتی فائدے کے بغیر کسی کے کام آئے۔ ایک آدمی کی حاجت مندی کو دوسرا آدم اپنے لیے نفع اندوزی کا موقع سمجھے تو ایسی سوسائٹی (Society) کبھی مستحکم (Strong) نہیں ہوسکتی ہے۔

اس سے افراد میں آپس کی محبت کے بجائے باہمی بغض وحسد اور بے دردی و بے تعلقی نشو ونما پائے گی۔ اس کے اجزاء ہمیشہ انتشار و پراگندگی کی طرف مائل رہیں گے اور اگر دوسرے اسباب بھی اس صورتحال کے لیے مددگار ہو جائیں تو ایسی سوسائٹی کے اجزاء کا باہمی متصادم ہو جانا بھی کچھ بعید از امکان نہیں ہے۔

سود کے معاشی نقصانات:

اب معاشی حیثیت سے دیکھیں معاشیات کے نقطہ نظر سے سودی کاروبار کی مختلف اقسام ہیں۔

ایک وہ قرض جو اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے مجبور اور حاجت مند لوگ لیتے ہیں۔

دوسرا وہ قرض جو تجارت، صنعت وحرفت اور زراعت وغیرہ کے کاموں پر لگانے کے لیے پیشہ ور لوگ لیتے ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم کے قرض کو تو پوری دنیا جانتی ہے کہ سود پر

سود وصول کرنے کا طریقہ نہایت تباہ کن ہے۔ دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے کہ جس میں مہاجن افراد اور مہاجی ادارے اس ذریعے میں غریب مزدورں کاشتکاروں اور قلیل المعاش عوام کا خون نہ چوس رہے ہوں۔ سود کی وجہ سے اس قسم کا قرض ادا کرنا نہایت مشکل بلکہ بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ پھر ایک قرض کو ادا کرنے کے لیے وہ دوسرا اور تیسرا قرض لیتے چلے جاتے ہیں۔

اصل رقم سے کئی کئی گناہ سود دینے کے بعد بھی راس المال ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے۔ محنت پیشہ آدمی کی آمدنی کا بیشتر حصہ مہاجن ہی لے جاتا ہے۔ اور اس غریب کی اپنی کمائی میں سے اس کے پاس اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے بھی ضرورت کے مطابق روپیہ نہیں بچتا یہ چیز رفتہ رفتہ اپنے کام سے فرد کی دلچسپی ختم کر دیتی ہے۔ کیونکہ جب ان کی محنت کا پھل کوئی دوسرا لے اڑے تو وہ کبھی دل لگا کر محنت نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ سودی قرض کے جال میں پھنسے ہوئے لوگوں کو ہر وقت کی فکر اور پریشانی اس قدر گھلا دیتی ہے اور تنگ دستی کی بدولت وہ صحیح غذا اور علاج سے محروم ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی محنتیں کبھی بھی درست نہیں ہوتی مختصر یہ کہ سودی قرض کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ چند افراد تو لاکھوں آدمیوں کا خون چوس چوس کر موٹے ہوتے رہتے ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی پوری قوم کی پیدائش دولت اپنے امکانی معیار کی بہ نسبت بہت گھٹ جاتی ہے۔

ربا دوسری قسم کا قرض جو کاروبار میں لگانے کے لیے لیا جاتا ہے۔ تو اس پر ایک مقررہ شرح سود کے عائد ہونے سے جو بے شمار نقصانات پہنچتے ہیں ان میں سے چند نمایاں ترین یہ ہیں۔

(1) جو کام رائج الوقت شرح سود کے برابر نفع نہ لا سکے چاہے ملک اور قوم کے لیے کتنے ہی ضروری اور مفید ہوں۔ ان پر لگانے کے لیے روپیہ نہیں ملتا اور ملک کے تمام مالی وسائل کا بہاؤ ایسے کاموں کی طرف ہو جاتا ہے۔ جو بازار کی شرح سود کے برابر یا اس سے زیادہ نفع لا سکتے ہوں چاہے اجتماعی حیثیت سے ان کی ضرورت اور ان کا فائدہ بہت کم ہو یا کچھ بھی نہ ہو۔

(2) جن کاموں کے لیے سود پر سرمایہ ملتا ہے خواہ وہ تجارتی کام ہوں یا صنعتی یا زراعتی ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے۔ جس میں اس امر کی ضمانت موجود ہو کہ ہمیشہ تمام

حالات میں اس کا منافع ایک مقرر میعاد مثلاً پانچ، چھ یا دس فیصد تک یا اس سے اوپر اوپر ہی رہے گا۔ اور کبھی اس سے نیچے نہیں گرے گا اس کی ضمانت ہونا تو درکنار کسی بھی کاروبار میں سرے سے اس بات کی ضمانت ہی نہیں ہوتی کہ اس میں منافع ضرور ہوگا۔ نقصان کبھی نہ ہوگا۔ لہٰذا کسی کاروبار میں ایسے سرمائے کا لگنا جس پر سرمایہ کو ایک مقررہ شرح کے مطابق منافع دینے کی ضمانت دی گئی ہو نقصان اور خطرے (Risk) کے پہلوؤں سے کبھی بھی خالی نہیں ہوتا۔

(3) چونکہ سرمایہ دینے والا کاروبار کے نفع ونقصان میں شریک نہیں ہوتا بلکہ صرف منافع اور وہ بھی ایک مقرر شرح منافع کی ضمانت پر روپیہ دیتا ہے۔ اس وجہ سے کاروبار کی بھلائی و برائی سے ان کو کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ انتہائی خودغرضی کے ساتھ صرف اپنے منافع پر نگاہ رکھتا ہے۔ اور جب کبھی بھی اسے ذرا سا بھی اندیشہ لاحق ہوتا ہے کہ منڈی پر کساد بازاری کا حملہ ہونے والا ہے۔ تو سب سے پہلے وہ اپنا روپیہ کھینچنے کی فکر کرتا ہے۔ اس طرح کبھی تو اس کے خود غرضانہ اندیشوں ہی کی بدولت منڈی پر کساد بازاری کا واقعی حملہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر کبھی دوسرے اسباب سے کساد بازاری آ گئی تو سرمایہ دار کی خود غرضی اس کو بڑھا کر انتہائی تباہ کن حد تک پہنچا دیتی ہے۔

سود کے یہ تین نقصانات ایسے واضح ہیں کہ کوئی ایسا شخص جو علم المعیشت سے تھوڑا سا بھی مس رکھتا ہو ان کا انکار نہیں کر سکتا اس کے بعد یہ ماننے بغیر کیا چارہ ہے کہ کہ فی الواقع اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی رو سے سود معاشی دولت کو بڑھاتا نہیں گھٹاتا ہے۔

سود کے روحانی نقصانات:

روحانی حیثیت سے سود کے نقصانات دیکھئے کہ:

(۱) انسانی اخلاق میں سب سے بڑا جوہر ایثار و سخاوت کا ہے کہ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچانے کا جذبہ ہو۔ سود کے کاروبار کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ جذبہ فنا ہو جاتا ہے۔ سود خور اپنے پاس سے کسی کو نفع پہنچانا تو کیا دوسرے کو اپنی کوشش اور اپنے سرمایہ سے اپنے برابر آتا نہیں دیکھ سکتا۔

(۲) وہ مصیبت زدہ پر رحم کھانے کی بجائے اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔

(۳) سودخوری کے نتیجے میں مال کی حرص اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس میں مست ہو کر سود خور اپنے بھلے اور برے کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ اور اپنے انجام بد سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں سود کے نقصانات کا کسی قدر احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان میں لازماً اتنے زیادہ نقصانات ہیں کہ انسانی اعداد وشمار ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اَمتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ سود کے نقصانات بھی واضح ہو رہے ہیں۔

(بحوالہ اسلام اور سودی نظام)

سود کی لعنت اور مغربی تحقیقی اداروں کی ریسرچ:

سرمایہ دارانہ نظام کو جو چیز غذا بہم پہنچا رہی ہے وہ ''سود'' ہے اس نظام کے اندر افراد کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی کو جمع کریں اور پھر اسے سود پر حاجت مندوں کو دیں۔ سود ایک قابل نفرت برائی کی حیثیت سے تو پہلے بھی سوسائٹی میں چلا آتا تھا مگر جدید نظام کا کمال یہ ہے کہ اس نے اس برائی کو عین بھلائی میں، اور اس ظلم کو عین خدمت میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس وجہ سے اب معاشی نظام اس طرز پر ڈھالا گیا ہے کہ سوسائٹی بجائے پوری انسانیت کی پاسبان بننے کے صرف سودخوروں اور اس کے ساتھیوں کی محافظ بن کر رہ گئی ہے۔ اس وجہ سے سماج میں ایک ایسے طاقتور طبقے نے جنم لیا جو عوام سے ہر طرح کا فائدہ تو اٹھاتا ہے مگر ان کی مصیبتوں میں کسی طرح بھی شریک نہیں ہوتا۔ اسے اگر کوئی غرض ہے تو اپنے ''معین معاوضہ'' سے ہے۔

وہ جب یہ دیکھتا ہے کہ کاروبار ترقی کر رہا ہے تو پھر بے دریغ اپنا روپیہ لگاتا ہے۔ اس طرح سود کی شرح بڑھتی ہے اور پھر نفع کے امکانات مخدوش ہو جاتے ہیں۔ اس کی اپنی ہی ''کرم فرمائیوں'' سے جب کاروبار سرد پڑنے لگتا ہے تو پھر یہ ظالم بجائے سماج کی امداد

کرنے کے ان پر آشوب حالات میں اپنا لگا ہوا سرمایہ واپس لینا شروع کر دیتا ہے۔ سرمایہ کاری میں کمی ہو جانے کی وجہ سے سوسائٹی میں کام کا دائرہ اور بھی سکڑ جاتا ہے یہاں تک کہ ساری دنیا پر سخت کساد بازاری کی آفت آ پڑتی ہے۔ مگر ان حالات میں بھی نقصان زحمت اور خطرے سب دوسروں کے لیے ہیں وہ خود ان آفتوں سے بالکل محفوظ ہوتا ہے۔

سودخوری اور مشہور مفکر لارڈ کینز کی ریسرچ:

مشہور مفکر لارڈ کینز (Keynes) نظام سرمایہ داری کی بدحالی کا ذکر کرتے ہوئے سود کو اس کا سب سے بڑا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اس کا تجزیہ یہ ہے کہ سود کے بڑھنے سے منافع کے امکانات گھٹ جاتا ہیں اور جب سوسائٹی پر یہ کیفیت طاری ہو جائے تو کاروبار سرد ہو جاتا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ ''یہ بحران اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ شرح سود معاشی مشین کے پہیوں کو روک لگاتا ہے۔''

سرمایہ دار طبقے کا یہ سنگدلانہ اور ظالمانہ رویہ صرف کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ قوم وملت کے ساتھ بھی وہ یہی سلوک روا رکھتا ہے۔ وہ اگر قوم اور ملک کو بھی اپنا روپیہ مستعار دیتا ہے تو اس شرط پر کہ اسے بہر حال اپنا ''منافع'' ملنا چاہئے۔ حد یہ ہے کہ اگر ان پر کوئی آفت بھی آئے اور افراد کو اپنی جانوں تک کی قربانی دینی پڑے تو ان حالات میں بھی اس ذلیل طبقے کا مطالبہ بہر حال اپنی جگہ اٹل رہتا ہے کہ ان کے سرمائے پر اتنے فی صدی سود سالہا سال تک ضرور ادا ہوتے رہنا چاہئے سود کے اصول پر منافع کے یک طرفہ بہاؤ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پوری دنیا کا معاشی توازن بگڑ گیا ہے۔

یہ ہیں وہ مفاسد جو اس نظام کے تن بدن سے پیپ بن کر نکل رہے ہیں ان مفاسد کو خود سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے کار پرواز محسوس بھی کرتے ہیں، اور اصلاح حال کی تدابیر بھی سوچتے ہیں۔ کہیں مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے، کہیں انہیں منافع میں شریک کرنے کی فکر کی جاتی ہے۔ کہیں انہیں علاج کی سہولتیں دی جاتی ہیں مگر جو کچھ ہو رہا ہے وہ بالکل ناکافی ہے۔

کارلائل (Carlyle) نے جو بات کئی سال پیشتر کہی تھی وہ آج بھی اسی طرح سچ ہے ترقی کے اس زمانہ میں اگر ایک طبقہ اس وجہ سے چیخ رہا ہے کہ اس کی ۲۰ لاکھ قمیصیں بیکار پڑی ہیں تو دوسرا طبقہ ایسا ہے کہ ان کے پاس تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا نہیں ان ساری تدابیر میں سے کوئی بھی کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ اگر آپ پچھلے پچاس سال کے حالات کا ایک سرسری سا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ معاشی ارتقاء کے لیے جس دست غیب (Invistible Hand) کا سہارا لیا گیا تھا وہ بالکل فضول ثابت ہوا ہے۔

سرمایہ داری کے اندھے مقلدین جو چاہیں کہتے رہیں مگر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ یہ نظام انسانیت کی فلاح کے نقطۂ نظر سے سخت ناکام رہا ہے اس میں جو مفاسد ابھر کر سامنے آئے وقتوں نے اسی خیال کو پیش کیا۔ مثال کے طور پر ایمبورس (AMBORSE) اپنی کتاب پادری کے فرائض (DUTIES OF THE CLERGY) میں معاشی استحصال (EXPLOITATION) کی مذمت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

فطرت نے سارے انسانوں کیلیے اپنے آغوش کھول رکھی ہے۔ اس لیے سب افراد پوری آزادی کے ساتھ اس سے متمتع ہو سکتے ہیں مگر برا ہو حرص کا کہ اس نے اسے چند لوگوں کی میراث بنا دیا ہے۔

سودخوری اور سی این کاگ برین کی ریسرچ:

اسی طرح ایک دوسرا مصنف ''سی۔ این کاگ برین'' (COCBRANE) میں اسی نظریہ کا یوں اظہار کرتا ہے۔ ''خداوند تعالیٰ نے نوع انسانی کو تمام وہ چیزیں عطا کی ہیں جو اس کے لیے اس چند روزہ زندگی میں ضروری ہیں مگر لالچ اور خودغرضی نے لوگوں کو ذاتی ملکیت کے دام میں پھنسا دیا ہے۔ یہ کہنا کہ یہ چیز میری ہے دراصل اس دعویٰ کی تمہید ہے کہ اسے صرف میں ہی اپنے فائدے کے لیے استعمال کر سکتا ہوں۔ اسی تصور نے انسانی شخصیت کو مسخ اور خاندانوں کو برباد کیا ہے۔

(DUTIES OF THE CLERGY CHRISTANITY AND CLASSICL CULTURE)

مختلف مغربی فلاسفروں کی ریسرچ:

یہی نہیں بلکہ ازمنۂ وسطیٰ میں دائی کلف (WYCLIFF) اور اس کے بعد سر تھامس مور (SIR THOMES MORE) نے زرداروں کے اس تشدد کے خلاف خون کے آنسو بہائے اور اس بے انصافی اور ظلم کو دور کرنے کے لیے مختلف نظریات پیش کیے گئے۔ ہمارے قریب کے دور میں سینٹ سائمن (S.T.SIMON) نے صنعتی انقلاب کی تباہ کاریوں کو ختم کرنے کے لیے اس بات پر زور دیا کہ دولت کی پیداوار کے تمام ذرائع حکومت کے قبضے میں دے دیئے جائیں اسی طرح اٹھارہویں صدی کے اواخر میں فورایر (FOURIER) نے انسانوں کی ایک عظیم اکثریت کی اقتصادی بدحالی اور مزدروں اور سرمایہ داروں کے باہمی مقابلہ و پیکار سے متاثر ہوکر امداد باہمی کا اصول وضع کیا اور تجویز پیش کی کہ چار پانچ سو خاندانوں کی بستیاں بسائی جائیں جو معاشی اور سیاسی اعتبار سے بالکل خود مختار ہوں اس کا خیال تھا کہ اصلاح حال کی یہی صورت مفید ہوسکتی ہے۔ ''مصلحین'' کی اس جماعت کا ایک گل (ROBERT OWER) رابرٹ۔

یہ شخص اگرچہ خود سرمایہ داروں کے طبقے سے تعلق رکھتا تھا لیکن اسے مزدوروں کے ساتھ بڑی ہمدردی تھی اور اس نے چند سرمایہ داروں کے ساتھ مل کر گلاسکو شہر کے قریب نیولینارک (NAWLANARK) کی بستی میں ایک کارخانہ خریدا اور اس میں مزدوروں کی حالت درست کرنے کا کام شروع کیا۔ اس نے تمام مزدوروں کو ایک جگہ آباد کیا اور امداد باہمی کے اصول پر دوکانیں کھولیں جن میں وہ اپنی ضروریات کے لیے سامان خرید سکتے تھے۔

اس نے مزدوروں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا اور ان کے کام کے اوقات کو دوسرے کارخانوں کے مقابلہ میں بہت کم کردیا۔ مزدروں کی بہتری کے لیے یہ تجربہ نہایت کامیاب ثابت ہوا مگر اس کو پھیلایا نہ جاسکا۔ اس طرز خیال کا ایک اور ''مصلح'' لوئی بلانس (LIOUS BLANCE) فرانس کا ایک انقلابی تھا اس کا نظریہ تھا کہ مزدوروں کے لیے کام فراہم کرنا حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ لہٰذا ریاست کو چاہیئے کہ وہ اپنے سرمایہ

سے قومی کارخانے کھولے ان کا کل سامان فراہم کرے اور دستور بنائے، کچھ دنوں کے بعد یہ کارخانے خود مختار کر دیئے جائیں۔

اشتراک کے انہی پیشروؤں میں ایک شخص **SAINT AMOND BAZARD** سینٹ ایمنڈ بیزڈ (۱۷۹۱ء۔۱۸۳۲ء) بھی ہے۔ اس شخص نے طبقاتی کشمکش کا تصور پیش کیا اور اس کے بعد بتایا کہ دنیا کا دولت مند طبقہ کس طرح غریبوں کو لوٹ رہا ہے اور سب سے آخر میں پورے زور کے ساتھ قومی ملکیت کی حمایت کی۔ اگر اشتراکیت کو صرف قومی ملکیت کے ہم معنی سمجھا جائے تو ہم یہ بات بلا خوف و تردد کہہ سکتے ہیں کہ اس کا دائرہ فکر مارکس کے مقابلے میں زیادہ سلجھا ہوا تھا۔

سودی قرض نے برطانیہ میں تباہی مچا دی:

ایک زمانہ تھا کہ برطانیہ کی حکومت زمین کے اکثر حصوں پر قائم تھی، اس وقت حکمرانان برطانیہ نے بڑی چالاکی کے ساتھ ان تمام ملکوں خصوصاً برصغیر کا سونا' چاندی' ہیرے جواہرات کو خوب بٹورا اور جہاز کے جہاز بھر کر برطانیہ پہنچائے۔ برطانیہ میں ابھی تک اس سونے اور جواہرات سے کئی بڑے بڑے مکان بھرے پڑے ہیں اور اسی کی وجہ سے برطانیہ سب سے مالدار ملک شمار ہوتا ہے۔

ان ملکوں کو کنگال بنانے کے بعد آزاد کر دیا اور پوری عیاری سے دوستی برقرار رکھی' ان کے حکمرانوں سے دوستانہ ماحول میں کہا کہ ہم سے سودی قرض لے لیں اور فیکٹریاں قائم کر لیں' سڑکیں بنا لیں اور دیگر تجارتی منڈیاں تعمیر کر لیں تو آپ کا ملک ترقی کر جائے گا' اس وقت کے حکمران ملک کی غربت کی وجہ سے کچھ مجبور بھی تھے اور کچھ ذاتی مفاد کے لیے بھی جھانسے میں آ گئے اور بھاری رقم عالمی بنکوں سے قرض لے لی' کچھ روپیہ شوق موج میں ضائع کیا اور کچھ روپیوں سے فیکٹریاں قائم کیں شروع شروع میں ان کا سامان بھی کافی فروخت ہوا اور نفع ہوا جس سے حکمرانوں نے سمجھا کہ ہم اس قرضے میں فائدہ میں رہے۔

لیکن بینک کے عیاروں نے یہی لالچ دوسرے ملکوں کو بھی دیا اور دوسرے ملکوں نے بھی سودی قرض لے کر بڑی فیکٹریاں قائم کر لیں نتیجہ یہ ہوا کہ منڈیوں میں مال کی بہتات

ہوگئی اور خریدنے والے اتنے ہی رہے جس کی وجہ سے کچھ سامان برسوں پڑے رہنے کی وجہ سے ضائع ہوگیا کچھ کو سستا کرنا پڑا اور کچھ کا آرڈر منسوخ کردیا گیا' کھپت کی کمی کی وجہ سے کچھ فیکٹریوں کی صنعت کم کردی گئی اور کچھ کو بند کردیا گیا اور ان کی فلک بوس عمارت اور مشینوں پر لگے ہوئے روپے بالکل ضائع ہوگئے۔

لیکن سودی قرض جوں کا توں رہا بلکہ شرح سود ادا نہ کرنے کی وجہ سے قرض بڑھتا رہا' پھر دوسرے ضروری کاموں کے لیے سادی قرض لینے کی ضرورت پڑی اور چونکہ حکمراں کو گھر سے سود ادا نہیں کرنا پڑتا ہے بلکہ عوام کی پسینے کی کمائی سے ادا کرتے ہیں اس لیے حکمران ایسے قرض لینے میں بلا وجہ پیش رفت بھی کرتے ہیں چنانچہ دوسرے امور انجام دینے کے لیے مزید سودی قرض لئے۔

اگلا پچھلا دونوں قرض ملا کر ملک پر اتنا قرض ہوگیا کہ ملک پہلے سے بھی زیادہ غریب ہوگیا۔ اس کے نوٹوں کی قیمت ہر سال بڑی تیزی سے گھٹ رہی ہے' صرف ایک ملک پاکستان کو پچھلے سال تیراسی ارب روپیہ صرف سود میں ادا کرنا تھا۔ اب تو وہ اس جال سے نکلنا بھی چاہے تو نہیں نکل سکتا بلکہ مزید پھنستا ہی چلا جارہا ہے۔ ابتداء میں حکمرانوں نے سوچا نہیں اور قرآن کریم کی صریح آیتوں کے خلاف سودی کاروبار میں پھنس گئے اب حکومت کی حکومت اس آگ میں جل رہی ہے' اب تو بڑی مکاری کے ساتھ عرب ممالک کو بھی سودی قرضوں میں پھانس دیا ہے۔

غریب ملکوں کو سودی قرض میں پھانسنے کے بعد برطانیہ اپنے ملک کے عوام کی طرف متوجہ ہوا اور یہاں کے لوگوں کو فیکٹری تعمیر کرنے دکان بنانے اور مکان خریدنے کے لیے سودی قرض دیئے' ہر ایک کو یہی جھانسا دیا کہ تمہاری فیکٹری سے تم کو اتنے لاکھ کا سالانہ نفع ہوگا اور تم دکان سے اتنے مالدار ہوجاؤ گے اور آج مکان سستا ہے اس کو ابھی خرید لو اور سال کے بعد بیچو گے تو دوگناہ نفع ہوگا' حرص میں آ کر لوگوں نے ایک ایک گلی میں تین تین دکانیں قائم کرلیں ہزاروں کی تعداد میں فیکٹریاں بن گئیں اور چند سال میں ہر جگہ چمکتی ہوئی بلڈنگ ہی بلڈنگ نظر آنے لگیں' کل تک جو غریب تھے چند مہینوں میں وہ خوشنما عمارات اور بڑی بڑی دکانوں کے مالک نظر آنے لگے' ان کا وضع قطع چال ڈھال سب امیرانہ ہوگیا۔

ایسے ویسے کیسے کیسے بن گئے

اس ملک میں بینک سے، سودی قرض لینے کے لیے کوئی مکان یا عمارت گروی رکھنا پڑتا ہے اس لیے اس مکان کی انشورنس کرانا پڑتی ہے اور ہر ماہ انشورنس کی قسط ادا کرنی پڑتی ہے، سودی قسط کے علاوہ بینک چارجز کے نام سے بھی کچھ رقم بینک کو دینا پڑتی ہے یہ دونوں ملا کر ہر ماہ اچھی خاصی رقم سودی قرض کے علاوہ ادا کرنی پڑتی ہے، اس لیے اگر سود دس فیصد ہے تو سب کا مجموعہ بیس فیصد ہو جاتا ہے سودی قرض لینے والے صرف سود کی شرح کو ہی گنتے ہیں اور بینک چارجز اور انشورنس شمار نہیں کرتے حالانکہ یہ بھی اسی کا حصہ ہے اگر اس کو جوڑا جائے تو دس سال میں تین گناہ اور پچیس سال میں چار گناہ سے زیادہ قرض ہو جاتا ہے، بینک بھی گاہکوں کو اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا صرف شرح سود پر ہی بحث کرتا ہے۔ اور اس طرح دوگنا خون چوستا رہتا ہے۔

سودی قرض کا خاصہ یہ ہے کہ جب تک چیزوں کی قیمت روز بروز بڑھتی رہی ایک روپیہ کی خرید ڈیڑھ روپیہ اور دو روپیہ میں بکتی رہے اور عوام کو مہنگی سے مہنگی چیزیں ملتی رہیں، پھر بکیں بھی خوب اور ہر روز گاہکوں کا تانتا بندھا رہے تب تو سود کی قسط بھی ادا ہوتی ہے اور محنت مزدوری کاٹ کر کچھ نفع بھی ہوتا ہے لیکن اگر خرید کی قیمت میں فروخت ہو یا سوا گنا میں فروخت ہو ڈیڑھ گنا میں نہ ہو یا گاہکوں کا تانتا بندھا نہ رہے تو مالک کو نفع تو کیا ہوگا سود کی قسط بھی ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اگر دو چار ماہ مندا آ جائے تو سودی قرض کا بوجھ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ بعد میں کچھ بکری ہو بھی تب بھی پہلا بوجھ نہیں اترتا اور آئے دن قسط ادا نہ کرنے کی وجہ سے چند سال میں قرض کا بوجھ دوگنا تین گناہ ہو جاتا ہے اور چونکہ بینک کی دریا دلی کی وجہ سے ہر گلی میں دو تین دکانیں قائم ہو گئیں اس لیے قیمتوں کا اضافہ ہونا یا گاہکوں کے زیادہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب جن لوگوں نے سودی قرض لے کر فیکٹریاں قائم کیں یا بڑی بڑی دکانیں بنوائی تھیں قرض کا بوجھ بڑھنے کی وجہ سے اکثر فیکٹریوں اور دکانوں کو بند کرنا پڑا، اور تین ماہ میں کئی ہزار فیکٹریاں بند ہو گئیں اور لاکھوں آدمی بے روزگار ہو گئے، اس وقت ہر شہر میں بڑی بڑی پرشکوہ عمارتیں سینکڑوں کی تعداد میں بند نظر آئیں گی۔

بینک نے ان تمام فیکٹریوں اور دکانوں کو اپنی ملکیت میں لے لیا اور قرض کے لیے جو عمارت رہن رکھی تھی اس پر بھی قبضہ کر لیا، مالک جو چند مہینوں میں بہت بڑا سیٹھ بن گیا تھا

آج بینک کرافٹ ہو کر اس سے زیادہ فقیر ہو گیا ہے مکان جائداد جو کچھ اس نے کمایا تھا سب کچھ بینک کے حوالے ہو گیا اور وہ کہیں کا نہ رہا۔

بلبل ہمہ تن خوں شد وگل شد ہمہ تن چاک
اے وائے بہارے اگر این ست بہارے

جو لوگ کام نہیں کرتے یا کھانے کے پیسے ان کے پاس نہیں ہیں تو یہاں کی حکومت ہر ہفتہ اس کو کھانے اور ضروری اخراجات کے پیسے دیتی ہے اس لیے ایسے بینک کرافٹ اور فقیر لوگوں کو تھوڑا سا سہارا مل جاتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو ان کی حالت کتنی خطرناک ہوتی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا۔

پانچ سال پہلے برطانیہ میں عام مکانوں کی قیمت آٹھ ہزار پونڈ تھی بینک والوں نے لوگوں کو سودی قرض دے کر دھڑا دھڑ خریدوانا شروع کیا چنانچہ صرف ایک سال میں اس مکان کی قیمت چار گنا بڑھ کر بتیس ہزار پونڈ ہو گئی بینک نے اشتہار دینا شروع کیا کہ جلد مکان خریدیں ورنہ اس کی قیمت بڑھ جائے گی اور جو ابھی خریدے گا وہ سال بھر کے بعد ساٹھ ہزار پونڈ میں فروخت کرے گا اور اس کو اٹھائیس ہزار پونڈ نفع ہوگا لوگوں نے سودی قرض لے کر بڑی تیزی سے خریدنا شروع کر دیا۔

لیکن پانچ ماہ کے بعد ہی مندہ آ گیا اور اس مکان کی قیمت گھٹ کر سولہ ہزار پر آ گئی اب جن لوگوں نے تیس ہزار میں مکان خریدا تھا دس سال میں تو اس کو ساٹھ ہزار تک تو صرف سود ادا کرنا ہوگا اور انشورنس اور بینک چارجز اس کے علاوہ ہوگا اب اگر دس سال کے بعد بھی اس مکان کی قیمت تیس ہزار ہی بڑھے تو بتایئے کہ مالک مکان کو کتنا بڑا گھاٹا ہوگا کہ زندگی بھر کی کمائی صرف ایک مکان کے بدلے بینک کو حوالہ کرتا رہا اور خود ہمیشہ فقیر محتاج بنا رہا اور کیا معلوم کہ آگے چل کر اس کی قیمت تیس ہزار تک ہو گی بھی یا نہیں۔ چنانچہ لاکھوں آدمیوں نے خریدے ہوئے مکانوں کو بینک کے حوالے کر دیا گروی رکھے ہوئے مکان بھی دے دیئے اور سودی قرضوں کی پچھلی قسطیں جو ادا کی تھیں وہ بھی ضائع ہو گئیں۔ اب وہ لوگ انتہائی پریشان ہیں کہ بینک کے چکر میں پھنس کر پچھلا کمایا بھی برباد کیا اور امیر بننے کے بجائے فقیر اور مقروض ہو گئے۔

خداوند کریم نے اپنے ابدی قانون میں سچ فرمایا ہے کہ یمحق اللہ الربوا ویربی

الصدقات (البقرہ آیت ۲۷۶) اللہ تعالیٰ سود (اور سودی کاروبار کرنے والوں) مٹا دیتا ہے اور صدقات کو آگے بڑھاتا ہے۔

انسانوں کو برطانیہ کی حالت زار سے عبرت پکڑنی چاہیے:

جبیں رکھنے سے پہلے رخ سمجھ لے آستانے کا
کہ دنیا پھر کبھی موقع نہ دے گی سر اٹھانے کا

سود لینے سے ذہنی دباؤ پر میڈیکل سائنسی تحقیقات:

برطانیہ میں مکانات کی قیمتیں تیزی سے بڑھ رہی ہیں اور اکثر لوگوں کے لیے گھر خریدنا خاصا مشکل ہوگیا ہے۔ بی بی سی کے مطابق اس طویل رہن نے لوگوں کے ذہنی دباؤ میں اضافہ کردیا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ کیا ان کے بچوں کو بھی یہ ذہنی کوفت اٹھانا پڑے گی۔ 100 سالہ رہن کا مطلب کم شرح سود ہے لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ اس طرح نہ صرف لوگ اپنی صحت برباد کرسکتے ہیں بلکہ ان کی فیملی بھی اذیت کا شکار ہوسکتی ہے۔ ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ طویل عرصے تک کسی چیز کے رہن رکھوانے سے ذہنی دباؤ خاصا بڑھ سکتا ہے اور آخر کار دماغی اور جسمانی مسائل میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔

سود سے برطانیہ کے (۲۵۰) ادارے دیوالیہ ہوگئے:

معروف برطانوی ماہر معاشیات اور مصنف و محقق مارٹن ریلے نے تقریباً ایک سال پہلے ''جنگ فورم'' میں ایک تفصیلی لیکچر دیا تھا' اس میں انہوں نے بتایا کہ برطانیہ میں ہر روز ۲۵۰ کاروباری ادارے دیوالیہ پن کی نذر ہو رہے ہیں اور یہ سلسلہ گزشتہ دو تین سالوں سے جاری ہے۔ چھوٹے کاروباری ادارے غائب ہو رہے ہیں۔ شرح سود میں اضافہ اور پراپرٹی قیمتوں کے گرنے کے نتیجے میں صرف پچھلے برس فنانس کمپنیوں نے ۷۵ ہزار خاندانوں کو گھروں سے بے دخل کر کے ان پر خود قبضہ کرلیا۔

مارٹن ریلے نے بتایا کہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں برطانوی صنعت کا آدھا حصہ ختم ہوگیا اور

اس عرصے میں برطانوی صنعتی مزدوروں کی تعداد آٹھ ملین سے کم ہو کر ۴ء۵ ملین رہ گئی۔
(جنگ جمعہ میگزین)

سود سے امریکی کمپنیوں کا دیوالیہ ہونا:

امریکی معاشیات کا یہ حال ہے کہ وہاں ۴۰۰ سے زیادہ مالیاتی ادارے بند ہو چکے ہیں۔ ۵۰ ہزار امریکی کمپنیوں کا دیوالیہ ہو چکا ہے.... گزشتہ بیس برسوں سے امریکہ کی آمدن ہر سال کم ہو رہی ہے اور ۱۹۹۰ء میں تو فی کس آمدنی کی شرح غیر معمولی حد تک گر گئی۔ اس برس جاپان کی فی کس آمدنی ۷ ہزار پاؤنڈ' یورپ کمیونٹی کی ۳۱۹۰ ڈالر اور امریکہ کی ۳ ہزار ڈالر فی کس تھی۔ امریکہ کی ایئر انڈسٹری جس پر اسے ناز ہے غیر معمولی نقصان میں ہے۔ مزید جہاز بنانے کے لیے نہ سرمایہ ہے نہ کوئی حصہ دار بننے کے لیے تیار ہے۔ (جنگ جمعہ میگزین ۱۷ جولائی ۹۲ء)

امریکہ میں افراط زر تیزی سے بڑھ رہا ہے' کاروبار بند ہو رہے ہیں' بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے اور ۱۹۹۱ء میں ڈھائی کروڑ افراد بے روزگار ہو چکے ہیں جو امریکہ کے کل مزدوروں کا ۲۰ فی صد حصہ بنتے ہیں اور اس تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔
(''جنگ'' ۲۸/ اپریل ۹۲ء)

تجارت کا یہ حال ہے کہ امریکہ کو سالانہ ۱۴۱ ارب ڈالر کا خسارہ ہو رہا ہے۔ (''جنگ'' ۲۸ اپریل ۹۲ء) اور جیسا کہ مارٹن ریلی نے بتایا کہ امریکہ کا موجودہ خسارہ ۴ کھرب ڈالر تک پہنچ گیا ہے جو تیسری دنیا کے تمام قرضوں سے تین گنا زیادہ ہے۔ اس قرضہ پر سالانہ شرح سود ۲۰۰ بلین ڈالر تک ہے۔ یہ سود معیشت کو مزید نچوڑ رہا ہے۔
(''جنگ میگزین'' ۲۷ نومبر ۹۲ء)

یہی وہ قرائن ہیں جن کی بنا پر ماہرین عمرانیات برملا یہ پیش گوئی کر رہے ہیں کہ امریکہ بہت جلد مکمل زوال سے دو چار ہونے والا ہے۔ امریکی نشریاتی ادارے سی این این کے ایک مذاکرے میں کہا گیا کہ امریکی حکومت نے جس سمت میں قدم اٹھایا ہے اس سے انسانی اقدار پامال ہوگئی ہیں اور تمام امور میں جھوٹ بول بول کر امریکہ ایسے بحران سے دو

چار ہو گیا ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس بحران سے کیسے نجات حاصل کرے۔ چنانچہ امریکہ کسی بھی لمحے خانہ جنگی کا شکار ہو سکتا ہے۔

لاس اینجلز میں ہونے والے شدید فسادات کے حوالے سے سی این این نے کہا کہ دراصل یہ خطرے کی گھنٹی ہے کہ سابق سودیت یونین کی طرح امریکہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا ہے اور کمیونزم کی طرح سرمایہ داری نظام بھی ختم ہو جائے گا۔

(''پاکستان'' لاہور ۲۱ جولائی ۹۲ء)

سود خور مردہ اٹھ بیٹھا:

جو ہر آباد (ٹنڈو آدم) کے ایک کپڑے کے تاجر کی خوفناک داستان پڑھئے اور کانپئے۔

اخباری اطلاع کے مطابق قبرستان میں ایک جنازہ لایا گیا۔ امام صاحب نے جونہی نماز جنازہ کی نیت باندھی مردہ اٹھ کر بیٹھ گیا لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی امام صاحب نے بھی نیت توڑ دی اور کچھ لوگوں کی مدد سے اس کو پھر لٹا دیا۔ تین مرتبہ مردہ اٹھ کر بیٹھا۔ امام صاحب نے مرحوم کے رشتہ داروں سے پوچھا کیا مرنے والا سود خور تھا۔ انہوں نے جواب دیا ''ہاں'' اس پر امام صاحب نے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے جب لاش قبر میں رکھی تو قبر زمین کے اندر دھنس گئی اس پر لوگوں نے لاش کو مٹی وغیرہ سے دبا کر بغیر فاتحہ ہی گھر کی راہ لی۔

سود و رشوت میں نحوست ہی بڑی
اور دوزخ میں سزا ہوگی کڑی

موضوع نمبر ۳۸

بچے کی والدین سے مشابہت اور اسلامی تحقیقات

بچے کی والدین سے مشابہت اور اس کے مذکر و مؤنث ہونے کا سبب:

بخاری شریف کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی ﷺ سے پوچھا اس عورت کا کیا حکم ہے جو خواب میں وہ چیز دیکھے جیسا کہ مرد دیکھتا ہے۔ (مراد اس سے احتلام تھا)۔

یعنی اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر عورت ایسا خواب دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ غسل کرلے اس پر وہ شرما گئیں اور شرماتے ہوئے دریافت کیا کہ کیا ایسا عورت میں بھی ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں ایسا ہوتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا ہوتو پھر یہ بچے میں ماں باپ کی مشابہت کیسے آجاتی ہے مرد کا پانی سفید گاڑھا ہوتا ہے جبکہ عورت کا پانی پیلا ہوتا ہے پس ان میں سے جو بھی سبقت کر جائے یا غالب آجائے تو بچہ اسی کے مشابہہ ہوتا ہے۔ (مسلم جلد ا صفحہ ۱۴۵، نسائی جلد ا صفحہ ۲۵، ابن ماجہ جلد ا صفحہ ۱۹۷)

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت منقول ہے:

ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا عورت غسل کرے گی جب اس کو احتلام ہو اور پانی بھی دیکھ لے (مراد اس سے منی ہے) اس پر رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا ہاں عورت پر غسل ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس عورت کا اس طرح سوال کرنا پسند نہ آیا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو سوال پوچھنے دو اس کے بعد فرمایا کہ اسی کی وجہ سے تو اولاد میں ماں باپ کی مشابہت آتی ہے جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو بچہ اپنے ننھیال کے مشابہ ہو جاتا ہے اور جب مرد کا پانی غالب ہو جائے تو بچہ دودھیال کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ (رواہ مسلم فی الحیض جلد ا صفحہ ۱۴۶)

بچے کی والدین سے مشابہت کے متعلق واقعہ:

صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک یہودی عالم آیا اور اس نے کہا علیک السلام یا محمد۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس کو ایک دھکا سا دیا اس نے کہا مجھے دھکا کیوں دیتے ہو انہوں نے فرمایا تم یا رسول اللہ ﷺ نہیں کہہ سکتے تو یہودی نے کہا ہم تو ان کو اس نام سے ہی پکارتے ہیں جو نام ان کے گھر والوں نے رکھا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں میرے گھر والوں نے میرا نام محمد ہی رکھا ہے اس کے بعد یہودی نے کہا میں آپ سے کچھ باتیں دریافت کرنے کے لیے آیا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ جو باتیں میں تمہیں بتاؤں یہ باتیں تمہیں نفع پہنچائیں۔

نبی پاک ﷺ کے پاس ایک لکڑی تھی جس سے زمین میں نشان لگا رہے تھے اس کے بعد یہودی نے پوچھا جس دن کہ زمین و آسمان دوسرے زمین و آسمان سے بدلے جائیں گے تو اس دن لوگ کہاں ہوں گے اس پر رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا پل صراط کے قریب ایک اندھیری جگہ میں اس نے پھر پوچھا سب سے پہلے جنت میں داخلے کی اجازت ملنے والے کون لوگ ہوں گے فرمایا فقراء مہاجرین۔

اس یہودی نے پھر پوچھا اہل جنت کا جنت میں سب سے پہلا کھانا کیا ہوگا فرمایا مچھلی کے جگر کے کباب۔

اس نے پھر پوچھا اس کے بعد جنتیوں کا دوسرا کھانا کیا ہوگا فرمایا ان کے لیے ایک بیل کو ذبح کیا جائے گا۔

اس نے پوچھا ان کا اس کے بعد مشروب کیا ہوگا فرمایا عینا فیھا تسمی سلسبیلاً سلسبیل کے چشمے کا پانی یہ باتیں سننے کے بعد اس یہودی نے کہا آپ نے سچ کہا میں آپ سے ایسی بات پوچھنا چاہتا ہوں جس کو نبی کے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا سوائے ایک یا دو کے آپ ﷺ نے فرمایا پوچھو شاید کہ تمہیں میرا بتانا فائدہ پہنچائے۔

تو اس نے کہا میں آپ سے انسان کی اولاد کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں تو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سنو مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی پیلا اور پتلا ہوتا ہے جب دونوں کا پانی ملتا ہے اور مرد کا پانی غالب آجائے تو بچہ اللہ کے حکم سے مذکر ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہو جائے تو اللہ کے حکم سے لڑکی پیدا ہوتی۔"

یہ باتیں سننے کے بعد اس یہودی نے کہا آپ نے سچ کہا بیشک آپ نبی ہیں۔ اس کے بعد وہ یہودی چلا گیا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے مجھ سے جن جن باتوں کے بارے میں پوچھا تھا مجھے ان میں سے کسی بات کا بھی علم نہیں تھا پھر اللہ پاک نے بذریعہ وحی مجھے اس کا علم عطا فرمایا۔ (رواہ مسلم فی الحیض جلد ا صفحہ ۱۴۶)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام مطلقاً عالم الغیب نہیں ہوتے بلکہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہوتا ہے۔

ایک اور قصہ:

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں آتا ہے ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا اس وقت آپ ﷺ صحابہ کرام سے باتیں فرما رہے تھے تو قریش کے کفار نے اس یہودی سے کہا یہ شخص (حضور ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) گمان کرتا ہے کہ یہ نبی ہے اس پر یہودی نے کہا ہم ضرور ان سے کچھ سوالات کریں گے جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر وہ یہودی قریب آ کر بیٹھ گیا اور کہا اے محمد انسان کس چیز سے پیدا ہوتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا مرد اور عورت کی منی سے مرد کی منی گاڑھی ہوتی ہے اس سے ہڈیاں اور اعصاب بنتے ہیں اور عورت کی منی پتلی ہوتی ہے اس سے گوشت اور خون بنتا ہے اس پر یہودی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا آپ سے پہلے انبیاء نے بھی اسی طرح کی بات کہی تھی۔ (رواہ احمد جلد ا صفحہ ۴۶۵)

جنین کی تخلیق میں مرد اور عورت دونوں کے پانی کا دخل ہے اور دونوں کے پانی کے امتزاج سے جنین کی تخلیق ہوتی ہے اس حقیقت کی وضاحت ان آیات سے بھی ہوتی ہے سورۃ الطارق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلینظر الانسان مما خلق 'خلق من ماء دافق یخرج من

بین الصلب والترائب(سورة الطارق: ٦)

ترجمہ: ”سوچا ہئے کہ دیکھ لے انسان کہ کس چیز سے پیدا کیا گیا پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے، جو نکلتا ہے پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے۔“

علماء تفسیر نے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ حدیث اسی آیت کی شرح ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت جاریہ اور تدبیری نظام ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو اس کے اصل سے وجود عطا فرماتے ہیں مثلاً حیوانات اور پودے وغیرہ سب میں تخلیق اجناس کا یہی طریقہ جاری وساری ہے کہ ہر نوع وجنس کا جوڑا اس جنس کی تخلیق کا سبب بنا کرتا ہے حیوانات میں بھی مذکر ومونث کا پانی اس جنس کا جنین بناتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیس کی خاطر فرمایا:

بدیع السموات والارض انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبه(سورة الانعام: ١٠١)

ترجمہ: ”ابتدائی طور پر آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا کہاں سے ہوا اس کا لڑکا، حالانکہ اس کی کوئی بیوی نہیں۔“

موضوع نمبر ۳۹

پیری مریدی کے گھناؤنے دھندے

اسلام بیماریوں کے سلسلے میں اگر تعویذات یا جھاڑ پھونک کا حکم دیتا ہے تو صرف قرآنی آیات مثلاً آیۃ الکرسی، سورۃ الفاتحہ اور معوذتین کے ذریعے اس کے علاوہ اسلام میں پیری مریدی کے یا تعویذات کے چکر کی کوئی گنجائش نہیں آج کل جس طرح نام نہاد جعلی پیروں نے زور پکڑا ہوا ہے اور عوام کی اکثریت ان کے ہاتھوں بیوقوف بن رہی ہے اس کا جال کسی سے محفوظ نہیں اس سلسلے میں ایک جاہل پیر کا قصہ آپ بھی پڑھ لیجیے۔

گدھے کا مزار:

کسی بستی میں ایک بڑی خانقاہ تھی۔ وہاں دسیوں دیگیں پکتیں اور سینکڑوں افراد لنگر کھاتے۔ قریب ہی ایک نوجوان رہتا تھا۔ والدین فوت ہو چکے تھے۔ روزگار ملتا نہ تھا۔ کھانے کے بھی لالے پڑے ہوئے تھے۔ ایک روز اس کے دل میں آئی کہ چلو پیر صاحب ہی کے نیاز حاصل کرلیں شاید قسمت پلٹ جائے۔ چنانچہ ایک روز وہ خانقاہ کے اندر داخل ہوا اور پیر صاحب کی محفل میں شریک ہو گیا۔ جب محفل برخاست ہوئی تو وہ بھی باہر آ گیا۔ یہ سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا۔

نوجوان محفل میں شریک ضرور ہوتا لیکن بغیر کسی سوال کے واپس آ جاتا۔ ایک روز جب وہ حسب معمول واپس ہو رہا تھا تو پیر صاحب نے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میاں صاحبزادے! میں کئی روز سے تمہیں آتا جاتا دیکھ رہا ہوں۔ کیا بات ہے کہ تم کوئی سوال کیے بغیر ہی چلے جاتے ہو۔

پرسش احوال پر اس کے آنسو نکل آئے۔ کافی تسلی کے بعد جب ذرا دم ٹھہرا تو اس نے احوال سنایا کہ جناب کے زیر سایہ رہتا ہوں لیکن تباہ حال ہوں۔ پیر صاحب کو بڑا ترس

آیا اور نوجوان سے کہا کہ آج سے تم ہمارے مہمان ہو۔ کھانا پینا' کپڑا لتہ سب ہمارے ذمے۔ جب تمہاری طبیعت بحال ہو تو ہمارے پاس آنا ہم پھر کچھ کریں گے۔

کچھ عرصے کی بے فکری اور کھانے پینے کی فراوانی سے تو نوجوان کا حلیہ ہی بدل گیا۔ پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضور حکم فرمائیں۔ پیر صاحب نے نوجوان کو اوپر سے نیچے تک دیکھا تو کہنے لگے ماشاء اللہ بھئی اب تم ایک کام کرو کہ میرے پاس ایک گدھا ہے اس کے اوپر سوار ہو کر تم بڑے پیر صاحب کی زیارت کر آؤ.... اور اس کو زادراہ دے کر روانہ کر دیا۔ وہ نوجوان گدھے پر بیٹھ کر منزل پر منزل مارتا چلا جا رہا تھا کہ ایک جگہ گدھا بیمار ہو کر مر گیا۔ نوجوان بہت پریشان ہوا کہ جو گدھا میرے پیر صاحب نے دیا تھا اس کو سڑنے اور چیل کوؤں کی خواک بننے کے لیے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ بڑی بے حرمتی ہو گی۔ چنانچہ ایک گڑھا کھود کر گدھے کو دفن کر دیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کرے تو کیا کرے۔ اپنے پیر صاحب کے عطیہ کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

اسی کشش و پنج میں ایک قافلہ ادھر سے گزرا تو اس نے تباہ حال نوجوان کی مدد کر دی۔ اب تو یہ سلسلہ چل پڑا اور اس کی آمدنی ہوتی رہی۔ آہستہ آہستہ اس نے گرمی' سردی اور برسات کے سخت موسموں سے بچنے کے لیے جھونپڑی ڈال لی۔ قریب ہی ایک گاؤں تھا۔ وہاں کے لوگوں نے پینے کے پانی کا انتظام کر دیا۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا اور تین چار سال میں وہ جھونپڑی ایک بڑی خانقاہ میں تبدیل ہو گئی۔

اب ادھر کی سنئے۔ پیر صاحب کی پیری ماند پڑ گئی۔ آمدنی کم ہو گئی تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ بڑے پیر صاحب کی زیارت کو جا رہے ہیں۔ وہ سفر کرتے کرتے جب اس جگہ پہنچے جہاں نوجوان نے خانقاہ بنائی تھی تو پیر صاحب نے بھی وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ رات کو کھانے سے فارغ ہو کر کہنے لگے چلو بھائی مزار کے متولی کے نیاز حاصل کر لیں۔ ابھی وہ حجرۂ خاص میں داخل ہی ہوئے تھے کہ مسند نشین ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ پیر صاحب بہت حیران ہوئے۔

پوچھا کہ حضرت آپ مجھے کیوں گنہگار کر رہے ہیں لیکن وہ نوجوان یوں ہی کھڑا رہا۔ پیر صاحب نے پوچھا کہ کچھ تو بتائیے کہ ماجرا کیا ہے۔

نوجوان گویا ہوا کہ حضور نے شاید مجھے پہچانا نہیں' میں وہی شخص ہوں جسے آپ نے

گدھا دے کر بڑے پیر صاحب کی زیارت کو بھیجا تھا۔

پیر صاحب نے پوچھا اچھا تو پھر کیا ہوا؟

اس نے جواب دیا ہوا کچھ یوں کہ آپ کا وہ گدھا بیمار ہو کر مر گیا۔ مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ آپ کے عطیہ کی بے حرمتی ہو۔ اسے بصد احترام دفن کر دیا اور اس کی قبر پر بیٹھ گیا اللہ نے یہ دن دکھایا۔

پیر صاحب بہت خوش ہوئے۔ نوجوان کو گلے لگا کر خوب خوب پیار کیا اور کہا تو میرا صحیح جانشین ہے۔ میں بھی اس گدھے کی ماں کی قبر پر خانقاہ بنا کر کام چلا رہا تھا۔

تشریح: اللہ اور اس کی مخلوق کو دھوکہ دینے اور معمولی فائدہ حاصل کرنے کے لیے لوگ کتنی تگ ودو کرتے ہیں اس طرح وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر اتنی ہی کوشش وہ اللہ تک پہنچنے کے لیے کریں تو اللہ خود کہتا ہے تم میرے لیے ایک قدم بڑھاتے ہو تو میں تمہاری طرف دو قدم بڑھ کر آتا ہوں۔

موضوع نمبر ۴۰

رشوت اور جدید تحقیقات

رشوت کی حرمت احادیث کی روشنی میں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کا مقصد اولین اور مشن ہی یہ تھا کہ اس کرہ ارض پر خدائے وحدہ لاشریک کا اطاعت گذار ایسا معاشرہ وجود میں آ جائے' جو ہر گوشہ اور ہر حیثیت سے اس طرح مکمل ہو کہ آنے والی نسلیں اسے نمونہ عمل اور مشعل راہ بنائیں اور اس کے نقش قدم پر چلیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سماج اور سوسائٹی سے تمام برائیوں کی جڑ کاٹتے ہوئے رشوت پر بھی شدید نکیر فرمائی ہے۔ اور آپ نے رشوت کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور لعنت کا موجب قرار دیا ہے۔ جس کا سلسلہ کئی پشتوں تک جاری رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن محمد سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ تبارک تعالیٰ نے رشوت کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔''

حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور لینے والے اور اس شخص پر جوان دونوں کے درمیان دلال اور واسطہ بنے' ان سب پر لعنت کی ہے۔

احادیث سے ثابت ہوا کہ رشوت دینے والے' اور لینے والے' اور اس شخص پر جوان دونوں کے درمیان دلال اور واسطہ بنے، ان سب پر لعنت کی ہے۔

احادیث سے ثابت ہوا کہ رشوت دینے والے' اور لینے والے' دونوں کے درمیان سمجھوتے کرانے والے تینوں پر لعنت ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رشوت کا دلال بھی دینے اور لینے والے کے برابر گناہگار ہوتا ہے۔

رشوت کی چند مروجہ صورتیں:

(۱) کسی بل یا چیک کو متعلقہ حکام سے منظور کرانے کے لیے کسی شخص کو تصدیق میں ڈالے رکھنا۔ حتیٰ کہ مبتلا شخص اس کلرک کو کچھ نذرانہ پیش کرے گا جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔

(۲) کسی سفارش یا نذرانہ اور تحائف کی وجہ سے اصل حقدار کو محروم کر کے غیر مستحق کے حق میں فیصلہ کر دینا۔

(۳) کسی منصبی فرض کو انجام دینے کے لیے اپنا حق خدمت وصول کرنا اور اس کے نہ ماننے پر مبتلا شخص کو پریشان کرنا۔

(۴) تفتیش کے دوران کسی بے گناہ یا معزز افراد کو بطور مشتبہ بلا کر ناحق بٹھا دینا اور انہیں پریشان کر کے ان سے کچھ بٹور لینا۔ مذکورہ صورتوں کے علاوہ اور بھی متعدد صورتیں ایسی ہیں۔ جن میں لیا گیا معاوضہ قطعی ناجائز اور حرام ہوتا ہے:

رشوت کی نحوست اور دنیاوی وبال:

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس قوم میں سود پھیل جائے وہ قحط اور گرانی کی مصیبت میں ڈال دی جاتی ہے۔ اور جس قوم میں رشوتیں پھیل جائیں اس پر رعب ڈالا جاتا ہے۔ (ص/۹۰۷ بحوالہ مسند احمد)

رشوت کی نحوست ساری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اور اسے بزدل بنا کر ان کے دلوں پر اغیار کی ہیبت بٹھا دی جاتی ہے۔ شجاعت اور بہادری کا جوہر ان سے سلب کر لیا جاتا ہے۔

رشوت کے نقصانات:

رشوت راحت وسکون کی دولت سے محروم کر دیتا ہے:

رشوت کا مال ہماری بنیادی خواہش پوری کرتا ہے یا نہیں۔ رشوت کے ذریعے ہماری بنیادی خواہش ہرگز پوری نہیں ہوتی' رشوت سے یہ ممکن ہے کہ ہمارا بینک بیلنس بڑھ جائے یہ بھی ممکن ہے کہ کاریں' کوٹھیاں اور بنگلے نصیب ہو جائیں۔ رشوت کے ذریعہ سے سامان بہم پہنچ جائیں جن سے کوئی بڑا عہدہ مل جائے۔ لیکن رشوت سے یہ ناممکن ہے کہ راحت وسکون کی دولت نصیب ہو جائے۔ انہیں اعتراف کرنا پڑے گا۔ رشوت نے انہیں اور کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو جہاں تک دل کے سکون اور قلب کی راحت کا تعلق ہے وہ اس سے محروم ہی رہے گا۔

رشوت خور ذہنی اذیت کا شکار رہتا ہے:

رشوت کھانے والے کے بارے میں اگر چہ یہ بھی عام مشاہدہ ہے کہ ہمیشہ کسی نہ کسی مصیبت' کسی نہ کسی بیماری' کسی نہ کسی مقدمے بازی اور کسی نہ کسی جھگڑے میں پھنسے ہی رہتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ دو باتیں ایسی ہیں جن سے کوئی رشوت لینے والا خالی نہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ رشوت لینے والا دوسروں کی نظروں میں ذلیل ہو یا نہ ہو خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ اس کا ضمیر ہر وقت جرم کے احساس کے نیچے دبا رہتا ہے۔ اور وہ اپنی نظروں میں ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔

دوسری بات جس سے کوئی رشوت لینے والا خالی نہیں اس کے اردگرد ہمیشہ نادیدہ اور نامعلوم خوف کے سائے تیرتے رہتے ہیں۔ ڈر ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کب قانون کی نظروں میں آ جاؤں؟ اور کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں۔ یہ انجانا خوف اسے زندگی کی ان آسائشوں سے جو اسے میسر بھی ہیں لطف اندوز ہونے ہی نہیں دیتا اور وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی محروموں ہی کی سی زندگی گزارتا ہے۔

رشوت اولاد کی فطرت میں سرکشی پیدا کرتی ہے:

رشوت لینے والے کے بیوی، بچے، اولاد بلکہ ہر شخص جن کا وہ کفیل ہوتا ہے اس کے نافرمان ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ منطقی نتیجے کے طور پر ہوتا ہے۔ یہ قرآن کا حتمی فیصلہ ہے جس کے خلاف کا وقوع ممکن نہیں۔ قرآن کا کہنا ہے کہ:

"کلو من طیبت مارزقنکم ولا تطغوفیه"

حلال سے استفادہ کرو اور سرکشی اختیار مت کرو، ورنہ اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ خود اپنے پیٹ میں جاتا ہے۔ تو خود کو اللہ کا اور اپنے بڑوں کا نافرمان بناتا ہے۔ دوسروں کے پیٹ میں جاتا ہے تو جس جس کے پیٹ میں جائے گا، اس کو اللہ کا بھی نافرمان بنائے گا، اور خود حرام کے کھلانے والے کا بھی نافرمان بنائے گا۔ اور جو شخص نافرمانیوں کے درمیان زندگی گزارتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے اسی زندگی میں دوزخ میں رہتا ہے۔

رشوت کے مال میں برکت نہیں ہوتی:

رشوت کے مال اکثر حصہ یا تو مصیبتوں وتکلیفوں، پریشانیوں کو دور کرنے پر صرف ہوتا ہے۔ یا پھر گناہ کے کاموں پر بے دریغ ضائع ہوتا ہے۔

رشوت خور کی ٹیڑھی قبر:

راولپنڈی کے قبرستان رتہ امرال میں پیش آنے والا سرکاری محکمہ کے ایک افسر کا ایک دردناک واقعہ پڑھئے:

۲۷ جمادی الاول ۱۴۱۱ھ کو ایک پولیس افسر کا جنازہ قبرستان لایا گیا جب اسے قبر میں اتارا جانے لگا تو اس کی قبر یکایک ٹیڑھی ہوگئی پہلے پہل تو لوگوں نے اسے گورکن کا قصور قرار دیا دوسری جگہ جب قبر کھودی گئی اور میت کو اتارنے لگے تو قبر ایک بار پھر ٹیڑھی ہوگئی اب لوگوں میں خوف وہراس پھیلنے لگا تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا قبر حیرت انگیز حد تک اس

قدر ٹیڑھی ہو جاتی کہ تدفین ممکن نہ رہتی۔ بالآخر شرکائے جنازہ نے مل جل کر مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی اور پانچویں قبر میں ہر حال میں تدفین کا فیصلہ کیا گیا چنانچہ پانچویں بار قبر ٹیڑھی ہونے کے باوجود زبردستی پھنسا کر میت کو اتار دیا گیا۔

رشوت خور شخص کی قبر میں زلزلہ:

یہ سنسنی خیز واقعہ نوائے وقت میں شائع ہوا کہ ایک شخص جو کہ پانچ وقت نماز پڑتے تھے مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے سخی دل بھی تھے دل کھول کر غریبوں اور بیواؤں کی امداد کیا کرتے، کئی یتیم بچوں کی شادیاں بھی کرادیں۔ حج بھی کیا ہوا تھا۔ ۱۹۷۳ء کی ایک صبح ان کا انتقال ہوگیا بے حد ملنسار اور با اخلاق تھے اہل محلہ ان سے بہت متاثر تھا لہذا سوگواروں کا تانتا بندھ گیا۔

ان کے جنازے میں لوگوں کا کافی اژدھام تھا سب لوگ قبرستان آئے قبر کھود کر تیار کرلی گئی جوں ہی میت قبر میں اتارنے کے لیے لائے کہ غضب ہوگیا یکا یک قبر خود بخود بند ہوگئی سارے لوگ حیران رہ گئے، دوبارہ زمین کھود دی گئی جب میت اتارنے لگے تو پھر قبر خود بخود بند ہوگئی۔ سارے لوگ پریشان تھے ایک آدھ بار مزید ایسا ہی ہوا آخر کار چوتھی بار تدفین میں کامیاب ہو ہی گئے فاتحہ پڑھ کر سب لوٹے اور ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ ایسا محسوس ہوا، جیسے زمین زور زور سے ہل رہی ہے لوگوں نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک ہوش اڑا دینے والا منظر تھا۔

آہ! قبر میں دراڑیں پڑ چکی تھیں اس میں سے آگ کے شعلے اور دھوئیں اٹھ رہے تھے اور قبر کے اندر سے چیخ و پکار کی آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔ یہ لرزہ خیز منظر دیکھ کر سب کے اوسان خطا ہوگئے اور سب لوگ جس سے جس طرح بن پڑا بھاگ کھڑے ہوئے۔ سب لوگ بے حد پریشان تھے کہ بظاہر نیک، سخی اور با اخلاق انسان کی آخری ایسی کون سی خطا تھی جس کے سبب یہ اس قدر ہولناک عذاب قبر میں مبتلا ہوگیا! تحقیق کرنے پر اس کے حالات کچھ یوں سامنے آئے۔

مرحوم بچپن ہی سے بہت ذہین تھا۔ لہٰذا ماں باپ نے اعلیٰ تعلیم دلوائی جب خوب پڑھ

لکھ لیا تو کسی طرح بھی سفارش یا رشوت کے زور پر ایک سرکاری محکمے میں ملازمت اختیار کرلی۔ رشوت کی لت پڑ گئی رشوت کی دولت سے پلاٹ بھی خریدا اور اچھا خاصا بینک بیلنس بھی بنایا اسی سے حج بھی ادا کیا اور ساری سخاوت بھی اسی مال حرام سے کیا کرتا تھا۔

مال حرام کی نحوست:

پچھلے دنوں 'راشی کا عبرت ناک انجام' کے عنوان سے ڈاکٹر منظور احمد کا ایک چھوٹا سا مضمون روزنامہ جنگ میں شائع ہوا تھا۔ ہم روزنامے کے شکریے کے ساتھ وہ مضمون بلا کسی تبصرے کے شائع کر رہے ہیں:

''میں نے اپنے دس سالہ میڈیکل کیریئر میں اس بات کا بغور تجزیہ کیا ہے کہ ایسے افراد جو رشوت خوری کرتے ہیں ان کی موت بڑی ہی اذیت ناک ہوتی ہے۔ ان کے جسم سے جب روح نکلتی ہے تو اس کی اذیت کا اندازہ خود وہ کر سکتا ہے۔ اس کی تکلیف کو دیکھ کر بہت سے ڈاکٹر کانپ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر فالج، دل کے خطرناک امراض، شوگر، بلڈ پریشر ایک ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں۔

ایسے مریضوں کو بڑی خراب حالت میں آئی سی یو میں رکھا جاتا ہے اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایسے راشی لوگوں پر کسی دوا کا اثر تک نہیں ہوتا۔ مریض خود بھی یہ چاہتا ہے کہ جلدی سے زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن اس کے گناہوں کی وجہ سے اس کے جسم سے روح بڑی اذیت کے بعد نکلتی ہے۔ اکثر ایسی تکلیف والے مریضوں سے میں نے پوچھا کہ تم کیا کام کرتے تھے تو وہ خود اس بات کا اعتراف کر لیتے ہیں کہ وہ بہت رشوت لیتا تھا۔ یا اس کے گھر والے کہتے تھے کہ ہم نے بہت منع کیا' لیکن یہ کسی کی بات ماننے کے لیے تیار ہی نہ ہوتا تھا۔ کوئی دوا' کوئی دعا اس کو اس تکلیف سے نجات نہیں دلا سکتی۔

لیکن اس کے برعکس ایسے مریض بھی آتے ہیں جو بہت نیک ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو حرام خوری سے دور رکھا ہوتا ہے۔ ان کی موت اتنی آسان ہو جاتی ہے کہ خود ڈاکٹر کو پتہ نہیں چلتا کہ مریض کب چل بسا۔ ایسی موت کو دیکھ کر ہم لوگ حسرت کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو بھی ایسی موت دے۔ نیک لوگوں کی موت کو دیکھ کر ڈاکٹر اس بات کا اندازہ

لگا لیتے ہیں کہ مرنے والا بڑا نیک آدمی تھا۔ ایسے مریض جو اذیت سے مرتے ہیں ان کو دیکھ کر اندازہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ یہ ضرور حرام خوری کرتے ہوں گے۔

اکثر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ فلاں ڈاکٹر ٹھیک نہیں ہے، فلاں اسپتال ٹھیک نہیں ہے، بہت پیسہ خرچ کرنے کے باوجود مریض کی اذیت کم نہیں ہوئی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ صرف اس حرام کی کمائی کی وجہ سے ہے۔ وہ اس کمائی سے جو بھی دوا خریدتا ہے وہ بے اثر ہو جاتی ہے۔ تمام ڈاکٹر ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ تمام اسپتال بھی ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں حالانکہ نیک کمائی والے لوگوں کو صرف ایک معمولی گولی سے ہی آرام آجاتا ہے اور ایسے لوگ سرکاری اسپتال سے علاج کروا کر بھی مطمئن ہو جاتے ہیں جبکہ راشی حضرات بڑے اسپتال میں جا کر بھی تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے ایسے لوگ کسی ڈاکٹر یا اسپتال سے مطمئن نہیں ہوتے۔

یہ تمام قصور صرف اس کمائی کا ہے جو حرام طریقے سے حاصل کی گئی ہے۔ پھر یہی نہیں ایسی کمائی سے راشیوں کی اولاد بھی نقصان اٹھاتی ہے۔ گناہ گھر کا ایک فرد کرتا ہے اور تکلیف تمام گھر اٹھاتا ہے۔ یہ ایسے زندہ حقائق ہیں جن سے ہر آدمی کا واسطہ پڑتا ہے۔ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ حرام کمائی والے کو موت کے وقت اتنی اذیت ہوتی ہے کہ وہ کلمہ نہیں پڑھ سکتا۔ اس کی زبان سے کلمہ ادا بھی نہیں ہوگا، جبکہ نیک لوگوں کو کلمہ نصیب ہوتا ہے اور وہ سکون کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ رشوت خور مرتا بھی اذیت سے ہے، کلمہ بھی نصیب نہیں ہوتا اور حرام کی دولت ڈاکٹر کی نذر ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو سوائے گناہ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مرزا محمد زاہد کے تقویٰ کا ایک دلچسپ واقعہ:

برصغیر کے عظیم عالم دین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے فرمایا کہ مرزا محمد زاہد نے ماہ رمضان میں ایک دن میری دعوت کی۔ میں ان کے مکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو ایک کباب فروش آیا اور کبابوں سے بھرا ہوا۔ ایک خوان ان کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ تو مرزا محمد زاہد نے کہا کہ اے شخص! نہ میں تیرا

پیر ہوں اور نہ استاد ہوں۔ پھر نذرانہ کس بات کا ہے؟ اگر تیری کوئی غرض ہے۔ اپنی غرض بیان کر۔ اس نے کہا میں کوئی غرض نہیں رکھتا۔ مرزا زاہد ہروی نے بہت تاکید سے کباب لانے کی وجہ دریافت کی۔

بالآخر معلوم ہوا کہ اس کی دکان راستے پر ہے۔ مرزا ہروی کے سپاہیوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس کی دکان یہاں سے ہٹا دیں۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اچھی بات ہے۔ ہم کل کو ایک شخص بھیجیں گے تاکہ وہ انصاف کرے۔ پھر فرمایا کہ اب جا اور کباب بھی لے جاؤ۔

کباب فروش نے کہا کہ یہ کباب تو میں نے آپ کے لیے بنائے ہیں۔ اب تو میں ان کو بیچ بھی نہیں سکتا ہوں۔ اس لیے کہ اس وقت اس قدر کباب کوئی بھی نہیں خریدے گا۔

آپ نے اپنے لڑکوں کے معلم کو آواز دے کر بلایا اور فرمایا کہ ان کبابوں کی قیمت کا اندازہ کرو۔ اور ہمارے سے دام ادا کر دو۔

معلم نے آٹھ آنے قیمت تجویز کی۔ شاہ عبدالرحیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے استاد سے آہستہ سے کہا کہ جناب عالی آپ کی غرض تو یہ ہے کہ رشوت سے اجتناب ہو مگر آپ کا مقصد کسی طرح پورا نہیں ہو رہا ہے اس لیے کہ ان کبابوں کی قیمت تو مجوزہ قیمت سے بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ شخص صرف آٹھ آنے لینے پر اس لیے راضی ہو گیا ہے کہ اس کی ایک غرض وابستہ ہے۔ مرزا زاہد کو متنبہ ہو گئے اور کباب فروش کو اپنے پاس بلا کر دریافت فرمایا کہ سچ سچ بتا۔ گوشت مصالحہ اور ایندھن کس قیمت کے تھے اور تیری اجرت کتنی ہوتی ہے۔ جب حساب ہوا تو کبابوں کی قیمت ساڑھے تین روپے بیٹھی یہی رقم اس کو دے دی گئی۔ اس کے بعد مرزا زاہد نے معلم کو بلا کر ڈانٹا اور فرمایا کہ تم یہ چاہتے تھے کہ میں روزے کو حرام طریقے سے حاصل کیے ہوئے کھانے سے افطار کروں! یہ کونسی عقل مندی اور کہاں کی ہمدردی تھی۔ بعد میں وہ کباب تناول فرمائے۔ (ماخوذ از الفرقان)

نوٹ: حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے معقولات اور علم کلام کی کتابیں مرزا محمد زاہد ہروی سے پڑھی تھیں۔

موضوع نمبر ۴۱

شہرت پسندی اور جدید تحقیق

اسلام نے جہاں اور دیگر امور میں اپنی بیش بہا تعلیمات سے اس عالم ضلالت کو روشن رکھا ہوا ہے وہیں شہرت پسندی یا بالفاظ دیگر ریاکاری وخود پسندی جیسے مرض سے بچنے کی بھی تاکید کی ہے شہرت پسندی کی بیماری یہی ہے کہ انسان کوئی کام کرے اور پھر دوسروں سے اس کی تعریف وتحسین کا طلبگار رہوایسا کر کے وہ نہ صرف اپنی نیکی ضائع کرتا ہے بلکہ یہ بیماری اس کے ذہن ودل میں اور زیادہ جڑ پکڑتی جاتی ہے اور آخر کار ایسے شخص کے سارے کام محض دوسروں سے داد وتحسین کو طلب کرنے کی خاطر ہی انجام پذیر ہوتے ہیں حتیٰ کہ اس کو اپنے نیک کاموں پر اللہ سے اجر وثواب ملنے کا خیال بھی نہیں رہتا خیال ہوتا ہے تو فقط یہ کہ ایسا کروں گا تو لوگ خوش ہوں گے اور تعریف کریں گے اور میں اچھا کہلاؤں گا۔

ایک قول زریں ہے کہ جس کام میں رائے کے دانے کے برابر بھی ریاکاری یا بدنیتی ہو اس کا ثواب کچھ نہیں ملے گا اور ہم مسلمان تو ہر کام محض اللہ کی رضا کے لیے ہی کرتے ہیں تو جب ہر کام میں ہمارے اندر شہرت پسندی اور ریاکاری اور ریاکاری کا جذبہ غالب ہوگا تو ثواب کہاں سے ملے گا الٹا گناہ کر کے دل ہی سیاہ ہوگا۔

اللہ ہم سب کو اس بیماری سے بچائے۔ آمین۔

شہرت سے نفرت:

ایک بار حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ نے عام لوگوں کے لیے ایک دیگ کھانا پکوایا، اور خلق اللہ کے رہگذر پر رکھ دیا۔ تین دن کے بعد آنے جانے والے لوگ اس دیگ سے کھاتے رہے۔ اس میں کچھ کمی نہ آئی۔

حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ کے دل میں یکایک یہ خیال آیا کہ تمام دنیا میں شہرت ہو جائے گی کہ احمد ایسا شیخ ہے، پھر ایک دم ان کو خیال آیا اور کہنے لگے شہرت آفت ہے، جس

سے سب خوش ہوتے ہیں۔ اور گمنامی راحت ہے، جس کو کوئی نہیں چاہتا، اے احمد! بندے سب اللہ کے ہیں وہ رزاق مطلق ہے اس کی شان بڑی ہے وہ جانے اور اس کے بندے جانیں، تم درمیان میں نہ پڑو، اپنے قلب کے گھوڑے کو وافوض امری الی اللہ کے وسیع میدان میں دوڑاؤ۔ اور اپنی ذات کو اپنی خودی اور اپنے کام سے علیحدہ کر کے اس نام ونشان کی ہستی کو مٹا کر مالک الملک لایزال ملکہ کی ہستی میں گم ہو جاؤ، اور اسی وقت طاقت طالبان حق کے فقر میں اضافہ کے لیے ایک نعرہ لگایا۔ اور دیگ کو زمین پر ٹپک دیا۔

شہرت سے نقصان:

ابوسلیمان دارانیؒ نے کسی متوفی بزرگ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھ پر تو کرم ہو گیا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنا ضرر ہم لوگوں کو شہرت پانے سے ہوتا ہے اتنا کسی اور چیز سے نہیں ہوتا۔

شہرت بوجھ بن گئی:

فرانس کی سینما کی تاریخ میں جس خاتون نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی وہ ''بی بی (Brigitte Bardot) ہے۔ وہ ۱۹۳۴ میں پیدا ہوئی۔ فلمی دنیا میں بعض اعتبار سے اس نے میریلین مونرو اور مارلین ڈٹرچ سے بھی زیادہ بڑا مقام حاصل کیا تھا۔ جون آف آرک کے بعد وہ فرانس کی سب سے زیادہ شہرت یافتہ خاتون شمار ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''بی بی'' کے ذریعہ باہر کی جو دولت فرانس میں آئی وہ اس سے بھی زیادہ ہے جو مشہور رینالٹ (Renault) موٹر کمپنی کے ذریعے فرانس میں آئی۔ ٹونی کرالی نے ۱۹۵۸ کے آخر میں اندازہ لگایا تھا کہ اس کی تصویریں یورپ اور امریکہ کے جرائد کے صفحہ اول پر ۲۹۳۴۵ بار چھپ چکی ہیں۔

''بی بی'' کی فلم پر فلم بنتی رہی۔ اس کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ بعض اوقات وہ اپنے گھر سے نکلنے میں صرف اس لیے کامیاب نہ ہو سکی کہ اس کے گھر کے باہر فوٹو گرافروں کی ناقابل عبور فوج کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے نام روزانہ اتنے زیادہ خطوط آتے تھے کہ ان کی

منتخب تعداد کو پڑھنا بھی اس کے لیے ناممکن تھا۔

ان تمام ظاہری رونقوں کے باوجود اندر سے وہ سخت غیر مطمئن تھی حتیٰ کہ اس کی شہرت اس کے لیے ایک بوجھ بن گئی۔ اس نے خودکشی کے ارادے سے ایک رات بہت زیادہ مقدار میں خواب آور گولیاں کھالیں:

تاہم وہ مر نہ سکی۔ اس وقت بھی جب کہ وہ نازک حالت میں پیرس کے ایک اسپتال میں لے جائی جارہی تھی، فوٹوگرافروں نے ایمبولنس کار کو زبردستی راستہ میں روکا تاکہ وہ اس کا فوٹو لے سکیں۔ ''بی بی'' کے بارے میں ایک رپورٹ میں اس کا تاثر بتایا گیا تھا کہ کیمرہ کے سامنے اس نے کبھی سکون محسوس نہیں کیا:

۳۹ سال کی عمر میں جب کہ وہ تقریباً پچاس کامیاب فلمیں بنا چکی تھی، اس نے اچانک اپنا کیریئر ختم کردیا۔ وہ فلمی دنیا سے بالکل بے تعلق ہوگئی۔ اس نے اپنی شاندار رولس رائس کار فروخت کردی اور اپنے مکان میں تنہا رہنے لگی جہاں وہ ایک معمولی انسان کی طرح خاموش زندگی گزار سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ گھر کے باہر کی دنیا میں ہیرو بننا اور ہر طرف شہرت حاصل کرنا عورت کی فطرت کے سراسر خلاف ہے۔ عورت فطری طور پر خانہ پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مصنوعی میدانوں میں شہرت پانے والی عورتیں اپنے کیریئر کے درمیان میں یا اس کے آخر میں خانہ نشیں ہوجاتی ہیں۔ وقتی چمک دمک کے بعد بالآخر ان کو جہاں سکون ملتا ہے وہ ان کا گھر ہے نہ کہ ان کا باہر۔

عورت کے بارے میں اسلام کا قانون عورت کی اسی فطرت کی رعایت ہے نہ کہ عورت کے اوپر کوئی ظلم۔ وہ مقام جہاں ایک عورت ناکام تجربہ کے بعد پہونچتی ہے، اسلام چاہتا ہے کہ وہ اپنے آزادارادے کے تحت خود اپنے انتخاب کے ذریعے وہاں پہنچے۔

یورپی ماہر نفسیات والٹیسئر کہتا ہے کہ:

''حد سے زیادہ شہرت بھی عذاب ہے۔''

موضوع نمبر ۴۲

بغیر چھنے آٹے کی افادیت اور جدید تحقیقات

دین اسلام ہر معاملے میں سادگی اختیار کرنے اور تصنع سے بچنے کا حکم دیتا ہے اور واقعتاً اسلام کی ہر ہر تعلیم میں صحت وتندرستی نیز دنیاوی واخروی بھلائی کے وہ راز پوشیدہ ہیں کہ جو خلوص دل سے عمل کرنے والوں پر ہی کھلتے ہیں۔

غذا کے معاملے میں جہاں اسلام میں مرغن کھانوں سے پرہیز اور سادہ کھانوں کی رغبت کی تعلیمات ملتی ہیں وہیں بغیر چھنا آٹا بھی اس زمرے میں آتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بغیر چھنے آٹے کی روٹی استعمال کرتے تھے۔

آیئے دیکھیں کہ جدید سائنسی تحقیق اسلامی تعلیمات کے اس پہلو کی کس طرح وضاحت کرتی ہے۔

بغیر چھنا آٹا اور جدید سائنسی تحقیق:

آپ ﷺ کاربوہائیڈریٹ (Corbohydrates) میں ستو اور بغیر چھنا ہوا آٹا پسند فرماتے تھے۔ ضروری نشاستہ ان چیزوں میں موجود ہوتا ہے لیکن ایک خاص مقدار ان چھنے آٹے میں Cellulose (بھوسہ) کی بھی ہوتی ہے۔ صاف نشاستہ جسم کو جہاں طاقت باہم پہنچاتا ہے وہاں پر اس کا بھوسہ فضلاتی نظام کے لیے ضروری ہے اور اس کے استعمال سے قبض، کینسر اور بہت سی بیماریوں سے جسم کی بڑی آنت محفوظ رہتی ہے۔ صاف شدہ آٹا (Refined) کے متعلق آج عام طور پر میڈیکل سائنس میں کہا جاتا ہے کہ یہ بڑی آنت کے کینسر کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے اسی لیے آج کل جو کی گولیاں مریضوں کو دی جاتی ہیں تاکہ انہیں قبض نہ ہو اور وہ بڑی آنت سے متعلق بیماریوں سے محفوظ رہ سکیں۔

سفید آٹے کا استعمال:

ایک دور تھا جب گندم پیسنے کے لیے پتھر کی چکیاں استعمال ہوتی تھیں۔ ان سے آٹے کی غذائیت مکمل طور پر محفوظ رہتی تھی۔ گو چکیاں آج بھی موجود ہیں۔ لیکن اب ان کی تعداد بہت کم ہوگئی ہے۔

آج کل زیادہ تر وٹیکل یا گرینڈنگ چکیوں کا رواج عام ہو چکا ہے۔ ان چکیوں میں پسی گئی گندم کا آٹا نہایت باریک میدہ کی طرح تیار ہوتا ہے۔ اس آٹے کا چھان جل جاتا ہے اور صرف نشاستہ باقی رہ جاتا ہے۔ جسکے استعمال سے معدہ وامعاء کی رطوبتیں اس میں جذب ہو کر معدہ وانتڑیوں میں مضر صحت فضلات کا اجتماع ہونے لگتا ہے۔ جس سے بہت سے امراض جنم لیتے رہتے ہیں۔

بہتر ہوگا کہ گندم پسواتے وقت پتھر کی چکیوں کو ترجیح دی جائے تاکہ آپ کو غذائیت سے بھرپور آٹا میسر آئے۔ آٹے میں پھوک کی موجودگی نہایت اہم ہے۔ آٹے کا یہ جزو جب چھوٹی آنتوں سے گزر کر بڑی آنتوں میں پہنچتا ہے تو اسکی رطوبت تحلیل ہو چکی ہوتی ہے اور ہاضم خامرے پھوک کے علاوہ دوسرے اجزاء پر عمل کر کے ان کو انجذاب وانہضام کے قابل بنا دیتے ہیں اور نباتی غذا کا پھوک قولون تک پہنچتا ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سے ممالک میں جو تحقیقات ہوئی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غذا کے پھوک اور براز کی مقدار و وزن میں گہرا تعلق ہے۔ آٹے میں ریشے اور پھوک کی مقدار جتنی زیادہ ہوگی۔ اس کا فضلہ اسی قدر جلد آنتوں سے گذر کر خارج ہوگا اور آنتوں سے فضلہ جس قدر جلد خارج ہوگا۔ اس قدر امراض کی پیدائش کا خطرہ کم ہوتا چلا جائے گا۔ قبض نہیں ہوگا اور آپ بہت سے امراض مثلاً بواسیر، بڑی آنتوں کے سرطان اور ٹانگوں کی وریدیں پھولنے جیسے امراض سے بچے رہیں گے۔

موضوع نمبر ۴۳

وحی یعنی خدا کا پیغام اور جدید تحقیقات

وحی اور رسالت کی تردید کرنا کسی فلسفی کے بس میں نہیں ہے:

وحی اور نبوت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوتا ہے۔ اور یہ کوئی خلاف عقل یا ناممکن چیز نہیں، اور نہ دنیا کا کوئی فلسفہ اس کی تردید کر سکتا ہے انسان خود جو خدا کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ وہ ایک بے جان آلہ ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کے ذریعے الفاظ منتقل کر سکتا ہے اور روزانہ اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اور مسمریزم وغیرہ جو ایک روحانی عمل ہے جس کے ذریعے ایک انسان اپنے خیالات اور باتیں مخفی طور پر دوسرے انسان کے ذہن میں ڈال دیتا ہے۔ تو کیا خالق کائنات اللہ جل شانہٗ کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی بے جان آلہ میں نہیں، بلکہ ایک منتخب رسول اور مقدس ہستی کے دل و دماغ میں اپنے کلام کو ڈال دیں۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ وحی نبوت پر محققانہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اگر آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کائنات ایک قادر مطلق نے پیدا کی ہے اور وہی اس کے مربوط مستحکم نظام کو اپنی حکمت بالغہ سے چلا رہا ہے اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کر کے اسے اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو اور اسے یہاں تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے یہاں اس کے ذمہ کیا فرائض ہیں؟

اس کی منزل مقصود کیا ہے؟

اور وہ کس طرح اپنے مقصد زندگی کو بروئے کار لا سکتا ہے؟

کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت سفر پر بھیج دے اور اسے نہ چلتے ہوئے اس کے سفر کا مقصد بتائے اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعے اس پر یہ واضح کرے کہ اسے کس کام کے لیے بھیجا گیا

ہے، اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہوگی، جب ایک معمولی قسم کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کرسکتا تو آخر اس خداوند قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جاسکتا ہے جس کی حکمت بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے۔

یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان وزمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو۔ وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کرسکے جس کے ذریعے انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایات دی جاسکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا ہے بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے۔ بس رہنمائی کے اس باقاعدہ نظام کا نام وحی و رسالت ہے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ ''وحی'' محض ایک دینی اعتقاد ہی نہیں، ایک عقلی حقیقت ہے جس کا انکار درحقیقت اللہ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔ رہی یہ بات کہ وحی کے جو طریقے اوپر ذکر کیے گئے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتے، سو یہ وحی کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی علمی دلیل نہیں ہے جس چیز کی عقلی ضرورت اور اس کا وقوع ناقابل انکار دلائل سے ثابت ہو۔ اسے محض اس بنا پر رد نہیں کیا جاسکتا کہ ہم نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا۔

وحی کے ثبوت پر عقلی دلائل:

آج سے چند سال پہلے اگر کسی شخص کے سامنے یہ ذکر کیا جاتا کہ عنقریب انسان ہوائی جہاز میں پرواز کر کے ہزاروں میل کا فاصلہ چند گھنٹوں میں طے کرلیا کریں گے تو وہ یقیناً اُسے پریوں کا افسانہ قرار دیتا، لیکن کیا اس کا مشاہدہ نہ کرنے سے ہوائی جہاز کی حقیقت ختم ہوگئی ہے؟ آج بھی پس ماندہ علاقوں کے ہزارہا افراد ایسے ہیں جو اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ انسان چاند پر پہنچ گیا ہے لیکن کیا ان کے انکار کرنے سے واقعہ غلط ثابت ہوگیا ہے۔

دیہات میں جا کر کسی آدمی سے کمپیوٹر سسٹم کی تفصیلات بیان کیجیے اور اسے بتائیے کہ کس طرح ایک مشین انسانی دماغ کا کام کر رہی ہے، وہ آپ کے بیانات پر آخر تک شک

وشبہ کا اظہار ہی کرتا رہے گا۔ لیکن کیا ان شکوک وشبہات سے کمپیوٹر کے وجود کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو وہ وحی جس کی عقلی ضرورت مسلم اور ناقابل انکار ہے اور جس کا مشاہدہ دنیا کے ایک لاکھ چوبیس ہزار صادق ترین انسانوں نے کیا ہے (علیہم السلام) اسے محض ان شکوک وشبہات کی بنا پر کیسے جھٹلایا جاسکتا ہے۔ اور آخر وحی کے طریقوں میں عقلی بعد کیا ہے۔ کیا معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو وحی کے ان طریقوں پر قدرت نہیں؟

اگر ایک سائنسدان اپنی محدود عقل کے بل پر پیغام رسانی کے لیے ٹیلیفون، تار، ٹیلی پرنٹر، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے حیرت انگیز، آلات ایجاد کر سکتے ہیں، تو کیا اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) اتنی بھی قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا سلسلہ قائم فرمادے جو تمام ذرائع مواصلات سے مستحکم اور یقینی ہو۔ وحی کی حقیقت یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام کسی واسطے کے ذریعے یا بلا واسطہ اپنے کسی پیغمبر پر القاء فرمادیتا ہے۔

اس عمل کو صوفیاء کی اصطلاح میں ”تصرف خیالی“ کہا جاتا ہے۔ صوفیاء کرام کے تذکروں میں اس عمل کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جس کے ذریعے ایک شخص اپنی خیالی قوت سے دوسرے کے دل ودماغ پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ اس سے جو چاہتا ہے کہلواتا اور جو چاہے کرواتا ہے۔ مادہ پرست لوگ ایک مدت تک اس ”تصرف“ کی قوت کا انکار کرتے رہے اور انہی کی تقلید میں بہت سے مسلمانوں نے بھی اسے قصہ کہانی سے تعبیر کیا۔

دور جدید میں انسانی ذہن کو مسخر کرنے کے مختلف تجربات:

یہاں تک کہ اٹھارویں صدی کے وسط میں سوئزر لینڈ کا مشہور ماہر طبیعات میسمر (Mesmer) پیدا ہوا اس نے انسانی دماغ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور ۱۷۷۵ء میں اپنے ایک مقالے کے ذریعے یہ انکشاف کیا کہ ایک مقناطیسی عمل کے ذریعے انسان کے دماغ کو مسخر کیا جاسکتا ہے۔ اس عمل کو وہ تنویم (Anima Magnetism) کہتا تھا۔ اور فرانس میں مقیم رہ کر اس نے کامیاب عملی تجربے کیے لیکن وہ اپنے زمانے کے لوگوں کو پوری طرح مطمئن نہ کر سکا۔

پھر ۱۸۴۲ء میں انگلینڈ میں ایک شخص جیمیس بریڈ (James Brad) پیدا ہوا جس

نے اس عمل تسخیر کی سائیٹفک بنیادوں پر از سر نو ثابت کر کے اس کا نام عمل تنویم یا ہپنا ٹزم (Hypnotism) تجویز کیا۔ جیمس بریڈ کے تجویز کردہ ہپنا ٹزم میں مختلف مدارج ہوتے ہیں اس کا انتہائی درجہ تو یہ ہوتا ہے کہ جس شخص پر یہ عمل کیا جائے یعنی معمول Hyponotised اس کے جسم کے تمام عضلات واعصاب بالکل جامد اور بے حس ہو جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ حواس ظاہرہ و باطنہ معطل ہو جاتے ہیں، لیکن اس کا ایک درمیانی درجہ بھی ہے جس میں جسم بے حس وحرکت نہیں ہوتا بلکہ اس کی کیفیت کا حال بیان کرتے ہوئے ورلڈ فیملی انسائیکلو پیڈا میں لکھا ہے۔

اگر تنویم کا عمل ذرا ہلکا ہو تو معمول اس لائق رہتا ہے کہ وہ مختلف اشیاء کا تصور کر سکے مثلاً اس حالت میں یہ ممکن ہے کہ وہ (عامل کی ہدایت کے مطابق) اپنے آپ کو کوئی اور شخصیت یقین کرے اسے کچھ خاص چیزیں، جو وہاں فی الواقع موجود نہیں ہوتیں تصور میں آنے لگے یا وہ غیر معمولی حس اپنے اندر محسوس کرنے لگے۔ اس لیے کہ وہ اس وقت عامل کی ہدایت کا تابع ہو جاتا ہے۔

(The world family Encyclo-Paedia 1957 P.3426 V.12)

جیمس بریڈ کی تحقیقات اور تجربات کے بعد ہپنا ٹزم کو ان مادہ پرست لوگوں نے مان لیا جو پہلے اس کے قائل نہ تھے اور آج کل تو یہ مغربی عوام کی دلچسپی کا بہت بڑا موضوع بنا ہوا ہے سینکڑوں عامل اس کے ذریعے روپیہ کما رہے ہیں۔ مریضوں کے علاج میں بھی اس سے کام لیا جا رہا ہے۔ اور وہ ''تصرف خیالی'' جس کا ذکر مسلمان صوفیاء کرام کے ہاں صدیوں سے چلا آ رہا تھا اور جس کو لوگ محض توہم پرستی کہہ کر ٹال دیا کرتے تھے۔

اب ہپنا ٹزم کے نام سے ایک حقیقت بن گیا ہے اور اب ہمارے زمانے کے وہ نام نہاد ''عقلیت پسند'' بھی اسے تسلیم کرنے لگے ہیں۔ جنہیں مسلمانوں کی ہر غیر معمولی بات تو ہم پرستی اور مغرب کی ہر دریافت سائیٹفک نظر آتی ہے۔

بہر کیف عرض کرنا یہ تھا کہ مسمریزم ہو یا ہپنا ٹزم اس کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک انسان دوسرے کو مسخر کر کے اپنے خیالات اور اپنی باتیں اس کے دل و دماغ میں ڈال دیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جس خدا نے انسان کے تصرف خیالی یا عمل تنویم میں اتنی قوت ڈالی ہے کہ وہ معمولی معمولی مقاصد کے لیے بلکہ بعض اوقات بالکل بے کار دوسرے

کے دل ودماغ کو مسخر کر لیتا ہے۔

کیا وہ خود اس بات پر قادر نہیں کہ انسانیت کی ہدایت کی خاطر ایک پیغمبر کے قلب کو مسخر کر کے اپنا کلام اس میں ڈال دیں۔

سبحانک ھذا بھتان عظیم

وحی یعنی خدا کے پیغام کی صداقت پر جدید تحقیقات:

خدا کے بعد مذہب کا دوسرا اہم عقیدہ رسالت یا وحی والہام ہے یعنی یہ عقیدہ کہ خدا انسانوں میں سے کسی انسان پر اپنا کلام اتارتا ہے، اور اس کے ذریعے تمام انسانوں کو اپنی مرضی سے باخبر کرتا ہے، اب چونکہ بظاہر ہمیں خدا اور صاحب وحی کے درمیان ایسا کوئی ''تار'' نظر نہیں آتا جس پر خدا کا پیغام سفر کر کے انسانوں تک پہنچتا ہو' اس لیے بہت سے لوگ اس دعوے کے صحیح ہونے سے انکار کر دیتے ہیں' حالانکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو ہم اپنے معلوم حقائق کی مدد سے بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔

ہمارے گرد و پیش ایسے واقعات موجود ہیں، جو ہمارے محدود دائرۂ سماعت سے کہیں بالاتر ہیں، مگر اس کے باوجود انہیں اخذ کیا جا سکتا ہے، انسان نے آج ایسے آلات ایجاد کر لیے ہیں، جن سے وہ ایک مکھی کے چلنے کی آواز میلوں دور سے اس طرح سن سکتا ہے، جیسے وہ اس کے کان کے پردہ پر رینگ رہی ہو، حتی کہ وہ کائناتی شعاعوں (COMIC RAYS) کے تصادم تک کو ریکارڈ کر لیتا ہے۔

اس طرح کے آلات اب کثرت سے انسان کو حاصل ہو چکے ہیں، جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ اخذ وسماعت کی ایسی صورتیں بھی ممکن ہیں جو معمولی حواس کے ذریعے ایک شخص کے لیے ناممکن اور ناقابل قیاس ہوں۔

پھر یہ مخصوص ذرائع ادراک صرف مشینی آلات تک محدود نہیں، بلکہ حیوانوں کا مطالعہ بتاتا ہے، کہ فطرت نے خود ذی حیات اشیاء کے اندر ایسی طاقتیں رکھی ہیں۔ بے شک عام انسان کے حواس بہت محدود ہیں مگر جانوروں کے حواس کا معاملہ اس سے مختلف ہے، کتا اپنی متجسس ناک سے اس جانور کی بو سونگھ لیتا ہے، جو راستے سے نکل گیا، چنانچہ کتے کی اس

صلاحیت کو جرائم کی تفتیش میں استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد اسے چھوڑ دیا جاتا ہے، وہ سیکڑوں انسانوں کے درمیان ٹھیک اس شخص کو تلاش کر کے اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، جس نے اپنے ہاتھ سے تالے کو چھوا تھا، کتنے جانور ہیں، جو ایسی آوازیں سنتے ہیں' جو ہماری قوت سماعت سے باہر ہیں۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جانوروں میں اشراق (TELEFATHY) کی صلاحیت پائی جاتی ہے، ایک مادہ پتنگے (MOTH) کو کوٹھے میں کھلی کھڑکی کے پاس رکھ دیجئے، وہ کچھ مخصوص اشارے کرے گی، یہ اشارے اسی نوع کے نر پتنگے حیرت انگیز فاصلے سے سن لیں گے اور اس کا جواب دیں گے جھینگر اپنے پاؤں یا پر ایک دوسرے پر رگڑتا ہے، رات کے سناٹے میں آدھے میل دور تک یہ آواز سنائی دیتی ہے، یہ چھ سوٹن ہوا کو ہلاتا ہے، اور اس طرح اپنے جوڑے کو بلاتا ہے، اس کی مادہ جو بظاہر بالکل خاموش ہوتی ہے، مگر پراسرار طریقہ پر کوئی ایسا بے آواز جواب دیتی ہے جو نر تک پہنچ جاتا ہے، نر اس پراسرار جواب کو جسے کوئی بھی نہیں سنتا، حیرت انگیز طور پر سن لیتا ہے، اور ٹھیک اسی سمت میں اس کے مقام پر جا کر اس سے مل جاتا ہے اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک معمولی ٹڈے (GRASSHOPPER) کی قوت سماعت اس قدر تیز ہوتی ہے کہ ہائیڈروجن کے ایٹم کے نصف قطر کے برابر کی حرکت تک کو وہ محسوس کر لیتا ہے۔

اس طرح کی کثیر مثالیں موجود ہیں' جو یہ بتاتی ہیں کہ ایسے ذرائع مواصلات ممکن ہیں جو بظاہر نظر نہ آتے ہوں مگر اس کے باوجود وہ بطور واقعہ موجود ہوں اور مخصوص حواس رکھنے والے ذی حیات اس کا ادراک کر لیتے ہوں، ان حالات میں اگر ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "مجھے خدا کی طرف سے ایسی آوازیں سنائی دیتی ہیں، جن کو عام لوگ نہیں سنتے تو اس میں اچنبھے کی کیا بات ہے۔

اگر اس دنیا میں ایسی آوازیں ممکن ہیں، جو آلات سنتے ہوں مگر انسان نہ سنتے ہوں، اگر یہاں ایسی پیغام رسانی ہو رہی ہے جس کو ایک مخصوص جانور تو سن لیتا ہے، مگر دوسرا اسے نہیں سنتا، تو آخر اس واقعہ میں استبعاد کا کیا پہلو ہے کہ خدا اپنی مصالح کے تحت بعض مخفی ذرائع سے ایک انسان تک اپنا پیغام بھیجتا ہے، اور اس کے اندر ایسی صلاحیتیں پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اس کو اخذ کر سکے اور اس کو پوری طرح سمجھ کر قبول کر لے، حقیقت یہ ہے کہ وحی

والہام کے تصور اور ہمارے مشاہدات وتجربات میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، بلکہ یہ اسی قسم کے مشاہدات کی ایک مخصوص صورت ہے، جس کا مختلف شکلوں میں ہم تجربہ کر چکے ہیں، یہ ایک امکان کو واقعہ کی صورت میں تسلیم کرنا ہے۔

پھر اشراق اور غیب دانی کے تجربات بتاتے ہیں کہ یہ چیز صرف حیوانوں تک محدود نہیں بلکہ انسان کے اندر بھی بالقوہ اس قسم کی خصوصیات موجود ہیں، ڈاکٹر الکسس کیرل کے الفاظ میں ''فرد کی نفسیاتی سرحدیں مکاں اور زماں کے اندر محض فرضی (SUPPOSITIONS) ہوتی ہیں'' (ص ۲۴۴) چنانچہ ایک عامل کسی آواز اور خارجی ذریعہ کے بغیر اپنے معمول پر توجہ ڈالتا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ اس پر مصنوعی نیند (HYPNOTIC SLEEP) طاری کرسکتا ہے، اس کو ہنسا یا رلا سکتا ہے، اس کے ذہن میں مخصوص خیالات القاء کرسکتا ہے۔

یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں نہ کوئی ظاہری آلہ استعمال ہوتا ہے اور نہ عامل اور معمول کے سوا کوئی شخص اسے محسوس کرتا ہے، پھر اسی نوعیت کا واقعہ بندے اور خدا کے درمیان کیوں ہمارے لیے ناقابل تصور ہو، خدا کو ماننے اور انسانی زندگی میں اشراقی قوت کا تجربہ کر لینے کے بعد ہمارے لیے وحی والہام سے انکار کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہتی۔

ایک شخص سے دوسرے شخص پر ہپناٹزم کرنے کا حیرت انگیز تجربہ:

دسمبر ۱۹۵۰ء کا واقعہ ہے، بوریا کے حکام نے ایک وی آئی عامل توجہ (HYPNOTIST) فرنٹرسٹرویل پر ریڈیو پروگرام میں ''خلل اندازی بذریعہ ٹیلی پیتھی'' کے الزام میں مقدمہ دائر کردیا، ریجنا ہوٹل واقع میونخ میں اپنے کرتب کا مظاہرہ کرتے ہوئے سٹرویل نے ایک تماشہ بیں کو تاش کا ایک پتہ اٹھا کر دیا اور اس سے کہا کہ وہ اس کا نام حسب منشا ترتیب کے ساتھ اپنے دل میں سوچ لے ہپناٹسٹ نے دعویٰ کیا کہ وہ اس پتے کا نام مع ترتیب (جیسا کچھ پتہ اٹھانے والے نے اپنے دل میں سوچ رکھا تھا) خود جانے بغیر ریڈیو کے اس اناونسر کی جانب منتقل کردے گا، جو اس وقت ریڈیو پر خبریں سنا رہا تھا۔

چند ہی سیکنڈ بعد حیرت زدہ سامعین نے میونخ ریڈیو کے اناؤنسر کی لڑکھڑاتی زبان میں سنا ''ریجنا ہوٹل، حکم کی ملکہ'' پتے کا نام بھی درست تھا، اور ترتیب بھی پتہ اٹھانے والے کی سوچ کے عین مطابق تھی۔

اناؤنسر کی وحشت اس کی آواز سے واضح طور پر مترشح ہو رہی تھی، تاہم وہ خبریں سنائے چلا گیا، ادھر سیکڑوں ریڈیو سننے والے اس عجیب واقعہ کا سبب معلوم کرنے کے لیے براڈ کاسٹنگ اسٹیشن کو ٹیلی فون کر رہے تھے، کیونکہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خبروں کے پروگرام کے درمیان ''ریجنا ہوٹل، حکم کی ملکہ'' کے الفاظ کا کیا مطلب ہے، ڈاکٹر معائنہ کے لیے آیا تو اس نے پایا کہ اناؤنسر شدید اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہے، اناؤنسر نے بتایا کہ خبریں پڑھتے پڑھتے اس کے سر میں اچانک ایک درد سا اٹھا، اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا۔

میں کہوں گا کہ اگر انسان کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ایک انسان کے خیالات دوسرے انسان کو بعینہ منتقل کر دے، جبکہ دونوں کے درمیان غیر معمولی فاصلہ ہو اور اس کے لیے کوئی ظاہری واسطہ استعمال نہ کیا گیا ہو تو القائے کلام کا یہی واقعہ خالق کائنات کی طرف سے کیوں وجود میں نہیں آ سکتا، انسانی صلاحیت کا یہ اظہار جس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں' یہ ایک تجرباتی قرینہ ہے جس سے ہم اس امکان کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ خدا اور بندے کے درمیان کسی واسطہ کے بغیر کس طرح الفاظ اور معانی کا تعلق قائم ہوتا ہے' اور ایک کے خیالات دوسرے کو بعینہ منتقل ہو جاتے ہیں، اشراقی پیغام رسانی جو بندوں کے درمیان ایک معلوم اور ثابت شدہ واقعہ ہے، ایک ایسا قرینہ ہے جس سے ہم اس اشراق کو سمجھ سکتے ہیں، جو بندے اور خدا کے درمیان ہوتا ہے، اور جس کی کامل اور تعین صورت کو مذہب کی اصطلاح میں ''وحی'' کہا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وحی اپنی نوعیت کے اعتبار سے اسی قسم کا ایک مخصوص کائناتی اشراق ہے جس کا تجربہ محدود پیمانے پر ہم انسانی زندگی میں بار بار کر چکے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔

وحی والہام کو ممکن ماننے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کی ضرورت بھی ہے یا نہیں کہ خدا کسی انسان سے مخاطب ہو اور اس کے ذریعے سے اپنا کلام بھیجے، اس کی ضرورت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ رسول آدمی کو جس چیز سے باخبر کرتا ہے، وہ آدمی

کی شدید ترین ضرورت ہے، مگر وہ خود اپنی کوشش سے اسے حاصل نہیں کرسکتا ہزاروں برس سے انسان حقیقت کی تلاش میں ہے، وہ سمجھنا چاہتا ہے کہ یہ کائنات کیا ہے، انسان کا آغاز وانجام کیا ہے، خیر کیا ہے اور شر کیا ہے، انسان کو کیسے قابو میں لایا جائے، زندگی کو کیسے منظم کیا جائے کہ انسانیت کے سارے تقاضے اپنے صحیح مقام کو پاتے ہوئے متوازن ترقی کرسکیں، مگر ابھی تک اس تلاش میں کامیابی نہیں ہوئی۔

تھوڑی مدت کی تلاش وجستجو کے بعد ہم نے لوہے اور پٹرول کی سائنس بالکل ٹھیک ٹھیک جان لی اور اس طرح طبیعی دنیا کی سیکڑوں سائنسوں کے بارے میں صحیح ترین واقفیت حاصل کرلی، مگر انسان کی سائنس ابھی تک دریافت نہیں ہوئی طویل ترین مدت کے درمیان بہترین دماغوں کی لاتعداد کوششوں کے باوجود یہ سائنس ابھی تک اپنے موضوع کی ابتدائیات کو بھی متعین نہ کرسکی، اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس معاملے میں ہمیں خدا کی مدد کی ضرورت ہے، اس کے بغیر ہم اپنا ''دین'' معلوم نہیں کرسکتے۔

یہ بات انسان جدید کو تسلیم ہے کہ زندگی کا راز ابھی تک اس کو معلوم نہ ہوسکا، مگر اسی کے ساتھ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ کبھی تو اس راز کو معلوم کرلے گا، سائنس اور صنعت کے پیدا کیے ہوئے ماحول کا انسان کے لیے سازگار نہ ہونا اسی وجہ سے ہے کہ ''اگر ایک طرف جامد ارادے کے علوم کی وسیع پیمانے پر ترقی ہوئی ہے تو دوسری طرف جاندار ہستیوں کے علوم بالکل ابتدائی حالت پر باقی ہیں۔'' اس دوسرے شعبہ پر جن لوگوں نے کام کیا وہ حقیقت کو نہ پاسکے اور اپنے تخیلات کی دنیا میں بھٹک رہے ہیں نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر الکسس کیرل (ALEXIS CARREL) کے الفاظ میں:

''فرانسیسی انقلاب کے اصول اور مارکس اور لینن کے نظریے محض ذہنی اور قیاسی انسانوں پر منطبق ہوسکتے ہیں، اس بات کو صاف طور پر محسوس کرنا چاہیئے کہ انسانی تعلقات کے قوانین (LAE AOF HUMAN RELATIONS) اب تک معلوم نہیں ہوسکے ہیں، حیات اور اقتصادیات کے علوم محض قیاسی ہیں اور ناقابل ثبوت ہیں۔''

(MAN THE UNKNOWN, P.37)

بلاشبہ موجودہ زمانے میں علوم نے بہت ترقی کی ہے، مگر ان ترقیات نے مسئلے کو اور الجھا دیا ہے، اس نے کسی بھی درجہ میں اس کو حل کرنے میں کوئی مدد نہیں کی ہے۔ جے، ڈبلیو،

این سولیو(J.W.N.SULLIVAN) لکھتا ہے۔

''سائنس نے موجودہ زمانے میں جس کائنات کو دریافت کیا ہے' وہ تمام فکری تاریخ کے مقابلے میں بہت زیادہ پر اسرار ہے۔ اگرچہ فطرت کے بارے میں ہماری معلومات تمام پچھلے ادوار کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں' مگر اس کے باوجود یہ کثیر معلومات ایک اعتبار سے بہت کم تشفی بخش ہیں... کیونکہ ہر سمت میں ہم ابہام(AMBIGUTIES اور تضاد (CONTRADICTIONS) سے دو چار ہو رہے ہیں۔''

(LIMITATIONS OF SCIENCE,P.1)

زندگی کے راز کو مادی علوم میں تلاش کرنے کا یہ عبرت ناک انجام بتاتا ہے کہ زندگی کا راز انسان کے لیے نا قابل دریافت ہے، ایک طرف صورت حال یہ ہے کہ زندگی کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے، اس کے بغیر ہم کوئی عمل نہیں کر سکتے ہمارے بہترین جذبات اسے جاننا چاہتے ہیں، ہماری ہستی کا اعلیٰ ترین جزو جس کو ہم فکر یا ذہن کہتے ہیں، وہ اس کے بغیر مطمئن ہونے کے لیے کسی طرح راضی نہیں، ہماری زندگی کا سارا نظام اس کے بغیر ابتر ہے اور لاینحل معمہ بنا ہوا ہے، دوسرے لفظوں میں یہ ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے، مگر یہی سب سے بڑی ضرورت ہم خود سے پوری نہیں کر سکتے۔

کیا یہ صورت حال اس بات کی کافی دلیل نہیں ہے کہ انسان ''وحی'' کا محتاج ہے، زندگی کی حقیقت کا انتہائی ضروری ہونے کے باوجود انسان کے لیے نا قابل دریافت ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اس کا انتظام اسی طرح خارج سے کیا جانا چاہیئے، جیسے روشنی اور حرارت انسان کے لیے ناگزیز ہونے کے باوجود اس کے اپنے بس سے باہر ہے، مگر قدرت نے حیرت انگیز طور پر سورج کے ذریعے اس کا انتظام کر دیا ہے......(اس مسئلہ پر مزید مواد اگلے باب میں ملے گا۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی الٰہی اور جدید تحقیق:

وحی والہام کو ممکن اور ضروری تسلیم کر لینے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے، کہ جو شخص اس کا دعویٰ کر رہا ہے، وہ فی الواقع صاحب وحی ہے یا نہیں، ہمارے عقیدے اور ایمان کے

مطابق اس قسم کے صاحبان وحی بہت کثیر تعداد میں اس زمین پر پیدا ہو چکے ہیں، مگر اس باب میں ہم خاص طور پر آخری رسول حضرت محمد ﷺ کے دعویٰ نبوت پر گفتگو کریں گے۔ اس لیے کہ آپ کے دعویٰ نبوت کا ثابت ہونا دراصل سارے انبیاء کے دعویٰ نبوت کا ثابت ہونا ہے، کیونکہ آپ دیگر انبیاء کے منکر نہیں ہیں، بلکہ ان کی تصدیق کرنے والے ہیں، اور اس لیے بھی کہ اب موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے آپ ہی خدا کے رسول ہیں، آپ کے بعد اب کوئی دوسرا رسول آنے والا نہیں ہے، اس لیے عملاً اب نسل انسانی کی نجات وخسران کا معاملہ آپ ہی کے دعویٰ نبوت کو ماننے یا نہ ماننے سے متعلق ہے۔

سن عیسوی کے لحاظ سے ۲۹ اگست ۵۷۰ء کی صبح کو مکہ میں ایک بچہ پیدا ہوا، چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اس نے یہ اعلان کیا کہ خدا نے مجھ کو اپنا آخری رسول بنایا ہے، اور میرے پاس اپنا پیغام بھیج کر مجھے اس خدمت کے لیے مامور کیا ہے کہ میں اس کے پیغام کو تمام انسانوں تک پہنچادوں، جو میری اطاعت کرے گا وہ خدا کے یہاں سرفراز ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا وہ ہلاک کر دیا جائے گا۔

یہ آواز آج بھی پوری شدت کے ساتھ ہمارے سروں پر گونج رہی ہے، یہ ایسی آواز نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کو سنے اور نظر انداز کر دے، بلکہ یہ ایک زبردست مطالبہ ہے، اس آواز کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے اوپر غور کریں، اس کے بعد اگر اس کو غلط پائیں تو کھلے دل سے اسے رد کر دیں اور صحیح پائیں تو کھلے دل سے اس کو قبول کر لیں۔

کسی چیز کی علمی حقیقت بننے کے لیے اسے تین مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔

۱۔ مفروضہ (HYPOTHESIS)

۲۔ مشاہدہ (OBSERVATION)

۳۔ تصدیق (VERIFICCATION)

پہلے ایک مفروضہ یا تصور ذہن میں آتا ہے، پھر مشاہدہ کیا جاتا ہے، اس کے بعد اگر مشاہدہ سے اس کی تصدیق ہو جائے تو اس مفروضہ کو واقعہ تسلیم کر لیا جاتا ہے، اس ترتیب میں کبھی فرق بھی ہو جاتا ہے، یعنی پہلے کچھ مشاہدات سامنے آتے ہیں اور ان مشاہدات سے ایک تصور یا مفروضہ ذہن میں قائم ہوتا ہے، پھر جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مشاہدات فی الواقع اس مفروضہ کی تصدیق کر رہے ہیں تو وہ حقیقت قرار پا جاتا ہے۔

اس اصول کے مطابق نبی کا دعویٰ نبوت گویا ایک ''مفروضہ'' کے طور پر ہمارے سامنے ہے، اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مشاہدات اس کی تصدیق کر رہے ہیں یا نہیں، اگر مشاہدات اس کے حق میں گواہی دے دیں تو اس کی حیثیت ایک مصدقہ حقیقت (VERIFIED FACT) کی ہو جائے گی، اور ہمارے لیے ضروری ہو جائے گا کہ ہم اس کو تسلیم کریں۔

اب دیکھئے کہ وہ کیا مشاہدات ہیں جو اس ''مفروضہ'' کی تصدیق کے لیے درکار ہیں جن کی بنیاد پر ہم نبی کے دعوے کو جانچیں اور اس کے مطابق دعوے کا صحیح یا غلط ہونا معلوم کریں، دوسرے لفظوں میں وہ کون سے خارجی مظاہر ہیں، جن کی روشنی میں یہ متعین ہوتا ہے کہ آپ فی الواقع خدا کے رسول تھے، ذات رسول میں جمع ہونے والی وہ کون سی خصوصیات ہیں، جن کی توجیہہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ہم ان کو خدا کا رسول مانیں، میرے نزدیک یہ حسب ذیل ہیں، جو شخص اپنے بارے میں رسول ہونے کا دعویٰ کرے، اس کے اندر دو خصوصیات لازمی طور پر ہونی چاہئیں۔

ا۔ ایک یہ کہ وہ غیر معمولی طور پر ایک معیاری انسان ہو، کیونکہ وہ شخص جس کو ساری نسل انسانی میں اس لیے چنا جائے کہ وہ خدا سے ہم کلام ہو اور زندگی کی درستگی کا پروگرام اس کے ذریعہ سے منکشف کیا جائے، یقینی طور پر اس کو نسل انسانی کا بہترین فرد ہونا چاہیئے اور اس کی زندگی میں اس کے آدرشوں (IDEALS) کو بہ تمام و کمال ظہور کرنا چاہیے، اگر اس کی زندگی ان اوصاف سے مزین ہے تو یہ اس کے دعوے کی صداقت کا کھلا ہوا ثبوت ہے، کیونکہ اس کا دعویٰ اگر غیر حقیقی ہو تو وہ زندگی میں اتنی بڑی حقیقت بن کر نمایاں نہیں ہو سکتا کہ اس کو اخلاق و کردار میں ساری انسانیت سے بلند کر دے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اس شخص کا کلام اور اس کا پیغام ایسے پہلوؤں سے بھرا ہوا ہونا چاہیے جو عام انسان کے بس سے باہر ہو جس کی امید کسی ایسے ہی انسان سے کی جا سکتی ہو جس پر مالک کائنات کا سایہ پڑا ہو، عام انسان ایسا کلام پیش کرنے پر قادر نہ ہو سکیں۔

یہ دو معیار ہیں جن پر ہمیں رسول کے دعویٰ نبوت کو جانچنا ہے۔

پہلی بات کے سلسلے میں تاریخ کی قطعی شہادت یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک غیر معمولی سیرت کے آدمی تھے، ہٹ دھرمی کے ذریعے تو کسی بھی حقیقت کا انکار ممکن ہے، اور

دھاندلی کی زبان میں ہر الٹی بات کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ یہ منظر ہم خود اپنے ملک میں دیکھ چکے ہیں کہ کمیونسٹ چین نے صریح طور پر ہندوستانی سرحد کی خلاف ورزی کی اور جب احتجاج کیا گیا تو الٹا اس نے ہندوستان کے اوپر الزام لگانا شروع کر دیا کہ وہ اس کی سرحد کے اندر گھس آیا ہے۔

ہندوستان کے نام حکومت چین کا خط جنوری ۱۹۶۰ء میں شائع کیا گیا اس میں ہندوستانی سرحد کے اندر واقع دو لاکھ تیس ہزار مربع کلو مربع میٹر پر چین کا حق جتایا گیا ہے اور چینی وزیر اعظم کا کہنا ہے کہ چینی فوجوں کی پیش قدمی ہندوستانی فوجوں کو پیچھے دھکیلنے کے لیے عمل میں آئی ہے، مگر جو شخص اس قسم کے تعصب کا مریض نہ ہو اور کھلے دل سے حقیقت کا مطالعہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ لازماً تسلیم کرے گا کہ آپ ﷺ کی زندگی اخلاقی حیثیت سے نہایت اعلیٰ وارفع تھی۔

نبی اکرم ﷺ پر نزول وحی کا مفصل واقعہ:

محمد ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی، اس سے پہلے آپ کا پورا دور اخلاقی لحاظ سے اس قدر ممتاز تھا کہ آپ کو لوگ سچا اور دیانت دار کہہ کر پکارنے لگے تھے "الصادق الامین" آپ کا مشہور لقب بن گیا تھا، آپ کے متعلق یہ بات ساری آبادی میں متفق علیہ تھی کہ آپ ایک نہایت ایمان دار شخص ہیں، اور کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔

دعویٰ نبوت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا ارادہ کیا جب تعمیر ہونے لگی تو اس بات پر شدید اختلاف پیدا ہو گیا کہ حجر اسود کی نئی تعمیر میں کون شخص اس کی جگہ پر نصب کرے، چار پانچ دن تک یہ اختلاف جاری رہا اور قریب تھا کہ تلواریں چل جائیں، بالآخر طے پایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ وہ شخص کرے گا جو کل صبح کو سب سے پہلے بیت اللہ میں داخل ہو، دوسرے دن لوگوں نے جب سب سے پہلے داخل ہونے والے انسان کو دیکھا تو پکار اٹھے "ھذا الامین رضینا" (امین آ گیا، ہم سب ان کے فیصلے پر متفق ہیں)۔ (بخاری، باب ماذکر فی الحجر الاسود)

ہمیں تاریخ میں کسی ایسے شخص کا علم نہیں جس کی زندگی بحث ونزاع کا موضوع بننے

سے پہلے چالیس سال جیسی لمبی مدت تک لوگوں کے سامنے رہی ہو اور اس کے جاننے والے اس کی سیرت و کردار کے بارے میں اتنی غیر معمولی رائے رکھتے ہوں۔

پہلی بار آپ پر غار حرا میں وحی اتری تو یہ آپ کے لیے ایک ایسا غیر معمولی واقعہ تھا، جس کا آپ کو پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا، آپ شدت حساس کے ساتھ گھر لوٹے اور اپنی اہلیہ سے، جو آپ سے عمر میں بڑی تھیں، اس واقعہ کا ذکر کیا، اہلیہ کا جواب تھا....''اے ابوالقاسم! خدا یقیناً آپ کی حفاظت کرے گا، کیونکہ آپ سچ بولتے ہیں، آپ دیانت دار ہیں آپ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں، اور لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔''

ابوطالب آپ کے چچا تھے، ان کے سامنے آپ نے اسلام کی دعوت پیش کی تو انہوں نے یہ کہہ کر اسے ماننے سے انکار کر دیا کہ میں اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ نہیں سکتا، مگر اس کے بعد جب انہیں اپنے لڑکے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے معلوم ہوا کہ وہ آپ پر ایمان لا چکے ہیں تو ابوطالب نے کہا'' بیٹے! تم اس کے لیے آزاد ہو کیونکہ مجھے یقین ہے کہ محمد تم کو خیر کے سوا کسی چیز کی طرف نہیں بلائیں گے۔'' (آئیڈیل پرافٹ صفحہ ۶۸)

نبوت ملنے کے بعد جب آپ نے پہلی بار کوہ صفا کے دامن میں لوگوں کو جمع کر کے اپنی دعوت پیش کی اس وقت آپ ﷺ نے اپنی دعوتی تقریر شروع کرنے سے پہلے حاضرین سے یہ سوال کیا'' تمہارا میرے متعلق کیا خیال ہے۔'' جواب میں بالاتفاق یہ آواز آئی۔

ماجرّبنا علیک الاصدقا.

تمہارے اندر ہم نے سچائی کے سوا کوئی اور بات کبھی نہیں دیکھی ہے۔

(متفق علیہ)

پیغمبر (ﷺ) کی ابتدائی زندگی کے بارے میں یہ ایک ایسا ممتاز تاریخی ریکارڈ ہے جس کی مثال کسی بھی شاعر، فلسفی، مفکر یا مصنف کے یہاں نہیں مل سکتی۔

جب آپ نے پیغمبری کا اعلان کیا تو مکہ کے لوگ جو آپ کو اچھی طرح جانتے تھے، ان کے لیے یہ سوال خارج از بحث تھا کہ آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا یا جعل ساز سمجھیں، کیونکہ یہ محمد ﷺ کی اب تک کی پوری زندگی کے بالکل خلاف تھا، اس لیے انہوں نے کبھی آپ پر اس قسم کا الزام نہیں لگایا، بلکہ کہا تو یہ کہا کہ اس شخص کی عقل کھو گئی ہے، وہ شاعرانہ مبالغہ کر رہے

ہیں، اور ان پر کسی کا جادو چل گیا ہے، ان پر جنات سوار ہے، مخالفین نے یہ سب کچھ کہا مگر کسی کی جرأت یہ نہ ہوئی کہ وہ آپ کی صداقت اور دیانت داری پر شبہ ظاہر کرے، یہ حیرت انگیز بات ہے کہ ایک شخص جس کی قوم اس کی دشمن ہو چکی ہے، اور وطن میں اس کا رہنا بھی اسے گوارا نہیں ہے، اس شخص کے بارے میں اس کی دشمن قوم کا حال تاریخ یہ بیان کرتی ہے۔

لیس بمکة احد عنده شیء یخشی علیه الاوضعه عنده لمایعلم من صدقه و امانته.

ترجمہ: مکہ میں جس کسی کے پاس بھی کوئی ایسی چیز ہوتی جس کے بارے میں اسے کسی قسم کا اندیشہ ہوتا تو اسے آپ کے پاس رکھ دیتا کیونکہ ہر ایک کو آپ کی سچائی اور دیانتداری کا یقین تھا۔

نبوت کے تیرہویں سال عین اس وقت جب کہ آپ کے مخالفین آپ کا مکان گھیرے ہوئے کھڑے تھے، اور اس بات کا قطعی فیصلہ کر چکے تھے کہ باہر نکلتے ہی آپ کو قتل کر دیں گے، آپ گھر کے اندر اپنے نوجوان عزیز علیؓ بن ابی طالب کو یہ وصیت کر رہے تھے کہ میرے پاس مکہ کے فلاں فلاں لوگوں کا مال امانت رکھا ہوا ہے، میرے جانے کے بعد تم ان سب کو مال انہیں واپس کر دینا۔

نضر بن حارث جو آپ کا مخالف ہونے کے ساتھ دنیوی معاملات میں قریش کے اندر سب سے زیادہ تجربہ کار تھا، اس نے ایک روز اپنی قوم سے کہا.... "قریش کے لوگو! محمد کی دعوت نے تم کو ایسی مشکل میں ڈال دیا ہے، جس کا کوئی حل تمہارے پاس نہیں ہے، وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے بچپن سے جوان ہوئے ہیں، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ تمہارے درمیان سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ امانت دار اور سب سے زیادہ پسندیدہ شخص تھے۔ لیکن جب ان کے بال سفید ہونے کو آئے اور انہوں نے وہ کلام پیش کیا، جس کو تم سن رہے ہو تو اب تمہارا حال یہ ہے کہ تم کہتے ہو "یہ شخص جادوگر ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے۔"

خدا کی قسم میں نے محمد کی باتیں سنی ہیں، محمد نہ جادوگر ہے، نہ وہ شاعر ہے، نہ وہ مجنون ہے، مجھے یقین ہے کہ کوئی اور مصیبت تمہارے اوپر آنے والی ہے۔" (سیرۃ النبی لابن

ہشام جلد ا صفحہ ۳۱۹)

ابوجہل جو آپ کا چچا تھا اور آپ کا بدترین دشمن تھا، وہ کہتا ہے:

''محمد! میں یہ نہیں کہتا کہ تم جھوٹے ہو، مگر جس چیز کی تم تبلیغ کر رہے ہو وہ صحیح نہیں، اس کو میں غلط سمجھتا ہوں۔'' (ترمذی)

آپ کی نبوت چونکہ عرب کے لیے نہیں تھی، بلکہ ساری دنیا کے لیے تھی اس لیے اپنی زندگی ہی میں آپ نے ہمسایہ ملک کے بادشاہوں کو دعوتی خطوط روانہ کیے، روم کے بادشاہ ہرقل کو آپ کا دعوت نامہ ملا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کے کچھ لوگ یہاں ہوں تو حاضر کیے جائیں، اسی زمانے میں قریش کے چند لوگ تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے......وہ دربار میں پہنچے تو ہرقل نے پوچھا تمہارے شہر میں جس شخص نے خدا کا رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے، تم میں سے کوئی اس کا قریبی رشتہ دار بھی ہے.....ابوسفیان نے جواب دیا وہ میرے خاندان کا ہے، اس کے بعد ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان جو گفتگو ہوئی، اس کے چند فقرے یہ ہیں۔

ہرقل: اس دعوے سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے ہوئے بھی سنا ہے۔

ابوسفیان: کبھی نہیں۔

ہرقل: کیا وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

ابوسفیان: ابھی تک اس نے کسی عہد کی خلاف ورزی نہیں کی۔

ہرقل نے یہ سن کر کہا...... ''جب یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ وہ آدمیوں کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے خدا کے معاملے میں اتنا بڑا جھوٹ گڑھ لیا ہو۔''

یہ اس وقت کی گفتگو ہے جب کہ ابوسفیان ابھی ایمان نہیں لائے تھے، اور محمد ﷺ کے کٹر دشمن تھے، بلکہ آپ کے خلاف جنگ کی قیادت کر رہے تھے، وہ خود کہتے ہیں کہ ''اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ ہرقل کے دربار میں جو دوسرے قریشی بیٹھے ہوئے ہیں، وہ مجھے جھوٹا مشہور کر دیں گے تو میں اس موقع پر غلط بیانی سے کام لیتا۔'' (بخاری، کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ)۔

ساری تاریخ میں کسی بھی ایسے شخص کا نام نہیں لیا جا سکتا جس کے مخاطبین شدید مخالف

ہونے کے باوجود اس کی زندگی اور سیرت کے بارے میں اتنی غیر معمولی رائے رکھتے ہوں' اور یہ واقعہ بجائے خود آپ کے رسول اللہ ہونے کا کافی ثبوت ہے، یہاں میں ڈاکٹر لیٹز کا ایک اقتباس نقل کروں گا۔

''میں بہت ادب کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اگر فی الواقع خدائے پاک کے یہاں سے' جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے، الہام ہوتا ہے تو محمد کا مذہب الہامی مذہب ہے، اور اگر ایثار نفس دیانتداری، راسخ الاعتقادی، نیکی اور بدی کی کامل جانچ اور برائی دور کرنے کے عمدہ ذرائع ہی الہام کی ظاہری بین علامتیں ہیں تو محمد کا مشن الہامی تھا۔''

(LIFE OF MOHAMMAD BY M.ABDULFAZAL)

موضوع نمبر ۴۴

مصیبت میں خدایاد آتا ہے فرمان نبوی ﷺ

اور جدید تحقیقات

ہائے کس وقت خدایاد آیا:

''گھبرا کر سجدے میں گر پڑے۔''

یہ ۲۲ ستمبر ۱۹۸۵ء کے روز نامہ ''جنگ'' کی ایک سرخی ہے۔ خبر کا تعلق اندرون ملک سے نہیں بلکہ بیرون ملک سے ہے۔ یہ اسی ہرے بھرے شہر کی خبر ہے کہ جو ۱۹ ء ستمبر کو صبح کے ساڑھے سات بجے اچانک شہر خموشاں بن گیا، اور گاتی، گنگناتی زندگی آہوں اور سسکیوں میں بدل گئی، ایک ہولناک زلزلہ آیا اور چشم زدن میں سر بہ فلک عمارتیں زمین بوس ہوگئیں۔ کلب، ریستوران اور میکدے خم وساغر سمیت پیوند زمین ہوگئے۔ مکین اپنے مکانوں کے ملبے میں دب کر آپ اپنا مرثیہ بن گئے، تعلیمی اور تحقیقی ادارے خاک کے ڈھیر بن گئے۔ جو بچ گیا وہ اس قیامتِ صغرا کو دیکھ کر ہوش کھو بیٹھا۔ ایسی تباہی اور ایسی بربادی کا تصور تو کبھی خواب وخیال میں بھی نہ آیا ہوگا۔

وہ ایشیا کے کسی پس ماندہ یا ترقی پذیر ملک کا شہر تو تھا نہیں، بلکہ عصر حاضر کے متمدن ترین ملک امریکا کے جنوب میں ایک کوہستانی شہر میکسیکو کا دارالحکومت میکسیکو سٹی تھا۔ ہر عمارت میں صناعیوں کے کیسے کیسے نمونے موجود نہ ہوں گے۔ حفظ ماتقدم کی کون سی رعایت ہے جو ملحوظ نہ رکھی گئی ہوگی۔ عمارتوں کے استحکام کی کون سی کوشش ہوگی جس سے تغافل برتا گیا ہوگا۔ آفات ارضی وسماوی سے بچنے کی کوئی بھی سائنسی تدبیر کارگر ہوئی؟ اس گلزار شہر کو کھنڈر بننے میں پلک جھپکنے کی دیر بھی تو نہیں لگی۔

دس ہزار لاشیں تو ملبے سے دوسرے ہی دن نکالی گئیں، اور دو ہزار لاشیں زلزلے کے دوسرے جھٹکے میں جو ۲۰ ستمبر کو آیا، اور بچ جانے والے خوش نصیب شہر میں خال خال ہی نظر آتے ہیں بچ جانے والوں میں سے کچھ خوف زدہ ہو کر دوسرے شہروں میں بھاگ گئے، کچھ ہسپتالوں میں ہیں۔

اس تباہی کا منظر دیکھ کر کوئی دھاڑیں مار مار کر رونے لگا، کوئی دیوانہ ہو گیا، اور دوسرا جھٹکا جب آیا، تو سڑکوں پر خوف و دہشت کی ماری ایک عورت بھی نکلی اور بے ساختہ سجدے میں گر گئی۔ خواتین کے دلوں میں تو قدرتی طور پر رقت ہوتی ہی ہے لیکن یہ خبر بھی تو آئی ہے کہ کچھ مرد بھی گھبرا کر سجدے میں گر پڑے اور گڑگڑا کر کہنے لگے، ''یا اللہ تو بچا''۔

اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے بھی بے بسی میں اسی کو پکارتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اس کی ربوبیت اور الوہیت کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟ اللہ کو پکارنے والے مسلمان نہیں تھے بلکہ میکسیکو کے کیتھلک تھے مگر مردم شماری کے اعتبار سے' ورنہ اعتقاد و عمل کے اعتبار سے تو کچھ بھی نہ تھے۔ کہاں کی ربوبیت اور کہاں کی الوہیت، وہ تو مادے کے پرستار تھے، لیکن مادیت اور اس کا فلسفہ ان کا تحفظ نہ کر سکا، اور آن کی آن میں اپنی سائنسی زندگی کے سارے لوازم کے ساتھ مشیت الٰہی کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔ آپ ہی بتایئے اس بے بسی میں اللہ کے سوا کون یاد آ سکتا ہے؟

اگر اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والوں کی زبان پر بھی اس مصیبت میں اس کا نام آ گیا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

قرآن نے تو انسانی فطرت کے اس پہلو کی طرف بہت پہلے اشارہ کر دیا ہے۔ تلاوت کے دوران یہ آیت بارہا نظر سے گزری ہوگی۔

> ترجمہ: لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارتے ہیں۔ پھر جب اپنی رحمت کا ذائقہ انہیں چکھا دیتا ہے تو یکا یک ان میں سے کچھ لوگ شرک کرنے لگتے ہیں۔ (الرم:۳۳)

ان مشرکین کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کبھی یہ پوچھیے کہ ذرا دل کی گہرائیوں میں جھانک کر بتلاؤ کہ خالق ارض و سما کون ہے؟ تو قرآن کی شہادت یہ ہے کہ ''لیقولن اللہ'' یعنی یہ یقیناً

کہیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ لیکن دنیا کی محبت، مال و دولت کی فراوانی، اور غرور تکبر انہیں حق سے اعراض کی طرف مائل کرتا ہے، اور وہ خود خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں، اور اللہ کی اس زمین پر فتنہ فساد پھیلاتے ہیں، اپنے مادہ پرستانہ تصور حیات اور اپنی معصیت زندگی پر فخر کرتے ہیں، اور اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں حالانکہ مشیّت کے سامنے ان کی اتنی بھی تو حیثیت نہیں ہے، جتنی موج طوفاں کے سامنے کسی چراغ کی لَو کی!

اس کے باوجود ان کی نفسی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ یہ اپنی زندگی کے گرد مشرکانہ نظام کے حصار کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ بے حد مستحکم ہے، نہ کوئی ان کی زمین ہلا سکتا ہے، نہ کبھی ان پر آسمان ٹوٹ سکتا ہے، وہ باطل تصور کے نشے میں سرشار ہو کر زندگی کے تانے بانے بنتے رہتے ہیں۔ قرآن انہیں بار بار متنبہ کرتا ہے کہ کیا تم نے اس کا اطمینان حاصل کرلیا ہے کہ تم پر اچانک کوئی عذاب نہیں آئے گا، مگر ان کی عیش کوشیوں کی راتیں اور سیسہ مستیوں کے دن ان باتوں پر غور کرنے کا موقع ہی کب دیتے ہیں! غور تو کیجیے قرآن کریم کی صداقت آج کس کس طرح آشکارا ہو رہی ہے:

> ترجمہ: پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آ جائیگی کہ جب وہ سوئے پڑے ہوں، یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکا یک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا، جب کہ وہ کھیل رہے ہیں۔
> (الاعراف ۹۷)

جی! وہ دن ہی کا وقت تھا۔ کچھ لوگ کھیل رہے ہوں گے کچھ سوئے پڑے ہوں گے، کچھ دفتر جانے کی تیاریوں میں لگے ہوں گے، کچھ دکانوں اور کاروباری مراکز میں پہنچ چکے ہوں گے، کسے خبر تھی کہ یہ ساری چہل پہل چند ہی لمحوں میں سکوت سے بدل جائے گی، اور میکسیکو سٹی جیسے خوب صورت شہر کے گلی کوچوں میں رواں دواں زندگی کے بجائے انسانی لاشیں بکھری نظر آئیں گی۔ اللہ اکبر!! فاعتبروا یا اولی الابصار!

مصیبت پر خدا یاد آتا ہے یہ بات قرآن نے 1400 سال پہلے کی کہ (جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو خدا یاد آ جاتا ہے اور جب حال درست ہو جاتا ہے تو پھر خدا کو بھول جاتے ہیں)۔ اس پر چند مزید واقعات فرمائیں۔

جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو خدا انکے یہاں سب سے اونچا ہوتا ہے:

اخبار ہندوستان ٹائمز کے ایڈیٹر نے ایک فیلڈ اسٹڈی (۱۵ مئی ۱۹۲۸) کے ذریعہ ہندوستانی لوگوں کا مزاج معلوم کیا۔ وہ اپنے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہندوستانیوں کا حال یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو خدا ان کے یہاں سب سے اوپر ہوتا ہے۔ جب ہر چیز ٹھیک ہو تو پیسہ سب سے اوپر آجاتا ہے اور خدا کو دوسرے درجہ میں پہنچا دیتا ہے:

When a catastrophe strikeds.God is tops.When all is tranquil,money manages to push God down to the second place.

یہ بات نہ صرف ہندوستانیوں کے لیے صحیح ہے بلکہ وہ عام انسانوں کے لیے بھی بڑی حد تک درست ہے۔ انسان کا حال یہ ہے کہ تکلیف اور بے بسی کے لمحات میں وہ سب سے زیادہ خدا کو یاد کرتا ہے۔ اس وقت اس کی ساری توجہ خدا کی طرف لگ جاتی ہے۔ مگر جب حالات اچھے ہوں اور کوئی پریشانی سامنے نہ ہو تو وہ اپنے مادی مفادات کو اپنی تمام توجہ کا مرکز بنالیتا ہے۔

مصیبت میں خدایاد آتا ہے:

وائی اسمیڈ اپنے ایک سفر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس جنگل بیاباں میں آج جب میری آنکھ کھلی تو میرے دماغ کا پارہ خلاف معمول چڑھا ہوا تھا۔ ''ورگس'' اور اس کا انڈین مددگار نیند سے بیدار ہو چکے تھے، لیکن ابھی تک بستر پر ہی دراز تھے اور میرا معاون ''آل پیمنٹل'' بھی اپنے خوابی (تھیلے جو ہم سونے کے لئے استعمال کرتے تھے) ہی میں براجمان تھا۔ آج مہم پر روانگی میں کافی تاخیر ہو چکی تھی، اس کے باوجود وہ بستر چھوڑنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ان کی اس لاابالی نے میرے غصے کو اور بھی شہ دے دی۔

یہ اگست ۱۹۴۹ء کا ذکر ہے۔ ہماری تحقیقاتی جماعت جو چار افراد پر مشتمل تھی اور جس کا تعلق طبقات الارض سے تھا ''پناما'' کے جنگلوں کے پہاڑی علاقوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ ہم جسم بھسم کر دینے والی گرمی سے دوچار تھے۔ ورگس کی جنگل سے متعلق معلومات بہت

وسیع تھی اور انڈین جسمانی لحاظ سے اتنا تن درست اور توانا تھا کہ بیک وقت دو آدمیوں کا بوجھ تنہا اٹھا سکتا تھا۔ آل کو سرطانی علاقوں کے حالات اور مفاجاتی طریقۂ کار پر پورا عبور حاصل تھا اور میں جو اس جماعت کا سربراہ تھا، ایک انجینئر تھا۔

ہماری مہم خوف وخطر سے پر تھی۔ سرطانی علاقوں کی بیماریوں، جنگلی جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کا ہمہ وقت خطرہ لاحق رہتا تھا۔ چند ہفتے تک ہم اتحاد و تنظیم سے کام سرانجام دیتے رہے، لیکن جوں جوں گرمی کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا، ہمارے مزاج میں چڑچڑے پن کا غلبہ بڑھتا گیا۔ ہمارے آپس کے تعلقات رفتہ رفتہ کشیدہ ہورہے تھے۔ ہم نے ایک ساتھ کھانا پینا ترک کردیا تھا اور شکار کو بھی تنہا ہی جاتے تھے۔

اب ہم ایک دوسرے سے شاذ و نادر ہی گفت گو کرتے۔ اگر گفت گو ہوتی بھی تو جلد ہی تو تو مَیں مَیں میں تبدیل ہوجاتی۔ جب جلدی بیماریوں میں ملیریا بخار کا حملہ شروع ہوا تو اس نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور ہمارے عادات واطوار اور مزاج میں ترش روئی اور چڑچڑاپن اور اعصاب میں تناؤ کا مرض بدرجہ اتم سرایت کرگیا پہلے تو ہمارے درمیان صرف نوک جھونک اور تو تو میں میں تک پہنچ کر معاملہ رفع دفع ہوجاتا لیکن اب معمولی سی بات پر گھونسم گھونسا تک نوبت پہنچ جاتی۔ ہماری تنک مزاجی کا یہ عالم تھا کہ ادنا اور بے ضرر کیڑے مکوڑے بھی ہمارے پستول کا نشانہ بن جاتے۔

دوسرے دن مجھے ''بالیوں'' میں واقع امریکی طبقات الارض کے علاقائی صدر مقام سے بذریعہ ریڈیو رابطہ قائم کرنا تھا اور خوراک وغیرہ بذریعہ طیارہ بہم پہنچانے کے متعلق ضروری میں ہدایت دینی تھی، لیکن اپنی جماعت کے مابین بگڑتے ہوئے تعلقات کے پیش نظر میں نے آج تہیہ کرلیا کہ کل علاقائی صدر مقام سے درخواست کروں گا کہ اس سے قبل کہ ہمارے کشیدہ تعلقات قتل وخون کی شکل اختیار کریں، مہم کو ملتوی کرکے ہمیں فوراً واپس بلا لیا جائے۔

اب ورگس اور انڈین تو بستر چھوڑ چکے تھے، لیکن آل ابھی تک اپنے خوابی تھیلے میں پڑا تھا۔ اس کی اس نازیبا حرکت نے مجھے غصے سے آگ بگولا کردیا۔ میں غصے سے لال پیلا ہوکر اس کی طرف بڑھا، لیکن قبل اس کے کہ میں اسے ڈانٹتا ڈپٹتا میری نظر اس کے رخسار پر جا پڑی، جس کی رنگت بالکل راکھ کی مانند ہورہی تھی، اور اس کی آنکھیں مصیبت و تکلیف کا

اظہار بذریعے رقص کر رہی تھیں۔ اس کی یہ دل سوز کیفیت دیکھ کر میں دم بخود جہاں تھا وہیں مانند بت کھڑا ہو گیا اور میرا سارا غصہ آن واحد میں ہرن ہو گیا۔

مجھے اچانک محسوس ہوا کہ آل کی آنکھیں مجھے کسی خطرے سے باخبر کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اسی اثناء میں اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی لیکن وہ محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ میں نے فوراً بھانپ لیا کہ ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ وقت کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہوئے میں نے چپ چاپ گم سم دبے پاؤں کچھوے کی طرح آہستہ آہستہ آل کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔ اس کے قریب پہنچ کر میں اس کی آنکھوں کے اشارے اور لبوں کی حرکت کا مطلب سمجھنے کی سعی کرنے لگا۔

جب میری نگاہیں اس کی آنکھوں کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے شکم پر ابھرے ہوئے نشان پر پہنچیں تو یکایک میرے ذہن کو اس تصور نے دبوچ لیا کہ کہیں سانپ تو نہیں؟ چند لمحے کے لیے مجھ پر سکتہ سا طاری ہو گیا اور میرا دماغ ماؤف ہو گیا۔ میرا خیال صحیح تھا۔ جب میں نے اپنے ہاتھ کو سانپ کی شکل بنا کر آل کو دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آل کے شکم پر خوابی تھیلے کے اندر کوئی سانپ ''ھ'' کی شکل میں ملک الموت بنا ڈیرہ جمائے تھا۔ مجھے اس خیال نے فوراً چوکنا کر دیا کہ اس وقت ایک معمولی سی غیر جنگلی آواز بھی سانپ کو مشتعل کر کے آل کی زیست کا خاتمہ کر سکتی ہے۔

میں اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے نہایت احتیاط اور خاموشی سے پیچھے مڑا اور پنجے کے بل چلتا ہوا ورگس اور انڈین کے پاس گیا۔ جب انہیں صورت حال سے روشناس کیا تو ان کے چہرے فق ہو گئے اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ چند ثانیئے تک ہم ایک دوسرے کا منہ ہی تکتے رہ گئے۔

ٹریننگ کے دوران جنگلوں میں حفاظتی تدابیر سے متعلق جو ہدایتیں ہمیں دی گئی تھیں وہ ایک ایک کر کے میرے ذہن کی سطح پر ابھرنے لگیں۔ ہمیں ٹریننگ میں ہدایت کی گئی تھی کہ موسم سرما میں جھاڑ و جھنکاڑ گرد و پیش سے جلا دینا چاہیے اور گرمیوں میں انہیں کاٹ چھانٹ کر بالکل صاف کر دینا چاہیے، کیونکہ ان میں چوہے پناہ گزیں ہوتے ہیں' جو سانپ کی آمد کا سبب بنتے ہیں، لیکن ہماری متلون مزاجی اور باولے پن نے ہمیں اس حد تک لاپروا بنا دیا تھا کہ ہم نے ان ضروری ہدایات کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ آخر اس لاپروائی کا

خمیازہ بھگتنا ہی پڑا۔"

کافی غور و خوض کے بعد بھی کوئی تدبیر ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس وقت جنگل کی فضا بندروں کی چیچاہٹ اور بگ بگ اور پرندوں کی چوں چوں، ٹرٹر، میں میں اور ٹیں ٹیں سے گونج رہی تھی۔ چند لمحے تک ہم پتھر کے بت بنے آل کے شکم پر خوابی تھیلے میں کنڈلی بنے بیٹھے سانپ کو گھورتے رہے۔ ہمارے چہرے پر ایک عجیب سکوت طاری تھا۔ آخر میں نے اس سکوت کو توڑتے ہوئے کہا، "خدا کرے کوئی زہریلا سانپ نہ ہو۔"

"اگر یہ چھوٹا اژدھا بھی نکلا تو زیادہ خطرے کی بات نہیں، کیوں کہ اس کے کاٹے کو داغ کر زہر زائل کیا جاسکتا ہے۔" ورگس نے کانا پھوسی کی۔

"لیکن اگر خدانخواستہ یہ جھاڑیوں کا راجہ یا کوئی اور زہریلا سانپ ہے تب تو خدا ہی حافظ ہے۔" میں نے سہمے ہوئے کھسر پھسر کی۔

ابھی ہم کانوں ہی کان میں باتیں کررہے تھے کہ انڈین نے کچھ کہنا چاہا، لیکن اشارے اور دھیمی آواز میں اپنے خیال کا اظہار کرنے کے بجائے غیر دانستہ طور پر اس کے منہ سے گھبراہٹ میں زور سے آواز نکل گئی۔ آواز کا نکلنا تھا کہ سانپ حرکت میں آ گیا۔ ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے سارے بدن میں بجلی کی لہر دوڑ گئی اور خون کا ایک ایک قطرہ چوس لیا گیا۔ ورگس اور میں نے تنبیہاً انڈین پر چھرا اٹھالیا۔

اس منظر کو دیکھ کر آل نے خوف و ہراس سے اپنی آنکھیں بند کرلیں لیکن خوش قسمتی سے سانپ معمولی سی جنبش کے بعد پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ انڈین کو اپنی حرکت کا سخت احساس تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں جیسے اس سے کوئی گناہ عظیم سرزد ہوگیا ہو۔ وہ ہم لوگوں کی جانب عفو طلب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً اس کے چہرے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے سگریٹ جلایا۔ اپنی ہتھیلی کو کٹورا نما بنایا اور سگریٹ کا کش لگا لگا کر اس میں دھواں پھینکنے لگا۔ پھر اشاروں ہی اشاروں میں اپنی ترکیب سے ہمیں آگاہ کرنے کی سعی کرتے ہوئے اپنے خوابی تھیلے کو زمین پر پھیلا کر اس کے ایک سرے پر سوراخ کرنے اور اس میں دھواں پہنچانے کو کہا۔ اس کی ترکیب ہماری سمجھ میں آگئی اور ہم نے اثبات میں اپنے سروں کو ہلا دیا۔ انڈین اور ورگس نے جلدی جلدی اردگرد سے سوکھی اور نیم سوکھی گھاس پھوس چن کر جمع کیا اور دھوئیں

کا انتظام کرنے لگے۔

میں نے آل کے پاؤں کی سمت خوابی تھیلے کا بنظر عمیق جائزہ لیا تا کہ سوراخ ایسی جگہ بناؤں جہاں سے دھواں بہ آسانی سانپ تک پہنچ سکے۔ میں اس امر کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ دفعتاً میرے حافظے کی لوح پر ایک گزشتہ حادثہ ابھر آیا۔ جس نے گھڑی بھر کے لیے میرے حواس خمسہ کو معطل کر کے رکھ دیا۔ چند سال پیشتر میں نے ایک جھاڑیوں کے راجہ کو ایک فربہ کتے کو ڈستے دیکھا تھا۔ سانپ نے جیسے ہی کتے کو ڈسا، کتا کرب و تکلیف کی تاب نہ لا کر کئی فٹ فضا میں اچھل گیا اور زمین پر آنے سے پہلے ہی اس نے دم توڑ دیا۔

اس حادثے کے تصور نے میرے سارے بدن میں لرزہ پیدا کر دیا۔ میں خدا کا قائل نہیں تھا۔ مَیں ان لوگوں کا تمسخر اڑایا کرتا، جن کے دل مذہب کے چراغ سے منور تھے۔ میں اپنے حلقۂ احباب میں دہریے کے خطاب سے نوازا جاتا تھا۔ میں نے اکثر لوگوں کو کہتے سنا تھا کہ انسان کو ''مصیبت میں خدا یاد آتا ہے۔'' لیکن میں اس اعتقاد سے کورا تھا، مگر آج اپنے دوست کو موت سے ہم کنار دیکھ کر میرے دونوں ہاتھ بے اختیار آسمان کی جانب اٹھ گئے۔ مجھ میں یہ تغیر دیکھ کر ڈرگس اور انڈین متعجب ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ان کے سر بھی خدا کے حضور میں جھک گئے۔

دعا سے فراغت کے بعد میں نے خدا کا نام لے کر آل کے خوابی تھیلے میں استرے سے نارنگی برابر سوراخ کیا۔ چمڑے کے ایک تھیلے کو اٹھایا، اس کے کھلے ہوئے سرے میں لکڑی کا ایک ٹکڑا لگایا اور پھوس پھاس سے نکلتے ہوئے دھویں پر رکھ دیا اور اس کے دوسرے سرے میں سوراخ کر کے آل کے خوابی تھیلے کے سوراخ میں پھنسا دیا۔ دھویں نے حسب توقع کام کیا اور دیکھتے دیکھتے سانپ نے اینٹھنا اور بل کھانا شروع کر دیا۔ سانپ کے حرکت میں آتے ہی ہم جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ گئے، لیکن یہ ترکیب رائگاں چلی گئی۔ دھویں کے اخراج کے بعد سانپ پھر اپنی جگہ پر مسلط ہو گیا۔

آل کے پسینے سے تر چہرے پر اضمحلال برس رہا تھا۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں اور منہ سوکھ کر چھوٹا سا معلوم ہو رہا تھا۔ گرمی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ پورا ماحول تنور بنا ہوا تھا۔ انسان تو انسان شاید ب پرندوں اور درندوں کے بھی حلق خشک ہو گئے تھے، کیوں کہ ہر سو ایک عجیب ہولناک سکوت طاری تھا۔ آل کی بے بسی دیکھ کر میرے افق ذہن پر انواع

واقسام کے خیالات آ رہے تھے اور جا رہے تھے۔ اس کی ایک ایک بات میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

آل کو جنگل کا خاصا تجربہ تھا۔ اس نے سانپ سے متعلق مجھے بہت سی مفید باتیں بتائی تھیں، لیکن قدرت کے کھیل نرالے، آج سانپ فرشتۂ اجل بنا اس کے سینے پر سوار تھا اور اس کا کوئی بس نہیں چل رہا تھا۔ آل ایک مضبوط کردار کا حامل شریف النفس انسان تھا۔ ہمارے مابین کشیدہ تعلقات کے باوجود اس نے میری ذمے داریوں کا بوجھ ہلکا کرنے میں ہمیشہ حتی المقدور میرا ہاتھ بٹایا۔ میں ان ہی تصوراتی گرداب میں مستغرق تھا کہ میرے شانے پر ورگس کے ہاتھ کے لمس نے مجھے چونکا دیا۔

تھوڑی سی غور و فکر کے بعد میں نے انڈین کو کیمپ سے کیڑے مکوڑوں کو ہلاک کرنے والا بم لانے کا اشارہ کیا۔ بم کو میرے ہاتھ میں دیکھ کر آل میری طرف پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگا، لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ میں نے بم کا بٹن دبا دیا۔ میرا خیال تھا کہ بم کے زہریلے گیس کی تاب نہ لا کر سانپ رفو چکر ہو جائے گا، لیکن اس سے پہلے کہ میں بم کے زہریلے گیس آل کے خوابی تھیلے میں چھوڑنے میں کامیاب ہوتا، بم کی آواز نے جو سانپ کی آواز سے ملتی جلتی تھی، سانپ کو چھیڑ دیا اور میری یہ کوشش ناکام ہو کر رہ گئی۔ گو سانپ تھوڑی دیر بعد پھر خاموش ہو گیا، لیکن میں دوبارہ اس عمل کو کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

اب سورج عین سر پر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ لحہ بہ لحہ گرمی کا ظلم و ستم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ آل کی حالت قابل رحم تھی۔ اس کی حالت اس آدمی جیسی تھی جسے زبردستی جلتی ہوئی بھٹی کے قریب جکڑ دیا گیا ہو۔ اس چھے گھنٹے کے عرصے میں اس کی صورت پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ اس کے چہرے سے ایسی کمزوری اور ناتوانی عیاں تھی جیسے وہ مدتوں سے بیمار ہو۔

اسی اثنا مجھے یاد آیا کہ آل نے مجھے بتایا تھا کہ کیڑے مکوڑوں کی جسمانی حرارت موسمی حالات سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ شدید گرمی کی حالت میں ان کے جسم آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور اگر لگاتار آدھ گھنٹہ تک بھی ان کے جسم سورج کی زد میں آ جائیں تو ان کی جان کے لالے پڑنے لگتے ہیں۔ اب صرف ایک ہی علاج قابل عمل تھا اور وہ یہ کہ آل نے بارش سے تحفظ کے لیے جو کنویس کی چادر اپنے اوپر تان رکھی تھی اسے ہٹا دیا جائے اور آفتاب کی پوری شعاعیں اس کے خوابی تھیلے پر پڑنے دی جائیں، تاکہ سانپ گرمی سے پریشان ہو کر

فرار ہو جائے۔

اگرچہ یہ عمل آل کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف تھا، لیکن اس کے سوا دوسرا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ میری اس تجویز پر ورگس اور انڈین سٹ پٹا گئے۔ لیکن مجبوری کا نام شکریہ۔ یہ آخری حربہ تھا جس کا استعمال اس نازک حالت میں ناگزیز تھا۔ آخر ہم نے دلوں پتھر رکھ کر کنوئیں کی چادر کو ہٹا دیا۔

چادر کا ہٹنا تھا کہ سورج بے رحمی سے آل کے جسم کو جھلسانے لگا اور چند منٹ میں اس کا خوابی تھیلا نار جہنم بن گیا۔ وہ لاش کی مانند بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کے بشرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔ ہم دل ہی دل میں خدا سے اسی کی سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے۔

یہ ترکیب کام کر گئی۔ پانچ سات منٹ کے بعد سانپ کو سورج کی تپش نے بے چین کر دیا اور اس نے اینٹھنا اور بل کھانا شروع کر دیا۔ ہم جھاڑیوں کی اوٹ میں روپوش اس ہوش ربا منظر کو دل پر ہاتھ رکھے دیکھ رہے تھے۔ سانپ حسب توقع پیچ و تاب کھاتا ہوا آل کے رخسار کی جانب سرکتا ہوا معلوم ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا گٹھیلا اور بیضوی سر آل کی گردن پر نکل آیا۔ اسے دیکھ کر ہمارے دل دہل گئے۔ یہ جھاڑیوں کا راجہ تھا۔ اس کا ڈسا ہوا آدمی پانی نہیں پی سکتا تھا۔ ہمارے دلوں کی حرکت تیز ہوگئی اور ہاتھ پاؤں پھول گئے، لیکن خدا جسے رکھے اسے کون چکھے۔

آخر قدرت مائل بہ کرم ہوئی اور سانپ کا بھیانک سر چند ساعت تک آل کے گال پر ادھر ادھر چھلکا، پھر اس کی سرخی مائل جسم پر صنوبر نما لکیریں دوڑ رہی تھیں تھیلے سے نکلتا ہوا اور آل کے رخسار سے ہوتا ہوا قریب کی جھاڑیوں میں گھسنے لگا، لیکن اس سے بقبل کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہوتا گس کے پستول کی گولیوں کی بوچھاڑ نے اس کا قصہ تمام کر دیا۔

اس بلا کی ہلاکت کے بعد ہم نے جھٹ پٹ آل کو خوابی تھیلے سے الگ کیا اور سخت کا ٹھنڈا مشروب پلا کر جھولے نما بستر پر لٹا دیا۔ پھر ہم نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور اطمینان کا سانس لیا۔ چند منٹ بعد آل سو گیا۔

ادھر آل گہری نیند کی آغوش میں مزا لے رہا تھا اور ادھر ہم اپنے خیموں کے آس پاس کی تمام جھاڑیوں کو کاٹنے چھانٹنے میں مشغول تھے۔ ہم نے دو ڈھائی گھنٹے کی جاں فشانی کے بعد

سارے جھاڑ جھنکاڑ کو صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹا دیا جیسے گنجے کے سر سے بال۔ پھر کافی دیر تک ہنسی مذاق اور خوش گپیوں کی محفل گرم رہی بالو چھوڑنے کے بعد آج پہلا موقع تھا کہ ہم اتنا خوش و خرم نظر آ رہے تھے۔ ہم نے ہفتوں کی خاموشی کی ساری کسر آج نکال لی۔

چند گھنٹے بعد جب آل نیند سے بیدار ہوا تو اس نے اپنی بپتا سناتے ہوئے کہا کہ سانپ بارہ گھنٹے تک اس کے پیٹ پر مقیم تھا۔ رات کے تقریباً ایک بجے جب اس کی آنکھ کھلی تو اسے اپنے قریب ہی کسی چیز کے چلنے کی سرسراہٹ سنائی دی۔ اس نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک سانپ ڈیڑھ گز کے فاصلے پر آدھا دھڑ اٹھائے اس کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے۔ اسے دیکھ کر اس کے ہواس باختہ ہو گئے۔

اس نے سوچا کہ اگر اس نے منہ سے آواز نکالی یا ہلنے جلنے کی کوشش کی تو اس کی جان کی خیر نہیں۔ وہ خاموش پڑا سانپ کو کنکھی سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد سانپ اس کی طرف بڑھا اور اس کے بالکل قریب پہنچ کر اپنے سر کو ادھر ادھر ہلانے لگا۔ سانپ کو اتنا قریب پا کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ اس نے گرمی کی وجہ سے اپنی گردن کے قریب خوابی تھیلے کا ایک بٹن کھول دیا تھا۔ سانپ اسی راستے خوابی تھیلے میں گھس کر اس کے سینے پر مسلط ہو گیا، جس وقت سانپ اس کے خوابی تھیلے میں داخل ہوا، مارے خوف و دہشت کے اس کا جسم برف کا تودہ بن گیا۔ خون رگوں میں منجمد ہو گیا اور اسے محسوس ہوا، جیسے روح سمٹ کر حلق میں آ گئی۔ وہ نہ بول سکتا تھا، اور نہ ٹس سے مس ہو سکتا تھا۔ خوش قسمتی کہیے کہ جس وقت سانپ اس کے خوابی تھیلے میں داخل ہوا وہ جاگ رہا تھا۔

اگر خدانخواستہ وہ سو گیا ہوتا تو پھر اسے حشر تک سونا پڑتا کیونکہ نیند کی حالت میں اگر وہ کروٹ بدلتا تو سانپ اس کو ڈس لیتا۔ گھنٹوں بے حس و حرکت چت پڑے رہنے سے اس کی پیٹھ شل ہو گئی تھی۔ دھوپ کی تپش کے باعث آنکھوں سے گرم گرم چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اس کا بدن جھلس رہا تھا اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جسم پر چیونٹیاں رینگ رہی ہوں اور سوئیاں چبھ رہی ہوں۔ تکلیف و کرب کا یہ عالم تھا کہ اگر تھوڑی دیر بھی یہ ڈرامہ جاری رہتا تو وہ سانپ کے ڈسنے سے پہلے ہی ابدی نیند کے آغوش میں سو جاتا۔

موضوع نمبر ۴۵

روحانیت اور جدید سائنسی تحقیقات

❁ ......ساری دنیا کے انسانوں کے دلوں کا چین وسکون اللہ کے ہاتھ میں ہی ہے۔

❁ ......جو شخص بھی اللہ کی طرف رجوع کرے گا اللہ سے تعلق جوڑے گا وہ کامیاب بھی ہوگا اور سکون واطمینان قلب کی دولت سے مالا مال بھی ہوگا۔

❁ ......جس نے اللہ سے تعلق کو چھوڑا وہ مردود ہوا۔

❁ ......جو بندہ بھی اللہ سے تعلق کو جوڑ لے گا اور اللہ کو راضی کرنے والے اعمال کو اختیار کرلے گا فرمایا ساری مخلوق کو اللہ اسکے تابع کردیں گے اور دنیا میں اسکو جنت کا سا مزہ آئے گا اور جو شخص اللہ کو ناراض کرے گا اللہ ساری مخلوق کو اس کے خلاف کردیں گے ایسا شخص ہر جگہ ذلیل ہوگا اور دنیا اس کو جہنم کی سی لگے گا۔

❁ ......اگر اللہ سے تعلق نہیں ہوگا ساری دنیا کی آسائشیں اور اسباب ہونگے لیکن انسان پریشان رہے گا۔

❁ ......حضرت عمرؓ کے فرمان کا مفہوم ہے اللہ نے ہمیں اسلام عطا کر کے عزت دی اب اگر ہم اس کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے عزت طلب کریں گے اللہ ہم کو ذلت میں مبتلا فرمادیں گے۔

ذیل میں لکھے ہوئے اقوال اور ملفوظات پڑھ کر پتہ چلتا ہے سکون واطمینان قلب اللہ نے اپنی ذات اور اپنے ذکر میں رکھا ہے اسباب ومال ودولت میں نہیں آج مغرب میں سارے اسباب ہیں لیکن سکون نہیں اس لیے آج مغرب والے زیادہ پریشان ہیں آج مغرب میں بھی روحانیت کی تلاش شروع ہوچکی ہے اور جو بھی روحانیت کی تلاش میں نکلتا ہے اسلام قبول کرلیتا ہے۔

ذیل میں روحانیت پر جدید تحقیقات پیش کررہے ہیں۔

دنیا سے دنیادار بھی تنگ آ گئے:

تہذیب جدید سے تنگ آ کر قرآنی تعلیمات کا اعتراف (وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی کی تقریر:)

لاہور۔ ۲۸ فروری۔ دنیا کے موجودہ مصائب کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ تہذیب جدید کی بنیاد مادیت پر ہے۔ جب تک ہم دنیا میں اپنا نظام جس کی بنیاد سچی روحانیت پر قائم نہیں کریں گے اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا۔

یہ دو الفاظ ہیں جو سر رادھا کشن وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی نے آج چھ بجے شام اسپیڈ لا ہال میں ''دنیا کا موجودہ ابتلاء'' کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہے۔ جلسہ ینگ انڈیا لیگ کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا اور راجہ زینارو ناتھ نے صدارت کی۔ سر رادھا کشن نے موجودہ جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''یہ جنگ حق اور باطل کے درمیان ایک جنگ ہے۔

لیکن یہ سمجھنا غلط ہے کہ اس کے خاتمہ پر دنیا میں دائمی امن قائم ہو جائے گا۔ فتح ہٹلر کی ہو یا انگریزوں کی مغلوب فریق شکست کھانے کے بعد غالب سے بدلہ لینے کی تیاریاں کرے گا اور اس کے بعد ایک خوفناک جنگ ہو گی۔ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ موجودہ تہذیب کی دنیا مادیت پر ہے اور جب تک ہم دنیا میں ایسا نظام جس کی بنیاد سچی روحانیت پر ہو، قائم نہیں کریں گے اس وقت تک دائمی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ جب تک سیاسی اور معاشی اونچ نیچ باقی ہے۔ اس وقت تک یہ جھگڑے نہیں مٹ سکتے۔

مذہب کا سہارا:

مغربی ممالک کے لوگ کام اور تفریح کے چکر سے بے زار ہو چکے ہیں۔ وہ مذہب کے سہارے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ مذہب کے بغیر زندگی ایک بے مقصد شور ر اشوری ہے، ایک آوارگی!

مغرب میں جتنے مذہب بھی رائج ہیں وہ طوطا مینا قسم کی کہانیوں سے بھرے ہوئے

ہیں۔

پرانے زمانے میں جب عقل ودانش نے اتنی ترقی نہ کی تھی، لوگ ان طوطا مینا کہانیوں کوتسلیم کر لیتے تھے۔ اب صورت حال مختلف ہے۔ آج کے ماڈرن آدمی کے لیے عیسائیت یا یہودیت کے قصے کہانیاں قابل قبول نہیں، وہ عقل کی نفی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ پادریوں اور راھبوں کو جو ارفع حیثیت دی گئی ہے، وہ جمہوریت کے اصول کے منافی ہے۔ لہٰذا مغربی انسان ان دونوں مروجہ مذاہب کو قبول نہیں کرتے اس لیے کہ کام، عیاشی اور مفاد پرستی کے چکر سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔

کوئی کوئی ایسا خوش قسمت آدمی ہوتا ہے جو اتفاقاً اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کر لیتا ہے، لیکن اسے ان معلومات پر یقین نہیں آتا بہر حال انجانے میں تحقیق کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور جب اسے حقیقت حال کا پتہ چل جاتا ہے تو وہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

ایک مغربی نومسلم کا بیان ہے کہ اگرچہ میں زندگی سے مطمئن نہ تھا لیکن اس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی، اس لیے عام لوگوں کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔ اپنی دفتری ڈیوٹی کے تحت میں بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات پڑھ رہا تھا۔ ابھی محمد ﷺ کا باب شروع ہوا تھا کہ میں ایک جملہ پڑھ کر چونکا تھا:

اے نبی ﷺ! ان سے کہہ دو کہ میں تو بس تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں۔

یہ جملہ پڑھ کر میں چونکا۔ ارے! خدا یہ کیا کہہ رہا ہے! کیا یہ مسلمانوں کا خدا کہہ رہا ہے! اور کیا خدا محمد ﷺ سے کہہ رہا ہے جس کو اس نے سب انسانوں سے زیادہ عزت کا مقام دیا ہے۔

یہ فقرہ میرے دل میں سوئی کی طرح چبھ گیا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا جس شخص کو تمام انسانوں کا سردار بنائے، اس سے کہے کہ تم لوگوں سے کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔ دوسرے مذہبوں میں تو جو شخص خدا کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ یا تو دیوتا بن جاتا ہے، یا خدا کا اوتار یا اس کا بیٹا۔

ان کی بات چھوڑیئے! ہمارے ہاں تو لوگ جو گرجے میں دعائیں، کرتے ہیں اور پادری کہلاتے ہیں، ان کا مرتبہ بھی عام انسانوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

تو صاحبو! یہ جملہ میرے حلق میں اٹک گیا۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس شخص کے متعلق مزید باتیں جانوں۔ میں نے محمد ﷺ کی زندگی پر لکھی ہوئی کئی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ جوں جوں میں پڑھتا گیا حیرت میں ڈوبتا گیا۔

انوکھا شہنشاہ:

میں کسی سپر نیچرل کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔
میرے پاس آسمانوں کے خزانے کی کنجیاں نہیں ہے۔
میں غیب کی باتیں نہیں جانتا۔
میں انسان ہوں تم جیسا انسان۔
یہ جملے میرے لیے حیران کن جملے تھے۔
ایسے جملے میں نے کسی مذہبی مصلح کی زبان سے نہیں سنے تھے۔ میں نے سوچا یا خدا! یہ کیسا مذہب ہے جو عقل انسانی سے اس قدر ہم آہنگ ہے!
پھر میں نے محمد ﷺ کی بائیوگرافی غور سے پڑھی۔
وہ عرب کا مطلق العنان حکمران تھا۔
مسلمانوں کا سردار تھا۔
اور اپنے علاقے میں سب سے زیادہ محترم حیثیت کا مالک تھا۔
اس کے باوجود اس کے گھر میں کوئی نوکر نہ تھا۔
وہ اپنا کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتا تھا۔
اپنے کپڑوں پر اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتا تھا۔
اپنے جوتوں کو خود مرمت کرتا تھا۔
مویشیوں کو اپنے ہاتھ سے چارہ ڈالتا تھا۔
اپنے ہاتھ سے دودھ دوہتا تھا۔
میری دانست میں دنیا بھر میں کوئی حکمران ایسا نہیں ہوگا جو اپنے کام اپنے ہاتھوں سے کرتا ہو اور زندگی یوں گزارتا ہو جیسے کوئی عام آدمی گزارتا ہے۔

میں نے محسوس کیا جیسے اس کے کردار میں مساوات، جمہوریت اور رحمت یوں سموئی ہوئی ہے جیسے گلاب کے پھول میں خوشبو سموئی ہوتی ہے۔ میں اس کے کردار سے اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے اسلام کو جانے بغیر قرآن کا مطالعہ کیے بغیر اسلام قبول کرلیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ایسا انسان کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا، کبھی خودی میں مبتلا نہیں ہوسکتا لہٰذا جس مذہب کا وہ پرچار کرتا ہے وہ مذہب لازماً سچا ہے۔

روحانی قوت اور خوشی کس چیز میں ہے:

آیئے اب دیکھیں کہ نفسیاتی صحت کے نکتہ نظر سے مختلف انسان کس طرح نظر آتے ہیں۔

ہمارے موجودہ دور میں تقریباً تمام انسان مشینی زندگی کے پہیے کے دندانوں میں جیسے پھنس کر رہ گئے ہیں۔ اور جو نتیجہ ہے ملحدانہ اور مادہ پرست نظریات کا۔ ان میں سے بہت سے انسانوں نے اپنا ذہنی سکون ہی کھودیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانوں میں ناخوشی اور رنجیدگی عام ہوچکی ہے۔ چنانچہ تمام لوگ مندرجہ ذیل مخمصوں اور جھیلوں میں پھنس کر کئی قسم کی مصیبتوں اور نقصانات کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

(الف) تفکرات کا ہارمون پیدا کرنے والے غدودوں پر جو نقصان دہ اثر پڑتا ہے اس سے معدے کے پھوڑے یعنی السر پیدا ہوجاتے ہیں۔ دل کی شریانوں کے نظام کو نقصان پہنچتا ہے اور نظام ہضم خراب ہوکر رہ جاتا ہے۔ نفسیاتی دباؤ اور ذہنی کرب کا اثر ہمارے جدید دور کی بیماری یعنی سرطان (کینسر) کی شکل میں بے حد نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ نسل انسانی کی اکثریت ذہنی انتشار کی بدولت مادی جسمانی بیماریوں کی شکار رہتی ہے۔

(ب) انتشار ہی کی وجہ سے تقریباً انسانیت کا پانچواں حصہ کثرت شراب نوشی کے فتور (ALCOHOLISM) اور دیگر خطرناک منشیات کا شکار ہوچکا ہے۔

(ج) ترقی یافتہ امیر ممالک میں نفسیاتی دباؤ روزمرہ کی بات بن چکا ہے۔ آج کل اکثر لوگ اپنی جیب میں ''سن شائن پلز'' کی گولیاں لیے پھرتے ہیں۔ یہ گولیاں سکون بخش

زہریلی دواؤں میں سے کم نقصان دہ ہوتی ہیں۔ لیکن وہ نقصان دہ ضرور ہوتی ہیں۔

(د) مزید برآں مغربی ممالک میں اکٹھے کیے گئے اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں کہ نوجوان نسل میں سے پورے تیس فیصد لوگ ذہنی انتشار کے کنارے پر پہنچ چکے ہیں۔ اور ذہنی امراض بہت تیزی سے بڑھتے جارہے ہیں۔

اس سے زیادہ تکلیف دہ اور افسوسناک حالت مشرقی معاشروں کی ہے جو ظلم اور نا انصافی کی حالت میں رہ رہے ہیں۔ ترقی پذیر غریب ممالک قحط جیسے عذابوں میں مبتلا ہیں۔ جیسا کہ سورۃ العصر میں بھی بتایا گیا ہے کہ:

''انسان درحقیقت خسارے میں ہے۔''

ان حالات کے تحت اللہ تعالیٰ کا سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 5 میں یہ ارشاد کہ:

''وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

اور سورۃ الجمعۃ (۱۱۰) میں بخشش کی طرف بلاوا' دونوں ہی قرآن کا نا قابل یقین معجزہ ہیں۔ اس لیے کہ قرآن اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اے لوگو! تم نرے گھاٹے اور مصیبت میں ہو۔ اگر تم نجات' خوشی اور روحانی قوت چاہتے ہو تو صلوۃ کی طرف آؤ۔

مذہب کے بارے میں چند سائنسدانوں اور مفکرین کی آراء:

اس کے متعلق دور حاضر کا مفکر، سائنسدان لی کومٹ (LECOMTE) لکھتا ہے:

''اب اس بات پر یقین ہوگیا کہ موجودہ دور کی بے چینی خاص طور پر اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ عقل نے سائنس کے نام پر جو ابھی تک گہوارۂ اطفال میں ہے، ابھی تک بلوغت کو نہیں پہنچا، انسان کو زندہ رہنے کے لیے ہر قسم کی امنگ اور معقولیت سے محروم کردیا۔ اس نظریۂ حیات مذہب کو ہی ختم کرڈالا۔ جو ابھی تک زندگی کا مفہوم متعین کرتا تھا۔ جو جدوجہد میں حصہ لینے کے لیے انسان کو ابھارتا تھا۔ جو مادیت سے مافوق ایک بلند نصب العین عطا کرتا تھا۔''

آگے چل کر لکھتا ہے:

''انسانی زندگی میں اختیار کا انکار کردینا، اخلاقی ذمہ داری کا انکار،

کردینا حقیقت انسان کا تصور ایک طبعی کیمیائی مرکب کے طور پر پیش کرنا، جو کسی دوسرے حیوانوں سے ممتاز نہیں ہے۔ ان سب باتوں کے نتیجے میں اخلاق انسانی کو موت آ گئی۔ روحانیت دم توڑ گئی، امید ختم ہوگئی، دنیا میں بے کار محض ہونے کے تصور جانکاہ نے ذہنوں پر غلبہ حاصل کرلیا۔"

ایک اور جدید مصنف اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"آج لاکھوں افراد بے چینی سے ڈھونڈ رہے ہیں، تلاش کررہے ہیں مگر کیا؟ یہ بات خود انہیں بھی معلوم نہیں۔ جدید تعلیم، حق و باطل میں کسی تمیز کا باقی نہ رہنا، دنیائے عمل میں دوہرے معیار اخلاق کا پایا جانا تجربات نفسیات، تجرباتی شہوت وانی، عدم ایمان، عدم تحفظ، جرائم کی کثرت وافر فراغت و دولت، یہ خیال کہ پس طاقت ہی حق ہے اور کوئی معیار حق موجود نہیں ہے۔ ان تمام عوامل نے مل کر موجودہ دور میں شکست، فریب خوردگی، بد اخلاقی، معاشرہ کے خلاف بغاوت اور زندگی سے فرار کو جنم دیا یا ہے۔"

DESTINY RUMAN BY LOCOMTE DENUARY Page No.13 دور جدید کے ایک بڑے نقاد امریکی صحافی والٹر لپ مین **WALTER LIPPMAN** لکھتے ہیں:

"تنہا اپنی ذات پر پہلے کبھی ہم نے اتنا انحصار نہیں کیا تھا۔ آج کوئی ہمدرد ہماری، فکر کرنے والا نہیں ہے، کوئی نمونۂ زندگی بلا چوں و چرا اطاعت کرنے اور پیروی کرنے کے لیے سامنے موجود نہیں ہے۔ کوئی مافوق شارع نہیں ہے۔ سب عوام الناس ہیں۔ جن کو دلگداز مصائب اور مشکلات کا سامنا ہے۔

تمام کمزوریاں سطح پر نمایاں ہوگئی ہیں۔ ناقابو یافتہ طبعی قوتیں کبھی خوف زدہ کرتی ہیں اور کبھی ڈھارس بندھاتی ہیں، فی الحقیقت ہماری ثقافت گنجلک ہے، ہماری تہذیب ہنگامی، ہمارے جذبات جامے سے باہر نکل رہے ہیں۔ کسی ملاح نے شاید ہی کبھی ایسے ناآشنا سمندر میں جہاز رانی کی ہو۔ جیسے کہ بیسویں صدی میں پیدا ہونے والے انسان کو کرنی

پڑ رہی ہے ہمارے اسلاف سمجھتے تھے کہ وہ اپنا راستہ پیدائش سے لے کر موت تک جانتے ہیں۔ لیکن ہم پریشان ہیں۔ ہمیں کل کے بعد آنے والے دن کی خبر نہیں ہے۔

مذہب سے آزادی حاصل کرنے کے بعد پھر سے یہ تمام مصیبتیں شروع ہوتی ہیں۔ آزادی ایک دل خراش چیخ ہے۔ یہ انسان کو رہبر کی رہنمائی سے اور پادری کی طمانیت سے محروم کر دیتی ہے، مذہب کے بت کو پاش پاش کرنے والوں نے ہمیں آزاد نہیں کیا، بلکہ درحقیقت سمندر کی موجوں میں پھینک دیا۔ اب ہمیں خود ہی ہاتھ پیر مارنے ہیں۔"

Drift and Mystery by Walter Lippman Page. 196-197

برٹرینڈ رسل (۱۸۷۲ء تا ۱۹۶۷ء) جیسے کٹر دہریہ کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا ہے:

اگر سائنس تہذیب کو برتر تہذیب بننا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ معلومات میں اضافہ ہو۔ حکمت سے میری مراد زندگی کی غایات کا صحیح تصور ہے۔ مگر جس کو سائنس مہیا نہیں کر سکتی۔ **Scientific Thought by Russel Page 12**

ہندوستان کی حکومت نے یونیورسٹی تعلیم کی اصلاح کے لیے ۱۹۴۸ء میں ایک کمیشن مقرر کیا تھا۔ کمیشن کی رپورٹ کے دو اقتباسات سننے کے قابل ہیں E

"مشرق و مغرب کے مفکرین کے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ کائنات کی ایک مربوط تصویر پیش کی جائے اور نظام حیات مرتب انداز میں طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ انسان ان میل و بے جوڑ معلومات کے انبار کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس کو اس بات کی خواہش رہتی ہے کہ وہ اشیاء کے مابین روابط کا ادراک کرے، مختلف مظاہرات فطرت کا مطالعہ کرے۔ لیکن انسان کی زندگی کا مجموعی تصور بھی ہم کو حاصل ہونا چاہیے۔ یہ معلومات غیر مربوط اجزاء کا ڈھیر نہ ہوں، بلکہ باہم مرتب و مربوط اور منسلک ہوں۔"

دادھا کرشنن ہندوستان کا فلسفی صدر مملکت کہتا ہے:۔

"یقین جانیے دنیا کی بنیادی ضرورت بہت وسیع و عمیق ہے۔ معاشی و معاشرتی یا سیاسی ردوبدل سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ آج روحانی بیداری اور احیاء ایمان کی شدید ضرورت ہے۔" بحوالہ (مغربی فلسفہ

تعلیم کا تنقیدی مطالعہ)

اسٹالن کو کون نہیں جانتا۔ اس کی بیٹی سوتیلانہ سند شاہی سے اتر کر بھاگی۔ اس نے پریس کو تحریری بیان دیتے ہوئے کہا:

''مجھے بچپن سے کمیونزم کی تعلیم دی گئی۔ موجودہ نسل کی طرح میں نے بھی کمیونزم پر یقین کیا۔ لیکن عمر کے ساتھ ساتھ میری فکر میں تبدیلی شروع ہوئی۔ ابھی چند سال ہوئے کہ ہمارے ملک میں بحث ومباحثہ کا دور شروع ہوا۔ ہم نظریات کے بارے میں دلائل دینے لگے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ ہمیں سکھایا گیا تھا، ہم اس سے متزلزل ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ مذہب نے میری فکر میں زبردست انقلاب پیدا کیا جس خاندان میں میں پلی پوسی ہوں وہاں خدا کا ذکر تک بھی نہیں تھا لیکن بڑی ہو کر میں خود بخود اس نتیجے پر پہنچی کہ خدا کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے لیکن اس یقین کے ساتھ ہی کمیونزم کے اہم اصول کی وہ اہمیت میری نظر میں باقی نہیں رہی جو پہلے تھی۔''

(امروز ۱۳ اپریل ۱۹۶۷ء)

روحانیت کی قدر و قیمت:

امریکہ کا ایک ماہر عمرانیات اپنی کتاب ''دی کرائسس آف اور لائف'' میں لکھتا ہے۔ مغربی تہذیب آج نزع کے عالم میں ہے ہمارا معاشرہ ایک زبردست بحران سے دو چار ہے۔ مغربی تہذیب نے روحانیت کو انسانی زندگی سے باہر دھکیل کر نوع انسان کو شدید نقصان پہنچایا اس نے سرمایہ داری کو جنم دے کر لوٹ مار کا بازار گرم کیا پھر اسی کا رد عمل اشتراکیت کی صورت میں نمودار ہوا دونوں امپیرلزم کی مختلف صورتیں ہیں۔ جس طرح مغرب کے عوام سرمایہ کے خلاف ہیں اسی طرح اشترا کی بھی مارکسزم سے اکتا گئے ہیں اور یہ دونوں اپنی انتہائی منزلوں سے سرک کر ایک دوسرے کے قریب آرہے ہیں۔ انہیں مجبوراً اسلامی تعلیمات کو اپنانا پڑے گا اس کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

مغرب میں روحانیت کی تلاش:

روحانیت ایک حسین داخلی انقلاب کا نام ہے جو پاکیزگی، بلند اخلاقی اور اللہ کی عبادت سے پیدا ہوتا ہے۔ روحانیت نم زندگی ہے اور خالص مادیت ہم زندگی۔ آج کی دنیا ہم زندگی سے تو آشنا ہے۔ لیکن نم زندگی سے بے گانہ۔ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ذکر، تقویٰ، خشیہ، محبت، خدمت اور عدل واحسان کی تعلیم دے کر ہمیں سوز وگداز کی لذتوں سے آشنا کر دیا۔

انیسویں صدی کے اواخر تک یورپ میں سائنس کو علم کی آخری سرحد سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب اس کی سرحدیں مابعد الطبیعات سے مل گئی ہیں اور فزکس، میٹا فزکس کا شعبہ بن گئی ہے جس طرح مقناطیسی لہریں زمین میں اور برقی لہریں اثیر میں سفر کرتی ہیں۔ اسی طرح جذبات وخیالات کی خاموش لہریں ایک دل سے دوسرے دل تک جاتی ہیں۔ کتنے ہی پیغام ان لہروں کے ذریعے دوسروں تک پہنچتے ہیں۔ مدینہ سے فاروق اعظمؓ کا پیغام۔

یا ساریۃ الجلیل (اے ساریہ پہاڑ کے دامن میں ہو جاؤ) (طبقاتِ سعد۔ الفاروق)

شام میں حضرت ساریہؓ تک انہی لہروں کی وساطت سے پہنچا تھا۔ انگلستان کے شہرۂ آفاق روحانی فلسطنی ڈاکٹر الیکزینڈر کانن نے اپنی کتاب **(The invisible infuluence)** میں اور امریکہ کے ولیم جیمز نے **(The Religious Experience)** میں اس نوع کے کتنے ہی پیغامات کا ذکر کیا ہے۔

کیمرج کے مشہور پروفیسر اور تاریخ ادب عربی کے مصنف ڈاکٹر آر کلسن نے اپنی ایک کتاب ''رومی'' (طبع لنڈن 1950ء میں گزشتہ دو عالمی جنگوں کی ہلاکت آفرینی پر بحث کرتے ہوئے یورپ کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مشرق کے صوفیاء مفکرین اور اولیاء کی تحریرات کا مطالعہ کرے۔ کیونکہ:

This will open their evey and they will see that the universe is spirtual and that men are sons of god.

اس سے ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ اس حقیقت کو پالیں گے کہ یہ کائنات ایک روحانی حقیقت ہے۔

نارمن ونسنٹ پیل کا قول ہے:

The universe is spirtual.... the current scientific investigation lends support to the soul theory.

Stay alive all your life.

(طبع لنڈن۔1974ء صفحہ 295)

یہ کائنات ایک روحانی حقیقت ہے۔ موجودہ سائنسی تحقیقات اس نظریہ کی تائید کرتی ہے۔

ایک اور مغربی مفکر لکھتا ہے:

Science without conscience spell ruin for the soul white consicence without science means ruin too (l.pouewls)The morning of the, magicians.

(طبع انگلینڈ۔ صفحہ 47)

سائنس روحانیت کے بغیر اور روحانیت سائنس کے بغیر دنیا کے لیے لعنت ہے۔

ایک اور مفکر لکھتا ہے (ڈبلیو ایس بنٹ)

(Send forth a great thought from mount sinai from galile and from the desert of arabia and you may again remodel all men's institutions.change their principles of actions and breath a new spirit in to the scope of their existen.

.(W.S Blunt: the futoure of islam)

(طبع لاہور۔1975ء صفحہ 144)

دنیا میں ایک نئی روح پھونکنے' اہل دنیا کے رسم و رواج بدلنے اور انداز حیات کو تبدیل کرنے کے لیے کوہِ طور یا گلیلی یا صحرائے عرب سے روحانیت کی ایک طاقتور لہر مانگ لائیے۔

فرانس کی ممتاز فلسطینی برگساں (1859-1941) کہتا ہے کہ انسانی روح میں ایک ایسی طاقت خوابیدہ ہے کہ اگر وہ عیاں ہو جائے تو ہم اپنے آپ کو پہچان لیں اور کائنات کو ایک نئے نور سے دیکھنے لگیں۔ علامہ اقبال نے 11 جون 1918ء کو اکبر الہ آبادی کی طرف ایک خطبہ (مکاتیب اقبال) میں لکھا تھا۔

''میرے نزدیک حقیقی اسلامی بے خودی اپنے ذاتی اور شخصی میلانات رجحانات اور تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا اس طرح پابند ہو جانا ہے کہ انسان اس پابندی کے نتائج (فوائد) سے لاپروا ہو جائے اور رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنا لے۔ اسلامی تصوف میں اسی کا نام فنا ہے۔

عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقیر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگیں
عشق مکان و مکیں عشق زماں و زمیں
عشق سراپا یقیں اور یقین فتح باب

(ضرب کلیم)

اقبال کے ہاں عشق یعنی روحانیت ایک زبردست توانائی ہے اور ایک ایسا محور جس کے گرد اس کی خودی گھومتی ہے۔ امریکا کے ایک مفکر نارمن ونسنٹ پیل (Norman vincent peale) نے ایک کتاب (Stay Ative all you life) کے عنوان سے 1957 میں لکھی تھی۔

اس کا بنیادی خیال یہ ہے کہ اللہ سے رابطہ قائم ہونے کے بعد انسان اپنے اندر ایک پر اسرار توانائی محسوس کرتا ہے۔ وہ جس طرف کا رخ کرتا ہے' کامیابیاں اس کے قدم چومتی ہیں۔ اس میں یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ خدا اس کے ساتھ ہے۔ اس لیے اس کی کوشش ناکام نہیں ہوگی۔ اس کتاب کے چند اقتباسات حاضر ہیں۔

Start living bo faith, pray earnestly and humbly and get into the habit of looking

expectantly for the best (p.3)

اپنی زندگی میں ایمان کو داخل کرو۔ خضوع و خشوع سے دعائیں مانگو اور بہترین مستقبل کا انتظار کرو۔

Will corrodes the soul and impedes the channel through which spiritual and creative power flows.(P.8)

بدنیتی سے روح افسردہ و مضمحل ہو جاتی ہے اور وہ راستہ بند ہو جاتا ہے جس سے روح کو تخلیقی توانائی ملتی ہے۔

(They conquer who believe (P.9.10)

(خدا پر ایمان لانے والے جیت جاتے ہیں۔)
جب تم خدا کو اپنا لیتے ہو تو نا ممکن کو ممکن بنا سکتے ہو۔

Get you life gifht in terms of good's law-think believe and visualise success. (P.23)

اپنی زندگی کو خدائی قوانین کے سانچے میں ڈھال لو...... سوچو، ایمان لاؤ، اور کامیابی کا انتظار کرو۔

Real power is developed in those deep centres of innerquietness where the soul and the mind meet the good (P 219)

حقیقی توانائی اس خاموش و پر سکون مرکز سے جنم لیتی ہے جہاں روح اور دماغ اللہ سے ملتے ہیں۔

Put your trust in good and forget all fear. He has a plan for you and in such a situation who can be against you (p 237)

موضوع نمبر ۴۶

پیٹ کے بل سونا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کے بل لیٹنے کو منع فرمایا:

✿......ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ کوئی شخص منہ کے بل لیٹ کر کھانا نہ کھائے۔

✿......مشکوٰۃ کی ایک حدیث میں لکھا ہے، پیٹ کے بل اوندھے ہونے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل دوزخ کا طریقہ قرار دیا ہے۔

✿......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چودہ سو سال قبل کے ارشاد کی جدید تحقیقات کچھ قبل ہی سامنے آئی ہیں۔ جس میں میڈیکل سائنس کے ماہرین نے پیٹ کے بل لیٹنے کے کئی نقصانات کو واضح کیا۔ آیئے اس ضمن میں جدید سائنس کی تازہ تحقیقات ملاحظہ فرمایئے:

پیٹ کے بل سونے سے اچانک اموات میں اضافہ:

ایک جائزے کے مطابق وہ بچے جنہیں پیٹھ کے بل سلایا جاتا ہے، صحت کے متعدد مسائل سے نسبتاً کم دوچار ہوتے ہیں۔ ان بیماریوں میں کھانسی، بخار اور پیٹ کی مروڑ وغیرہ شامل ہیں۔ جب کہ پیٹ کے بل سونے والے بچوں کو ان بیماریوں کا سامنا زیادہ رہتا ہے۔ ہزاروں نوزائیدہ بچوں کے اس جائزے سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ پیٹ کے بل سونے والے بچے ان بچوں کی نسبت بھی زیادہ صحت مند رہتے ہیں جو کروٹ سے سوتے ہیں۔ لیکن داہنی اور بائیں کروٹ کے بل سونے والے بچوں میں بھی واضح فرق پایا گیا ہے۔

برطانیہ کے محکمہ صحت نے ۱۹۹۱ء میں ایک مہم چلائی تھی، جس کا مقصد ماؤں کو یہ سمجھانا

تھا کہ وہ بچے کو نیند کے دوران موت سے بچانے کے لئے اسے پیٹ کے بل سلائیں۔ کیونکہ شواہد سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ پیٹ کے بل سونے کی نسبت پیٹھ کے بل سونے کا تعلق بچے کی اچانک موت سے کم ہے۔ اس مشورے پر بہت سی ماؤں نے عمل کیا۔ لہٰذا نوزائیدہ بچوں میں اچانک موت کے واقعات بہت کم ہو گئے۔

اس مہم کے بعد یہ جائزہ تیار کیا گیا جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور جس کی تفصیل بچوں سے تعلق رکھنے والے ایک امریکی رسالے میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے مطابق بچوں کی صحت کے ۴۳ مسائل میں سے صرف دو ایسے ہیں جن کی ذمہ داری بچے کو پیٹھ کے بل لٹانے کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان میں ایک مسئلہ تو ٹپی یا کلوٹ کی وجہ سے پیدا ہونے والے چکتے ہیں اور دوسرا مسئلہ سر کی جلد کا ہے۔

پیٹ کے بل سونے والے بچے بیمار ہو جاتے ہیں:

امریکہ میں ہونے والی ایک تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ وہ چھوٹے بچے جنہیں مائیں بستر پر سیدھا لٹا کر سلاتی ہیں، انہیں سانس کی بیماریاں اور بخار کم ہوتا ہے اور جن بچوں کو پیٹ کے بل سلایا جاتا ہے انہیں یہ بیماریاں زیادہ ہوتی ہیں۔ ان بچوں کو انفیکشن اور کان کی بیماریاں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ جن بچوں کو سیدھا سلایا جاتا ہے ان میں شرح اموات بھی کم ہوتی ہیں۔

موضوع نمبر ۴۷

کھانے کو وسط سے نہ کھانا

اور جدید سائنسی تحقیقات

اپنے سامنے سے کھانا:

کھانے کے وقت جب کہ دوسرے اہل خانہ بھی موجود ہوں یا آپ اکیلے کھا رہے ہوں تو اس وقت چاہئے کہ اپنے سامنے سے کھایا جائے۔ دوسروں کے آگے سے کھانے پینے کا سامان اپنی طرف کھینچ کھینچ کر کھانا خلاف ادب ہی نہیں، خلاف سنت بھی ہے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا اور ابھی بچہ تھا، میرا ہاتھ پورے پیالے میں گھومتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیٹا! بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔'' (بخاری)

سالن کو برتن کے کنارے سے کھانا اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''برکت کھانے کے درمیان اترتی ہے۔ پس کناروں سے کھاؤ اور درمیان سے نہ کھاؤ۔''

سائنسی توضیح:

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد جدید سائنس کے بالکل مطابق ہونے کے طور پر

دریافت ہو چکا ہے۔ اس ارشاد کی توضیح بھی بالکل واضح ہے۔ یعنی بیچ سے کھانا نہ کھانے کے ۳ فوائد ہیں:

۱۔ کناروں سے کھانے کی صورت میں بیچ کا جو کھانا بچے گا وہ بالکل صاف ستھرا رہے گا اور دوبارہ قابل استعمال ہو سکے گا۔

۲۔ یہ عمل کھانے کے آداب کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا بیچ سے کھانا بدشعوری اور جہالت کی نشانی ہے۔

۳۔ تیسرا اور سب سے اہم سائنسی فائدہ یہ ہے کہ ہم سب جانتے ہیں کہ ہر چیز چاہے وہ ٹھوس ہو یا مائع اس کی تہہ میں نمکیات اور معدنیات بیٹھ جاتی ہیں۔ جبکہ چکنائی اور دیگر قوت بخش غذائی اجزاء اوپر کی سطح پر رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر کھانے کو کناروں سے کھایا جائے تو یقیناً ہمیں وہ قوت بخش غذائی اجزاء حاصل ہو جائیں گے جس کی ہمارے جسم کو ضرورت ہوتی ہے۔

موضوع نمبر ۴۸

منہ کے بل لیٹ کر کھانے کی ممانعت

جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں

ایک صحابی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منہ کے بل لیٹ کر کھانا کھانے سے منع فرمایا۔

آیئے اس روشنی کی حقانیت جانچنے کے لئے جدید سائنسی تحقیقات ملاحظہ کریں:

منہ کے بل لیٹ کر کھانا اور جدید سائنسی تحقیقات:

❁......جدید فزیالوجیکل تحقیق کے مطابق منہ کے بل لیٹ کر کھانے سے غذائی اجزاء کا سانس کی نالی میں جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کیونکہ بیٹھ کر کھانے کی صورت میں انسان کے جسمانی نظام چونکہ نارمل حالت میں ہوتا ہے۔ اس لئے غذا بآسانی ہضم بھی ہوتی ہے۔ جبکہ لیٹ کے کھانا اور وہ بھی منہ کے بل لیٹ کر کھانا سے آکسیجن کی فراہمی کا قدرتی تناسب بگڑ جاتا ہے اور کھانا بجائے غذائی نالی میں جانے کے سانس کی نالی میں چلا جاتا ہے۔

❁......خوراک کے ذرات غذائی نالی میں جانے کے ساتھ ہی انسان سانس میں تنگی محسوس کرتا ہے اور فوراً پانی پیتا ہے، جس کی صورت میں پھیپھڑوں کے اندر پانی بھر جاتا ہے، جس کا علاج انتہائی مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔

❁......الٹے لیٹنے سے جسم کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ جس میں معدے کا نظام ہاضمہ سب سے اہم ہے اور ایسی صورت میں جبکہ کھانا بھی کھایا جائے تو وہ ہضم نہیں ہوتا، بلکہ الٹا پریشانیوں کا باعث بن جاتا ہے۔

❁......منہ کے بل لیٹنے سے جسم پر ایک ناگوار سا بوجھ محسوس ہوتا ہے جو کہ پیٹ اور سینے کے دبنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور آدمی فوراً سیدھا ہونا چاہتا ہے اور اگر اس طرح لیٹنے کی عادت ہے تو بھی اس سے کوئی فرحت محسوس نہیں ہوتی اور ایسی حالت میں کھانا کھانے کی صورت مین کم کھا کر فوراً سیدھا ہونے کی خواہش ابھرتی ہے۔ جس کے نتیجے میں غذائی تغذیہ کی کمی لاحق ہو سکتی ہے۔ جو صحت کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے۔

موضوع نمبر ۴۹

پگڑی اور جدید سائنسی تحقیقات

پگڑی باندھنے پر ارشاد نبوی ﷺ:

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

عمامہ باندھا کرو، اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے۔ (فتح الباری)

پگڑی سنت نبوی ﷺ ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی امت کو پگڑی باندھنے کی تلقین فرمائی۔ اس بارے میں احقر کی کتاب سنت نبوی ﷺ میں بھی کافی تحقیق یکجا کی گئی ہے۔ موجودہ تحقیق حال ہی میں اس عاجز کی نظر سے گذری جو قارئین کے لئے پیش خدمت ہے۔

پگڑی پر معروف ماہر نفسیات کی تحقیق:

ڈاکٹر عزیز احمد ماہر نفسیات ہیں، فرماتے ہیں کہ میں جب اعلیٰ ڈگری کے لئے بیرون ملک گیا تو دیکھا کہ وہاں نفسیاتی امراض سے بچنے کے لئے پگڑی نما ایک کپڑا سا سر پر باندھا جاتا تھا۔ میں نے جب دیکھا تو فوراً بولا، یہ تو پگڑی ہے اور جس انداز سے آپ باندھ رہے ہیں ہمارے نبی ﷺ نے بھی اسی طرح باندھی تھی۔

ماہرین وہ پگڑی نما کپڑا اس لئے باندھتے تھے کہ اس سے آدمی کے اندر مسائل و مصائب کی برداشت اور قوت پیدا ہوتی ہے اور آدمی بے شمار نفسیاتی امراض سے بچ جاتا ہے۔ اور یہ انسان کے لئے قوت ارادی میں بھی کارگر ثابت ہوتی ہے۔ صدیوں قبل آقائے دو جہاں ﷺ نے جو تعلیم دی موجودہ سائنس اب اس کے فوائد تسلیم کر رہی ہے۔

آپ کا عمامہ باندھنے کا طریقہ اور جدید سائنسی تحقیق کے انکشافات:

رسول اکرم ﷺ اس انداز سے عمامہ باندھتے تھے کہ جس سے سر اور گردن کا پچھلا حصہ ڈھانپا جا سکے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

''تم پر عمامہ باندھنا لازم ہے۔ کیونکہ وہ فرشتوں کی نشانی ہے اور عمامہ کا شملہ اپنی پیٹھ پر لٹکاؤ۔''

ارشاد نبوی ﷺ آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ اب اس کے فوائد جدید سائنس کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے۔

❁ ...... جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق جسم انسانی میں سر کا پچھلا حصہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے جو کہ سرد اور گرم موسمی حالات کو بہت جلد قبول کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے خاص طور پر موسم گرما میں ننگے سر کام کرنے والے افراد اس حصہ دماغ کے متاثر ہونے کے نتیجے میں شدید ذہنی تناؤ کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان میں ہیجان اور غصے کی رفتار بڑھنے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ اس کا واحد حل یہی ہے کہ اپنی صحت کی حفاظت اور ارشاد نبوی ﷺ کی پاسداری میں مستقل طور پر عمامہ باندھنے کو اپنا معمول بنالیں۔

❁ ...... ایک مشہور روسی ماہر طب نے بالوں کے گرنے سے بچاؤ کے متعلق کہا ہے کہ پگڑی، اوڑھنی یا ٹوپی کے بغیر ننگے سر چلنا پھرنا بالوں کے لئے سخت مضرت رساں ہے۔

❁ ...... نیز جدید فزیالوجیکل ریسرچ کے مطابق جب تک حرام مغز محفوظ رہے گا تب تک جسم کا اعصابی اور عضلاتی نظام درست اور امنظم رہے گا اور گزشتہ تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا صرف عمامہ سے ہی ممکن ہے۔

❁ ...... عمامہ سر کے بیرونی حصے کو حادثات سے محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نیز گرد و غبار اور طوفانی باد و باراں سے بچانے میں بھی مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

موضوع نمبر ۵۰

تیز گرم چیزیں کھانا اور جدید سائنسی تحقیقات

گرم کھانا کھانے کی ممانعت پر فرمودات نبوی ﷺ:

❁......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کھانے کا ایک پیالہ لایا گیا جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آگ کھانے کا حکم نہیں فرمایا۔

❁......حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ گرم کھانے کو مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ ٹھنڈا کر کے کھاؤ، کیونکہ اس میں برکت ہے اور گرم کھانے میں برکت نہیں ہے۔

❁......نیز حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کے پاس گرم کھانا لایا جاتا تو آپ ﷺ اسے اس وقت تک ڈھانپ کر رکھے رہتے جب تک اس کا جوش ختم نہ ہو جاتا اور فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ سرد کھانے میں عظیم برکت ہے۔

گرم کھانے کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ آپ نے ملاحظہ فرمائے، اب ان کی حقانیت پر جدید سائنسی تحقیقات ملاحظہ فرمائیں۔

گرم اشیاء کھانا اور جدید سائنسی تحقیق:

❁......جدید تحقیقات کے مطابق گرم اشیاء کھانے سے غذائی نالی میں خراش، جلن اور دراڑیں پڑ جاتی ہیں جو مزید بڑھ کر گلے کے سرطان کا سبب بنتی ہیں۔

❁......جدید تحقیقات نے اس بات کو مسلم طور پر ثابت کر دیا ہے کہ انتہائی گرم

چائے اور کافی کا استعمال معدے کے پردوں کو کمزور کر دیتا ہے۔ نیز گرم چائے اور کافی کے استعمال سے اعصابی اور ذہنی پسماندگی بھی بڑھ جاتی ہے۔

❁ ......مانچیسٹر رائل انفرمری برطانیہ کے ڈاکٹروں کے زیر نگرانی ہونے والی تحقیق کے مطابق معدے کے زخموں میں مبتلا افراد یعنی السر کے مریضوں میں زیادہ تر گرم اشیاء کھانے یا پینے والے افراد شامل ہوتے ہیں۔

❁ ......جدید میڈیکل ریسرچ کے مطابق گرم کھانا کھانے سے زبان پر ورم آجاتی ہیں اور زبان پر چھالے نکل آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے زبان، نیز اندرونی حلق میں کئی پیچیدہ بیماریاں پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

❁ ......زبان کی اوپری جھلی کا رنگ گلابی ہونا معدے اور دیگر جسم کے صحیح ہونے کی علامت ہے۔ گرم کھانا کھانے سے زبان پر زرد اور سفید تہہ جم جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں غذائی نالی کا نظام متاثر ہوتا جاتا ہے۔

❁ ......جدید میڈیکل سائنس یہ ثابت کر چکی ہے کہ بہت زیادہ گرم کھانا کھانے سے کاربن ڈائی گیس پیدا ہوتی ہے۔ جس سے سانس تنگ ہو جاتا ہے اور عارضہ قلب کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ نیز سانس کی تنگی کے نتیجے میں جسم کے افعال بھی سست پڑ جاتے ہیں۔

تیز گرم کھانے سے ورم کی شکایت اور جدید تحقیق:

ذیابیطس کے مریضوں کو بہت زیادہ گرم کھانے استعمال نہیں کرنا چاہئیں، کیونکہ زیادہ حرارت پر گرم یا پکی ہوئی اشیاء سے ورم کی شکایت ہو جاتی ہے۔ نیشنل اکیڈمی آف سائنس کی تحقیق کے مطابق زیادہ حرارت کے نتیجے میں خون میں ایسے مرکبات تیار ہونے لگتے ہیں جو ورم کرنے والی پروٹین کی تیاری میں اضافہ کر دیتے ہیں اور یہ کیفیت ذیابیطس کے مریضوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہ مرکبات عام افراد میں سست رفتاری سے تیار ہوتے ہیں، جبکہ ذیابیطس کے مریضوں میں تیز گرم اشیاء کے کھانے سے یہ رفتار تیز ہو کر ورم کا سبب بن جاتی ہے۔

یوں تو تمام لوگوں میں قلب کے مرض کو ورم کا سبب قرار دیا جاتا ہے، لیکن ذیابیطس کے مریضوں میں یہ شکایت کچھ زیادہ ہی ہوتی ہی اور گرم کھانے اس کا ایک اہم سبب ہوتے ہیں۔ ایسے افراد کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ معمولی گرم کھانے کھائیں۔ اس سلسلے میں جانوروں پر ہونے والی تحقیق سے بھی اس کی توثیق ہو چکی ہے۔ معمولی گرم کھانے سے ورم پیدا کرنے والی مرکبات جسم میں کم بنتے ہیں، اس طرح ورم اور گھٹن کی شکایت لاحق نہیں ہوتی۔

موضوع نمبر ۵۱

جماہی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھنا اور جدید تحقیق

جماہی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھنے پر ارشاد نبوی ﷺ:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:
"جب تم میں سے کوئی شخص جماہی لے تو اس کو چاہیے کہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے، کیونکہ کھلے منہ میں شیطان گھس جاتا ہے۔" (مسلم شریف)

جدید سائنسی تحقیق:

جماہی آتے وقت تمام جسم کے جوڑ کھل جاتے ہیں اور ہاتھ رکھ دینے سے وہ مقدار سے زیادہ نہیں کھلتے۔ اگر وہ زیادہ کھل جائیں تو جوڑ جدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جماہی لیتے ہوئے چونکہ انسان گہرا سانس لیتا ہے، اس لئے ہوا میں گرد و غبار اٹک جاتے ہیں۔ اگر یہی جراثیم اندر چلے جائیں تو صحت اور توانائی کو نقصان دیتے ہیں۔

جماہی کے وقت الٹا ہاتھ رکھنے کا فائدہ:

جماہی میں الٹا ہاتھ اس لئے استعمال کرتے ہیں تاکہ وہ جراثیم الٹے ہاتھ کو لگ جائیں گے۔ اگر اسی کام کے لئے سیدھا ہاتھ استعمال کیا جاتا تو چونکہ سیدھا ہاتھ کھانے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور جماہی لیتے وقت اس کو جراثیم لگ جاتے ہیں اور یہی جراثیم کھانے کے ذریعے جسم میں مرض اور بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ جماہی سستی، کسل مندی اور خماری کی علامت ہے۔

موضوع نمبر۵۲

خوشبو کا استعمال اور جدید سائنسی تحقیقات

- ......خوشبو روح انسانی کے لئے غذا کا کام دیتی ہے۔
- ......خوشبو روح قوی کے لئے سرمایہ حیات ہے اور توانائی کا ذریعہ ہے۔
- ......خوشبو سے دماغ کو راحت وسرور حاصل ہوتا ہے۔
- ......خوشبو کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ کہ مردانہ خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو پھیلتی ہو اور رنگ غیر محسوس ہو۔ (ترمذی)
- ......حضور ﷺ مشک اور عود کی خوشبو کو زیادہ پسند فرماتے۔
- ......حضور ﷺ کو دنیا کی تمام چیزوں میں محبوب چیز خوشبو تھی۔
- ......خوشبو کے جسم انسانی پر اثرات پر دنیا کے ماہرین تحقیقات کام کر چکے ہیں۔

جسم انسانی پر خوشبو کے معطر اثرات پر کئی مقالات اور کئی کتابیں آ چکی ہیں۔ یہ ساری تحقیقات کچھ عرصہ قبل کی ہیں۔ جبکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ حضرت محمد ﷺ چودہ سو سال پہلے اپنی امت کو خوشبو استعمال کرنے کی تعلیمات دے چکے ہیں۔ آیئے اب دور جدید کے ماہرین کی نئی تحقیقات ملاحظہ فرمائیں۔

خوشبو سے علاج:

زمانہ قدیم سے خوشبویات کو کسی حد تک علاج کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ مغل دور حکومت میں شاہی خاندان میں جن لوگوں کو نیند نہیں آتی تھی ان کو گلاب کی پتیوں سے بھرا تکیہ استعمال کروایا جاتا تھا۔ اسی طرح روغن سفیدہ، روغن پودینہ، کافور وغیرہ کو سونگھنے کے طور پر نزلہ زکام کو ٹھیک کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

افریقہ کے جنگلی پودے کی تاثیر:

افریقہ کے جنگلوں میں ایک ایسا پودا ملا جس کو تکیہ کے نیچے رکھ کر سونے سے صبح انسان اپنے آپ کو ۱۰۔۱۵ سال جوان محسوس کرتا ہے۔ ہمارے دماغ میں کمپیوٹر پیدائش سے شروع ہو کر مرنے تک کام کرتا رہتا ہے۔ اگر کوئی خوشبو آپ کو ناپسند ہے اور پھر وہ ایسی یاد تازہ کر دیتی ہے جو پریشانی کا باعث بنتی ہے تو وہ خوشبو کسی طرح بھی آپ کی جنسی خواہش پر مثبت اثرات مرتب نہیں کر سکتی۔

خوشبو، یادداشت اور جذبات کو طاقت دیتی ہے، امریکی ماہر نفسیات:

ایک امریکی نفسیات نے دعویٰ کیا ہے کہ عطر کی خوشبو سے یادداشت اور جذبات کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ماہر نفسیات ریشل ہرز نے خوشبو، یادداشت اور جذبات کے باہمی تعلق پر تفصیلی تحقیق کے بعد ایک ورکشاپ کے شرکاء کو بہت سی تصویریں دکھائیں۔ کچھ تصاویر پر عطر لگایا گیا تھا۔ جب کہ کچھ اس کے بغیر تھیں۔ چند روز بعد ان شرکاء سے تصاویر کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں۔ جن تصاویر کو خوشبو کے ساتھ دکھایا گیا تھا ان کے بارے میں شرکاء نے کافی تفصیلات بتلائیں۔ جبکہ دوسری تصاویر کے متعلق وہ زیادہ بتانے سے معذور پائے گئے۔

خوشبو سے متاثر خواتین:

تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ نوجوان لڑکیوں کو اگر مشک کی خوشبو سے متعارف کروایا جائے تو ان کے ایام مخصوصہ کم ہو جاتے ہیں اور آسانی سے حمل ٹھہرنے کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ وہ بچے جو کہ ایجوکیشن (مخلوط) تعلیم حاصل کرتے ہیں، جلد جوان ہو جاتے ہیں اور جو ایجوکیشن میں تعلیم حاصل نہیں کرتے وہ دیر سے سن بلوغت کو پہنچتے ہیں۔ حقیقت میں سن بلوغت کا عمل ناک کے خلیوں سے شروع ہوتا ہے۔

سائنسی تحقیق ابھی تک یہ پتہ نہیں لگا سکی کہ یہ خوشبویات کس طرح مرد کو جنسی یا ''فزیالوجیکلی'' طور پر متاثر کرتی ہیں۔

خوشبو سے جنس مخالف کی توجہ پر تحقیق:

خوشبویات حقیقت میں فراری تیل پر مبنی کیمیائی مرکبات ہیں۔ (فراری تیل وہ تیل ہے جو آسانی سے عام درجہ حرارت پر بخارات میں بدل جاتے ہیں۔) یہ خوشبویات انسان کی صحت کو کافی حد تک متاثر کرتی ہیں۔ انکے اس متاثر کرنے کے طریقہ کار پر آج کل کافی تحقیق ہو رہی ہے۔ سائنس دان اس کوشش میں ہیں کہ کس طرح سے اور کونسی خوشبو انسانی زندگی پر خوشگوار اثرات مرتب کر سکتی ہے، تاکہ خوشبویات لگا کر انسان اپنا وزن کم کر سکے یا پھر دوسرے عوامل کو متاثر کر سکے۔

آج کل خوشبویات کو اس پہلو سے بھی پرکھا جا رہا ہے کہ کس طرح خوشبو کے لگانے سے ایک مرد دوسری عورت کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اس خوشبویات کی تحقیق کے دوران ایک خاص قسم کی خوشبو جس کو فیرومون کہتے ہیں، سائنس دانوں کی تحقیق کا مرکز بنی ہوئی ہے اور یہ پتہ چلانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ کس طرح فیرومون جنسی کیمسٹری کو تبدیل کرتے ہیں اور یہ کس طرح جنس مخالف کو متوجہ کرنے کا باعث بنتی ہے۔

فیرومون کیمیائی لحاظ سے نامیاتی مرکبات ہیں، جو کہ ہر انسان کے جسم سے نکلتے ہیں اور دوسرے انسان کے اندر کے ہارمون کو جا کر متاثر کرتے ہیں۔ فیرومون ایک یونانی لفظ ہے جس کا لفظی ترجمہ بھی یہ ہے کہ ''ہارمون کو برانگیختہ کرنے والا۔''

یہ فیرومون انسان کے جسم میں پسینہ لانے والے گیلنڈر، بغلوں میں، چہرہ پر، چھاتیوں کے نپل اور ہم جنسوں کی جائے مخصوصہ پر پیدا ہوتے ہیں۔ ایپوکرائن گلینڈس بلوغت پر عمل کرنا شروع کرتا ہے۔ سن بلوغت سے پہلے جسم کے پسینہ میں فیرومون نہیں ہوتے اور حقیقت میں سن بلوغت سے پہلے ایسے مرکبات کی ضرورت بھی نہیں ہوتی جو مخالف جنس کو اپنی طرف متوجہ کرے۔

نر اور مادہ پر ان فیرومون کا علیحدہ علیحدہ اثر ہوتا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ خواتین خوشبو کی طرف راغب ہوتی ہیں اور جنسی خواہش کے دنوں میں خوشبو بہت زیادہ متاثر کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی طاقت ۱۰۰۰ گنا بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ مخصوص ایام میں یہ حس کافی حد تک کم ہو جاتی ہے۔ جنسی تعلقات میں خوشبو نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ بعض دفعہ دو مخالف جنس میں اسی خوشبو کی حصہ سے نفرت بھی پیدا ہو جاتی ہے اور جنسی رغبت ختم ہو جاتی ہے۔ جنسی عمل میں داخل ہونے سے پیشتر خوشبو کا لگانا اس فعل کے عمل کو تیز کر دیتا ہے اور زیادہ خوشگوار بنا دیتا ہے۔

موضوع نمبر ۵۳

خوش رہنا اور جدید سائنسی تحقیقات

خوشی پر ارشاد نبوی ﷺ:

⚜ ...... خوش مزاجی اور زندہ دلی اسلام نے مسلمانوں کو سکھائی۔ زندگی کے ہر کام پر عمل ہر سوچ کے انسانی جسم پر اثرات پڑتے ہیں۔ اگر انسان خوش وخرم رہے تو جسم انسانی کے ہر اعضاء پر اچھے اور صحت مند اثرات پڑتے ہیں۔ اگر رنج وفکر، حسد اور دماغی الجھنوں میں گھرا رہے تو جسم پر اس کے مضر اثرات پڑتے ہیں۔ خوش وخرم رہنے کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

⚜ ...... سیدھے رہو، میانہ روی اختیار کرو اور ہشاش بشاش رہو۔ (مشکوٰۃ)

⚜ ...... حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا کوئی نہیں دیکھا۔ (ترمذی)

⚜ ...... دوسرے کی خوشی پر اسے مبارک باد دے۔ (بخاری)

⚜ ...... جب کوئی خوشی پہنچے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور سجدہ شکر کرے۔ (ترمذی شریف)

آیئے خوشی کے بارے میں دور جدید کے ماہرین کی تازہ تحقیقات ملاحظہ فرمائیں۔

خوشی حاصل کرنے کے رہنما اصول:

خوشی پر کی جانے والی تحقیقات یہ کہتی ہیں کہ خوشی اور صحت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ صحت مند سوچ اور صحت مند جسم کے مالک افراد زیادہ خوش رہتے ہیں بہ نسبت منفی سوچ اور بیماریوں میں گھرے ہوئے افراد کے ..... دوسری یہ کہ خوش رہنا ایک طرز فکر کا نام ہے نہ کہ

اس رویہ کا کہ ہم خوش ہونے کے لئے اہم اور بڑے واقعات کا انتظار کرتے ہیں۔

خوشی کے موضوع پر تحقیق کرنے والے محقق اور نسٹین کہتے ہیں کہ خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم خوشی کے چھوٹے چھوٹے لمحات سے بھرپور طریقے سے لطف اندوز ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ حصول خوشی میں بننے والی رکاوٹیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ ہم ایسے لمحات کو جن سے لطف اندوز ہونا چاہئے، کو معمولی اور روزمرہ کی سرگرمیاں کہہ کر گذار دیتے ہیں اور دوسری بڑی دیوار جو حصول خوشی کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے، وہ ہماری مایوسی اور ناامیدی کے طرز فکر ہے۔

تحقیقات کہتی ہیں کہ صرف ایک سیب کے ٹکڑے کی خوشبو سونگھنے سے بھی ہمیں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا تجربہ آپ خود بھی کر سکتے ہیں۔ جب آپ ذہنی دباؤ میں ہوں تو سیب کے ٹکڑے کی خوشبو سونگھیں یا اپنے پسندیدہ پھل کی خوشبو سونگھیں۔ آپ اپنے ذہنی دباؤ میں کمی محسوس کریں گے۔ کیونکہ جب آپ خوشبو سونگھتے ہیں یا اس پھل کو کھاتے ہیں تو کاربوہائیڈریٹس ہمارے دماغ کو **Serotonin** فراہم کرتا ہے جو دماغ میں موجود خوشی کے مراکز کو تحریک دیتے ہیں۔

اورنسٹین نے اپنی تحقیقات سے یہ نکتہ بھی دریافت کیا ہے کہ جو لوگ اچھی جسمانی صحت اور خوشگوار زندگی کے مالک ہوتے ہیں وہ رجائیت پسند بھی ضرور ہوتے ہیں۔ یعنی منفی سوچ کے برعکس مثبت سوچ کے مالک ہوتے ہیں۔ حالات خواہ جیسے بھی ہوں وہ پراعتماد رہتے ہیں۔ کاموں کو نامکمل اور ادھورا نہیں چھوڑتے۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں وہ خوشی کو پالیتے ہیں۔ مثلاً کھانا پکانا، فٹ بال کھیلنا وغیرہ وغیرہ۔ وہ اپنے مسائل کو اپنی پراعتماد سوچ کی بدولت مواقع میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

شاید آپ کو اورنسٹین کی اس بات پر حیرت ہو کہ اپنی زندگی اور اپنے آپ کے بارے میں حد سے زیادہ حقیقت پسند ہونا آپ کی خوشیوں کو چرا سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم کو تھوڑا بہت خیالی پلاؤ پکانے والا بھی ہونا چاہئے۔ اورنسٹین کے مطابق خوشی وہ شے نہیں ہے جو بازار میں بکتی ہو۔ یہ تو اس بات کا نام ہے کہ ہم چیزوں کو کیا معنی ومفہوم دیتے ہیں۔ یعنی اگر آپ کاروبار میں دس لاکھ روپے کے منافع کے منتظر ہیں تو اکثریت اس وقت ہرگز خوش نہیں ہوگی جب اسے دس ہزار روپے کا منافع ہوگا۔ مگر آپ اس دس ہزار روپے کے منافع کے

ساتھ مایوس ہو جاتے ہیں تو صرف اپنا ہی نقصان کریں گے۔
روحانی سائنس میں اسی کلیہ کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ پیغمبرانہ طرز فکر بتاتی ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔ اس لئے ہمیں صابر اور شاکر رہنا چاہئے۔ اورنسٹین کہتا ہے کہ جو افراد اپنے بارے میں مکمل طور پر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرتے ہیں وہ دوسرے افراد کی بہ نسبت ذہنی دباؤ کا شکار زیادہ رہتے ہیں۔
نشہ آور ادویات کے ذریعے خوشی کا حصول ہمیں تنہا کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت ہم پر روشن ہو جانی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک دوسرے سے اچھے حسن سلوک کی ہدایت کی ہے اور اسی میں خوشی موجود ہے۔ اگر ہم خوشی پر لوگوں کی آراء معلوم کریں کہ آپ کب اپنے آپ کو خوش محسوس کرتے ہیں تو ہمیں درج ذیل خیالات سے سابقہ پڑے گا۔ مثلاً جب میں نئے کپڑے پہنتا ہوں یا جب میرے ٹارگٹ حاصل ہو جاتے ہیں یا جب ہمیں کاروبار میں زبردست منافع ہوتا ہے یا جب ہماری کوئی تعریف کرتا ہے۔
ان بیانات پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہم میں سے ہر کسی نے خوشی کو محدود کیا ہوا ہے۔ جبکہ خوشی ایک لامحدود شے کا نام ہے۔

امریکی ڈاکٹر کے نزدیک خوشی حاصل کرنے والے تین گروہ:

امریکی محقق ڈاکٹر ہاروی ملک مین کے مطابق مختلف طبیعتوں اور مزاج کے لوگ مختلف طریقوں سے ذہنی آسودگی یا خوشی حاصل کرتے ہیں۔ ملک مین نے ان کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔
ایک گروہ ایسا ہے جو ہیجان انگیزی اور پرخطر کاموں کو سرانجام دینے کے شوقین ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ مہم جو طبیعت کے مالک ہوتے ہیں اور ایسے شوق کے مالک بھی ہوتے ہیں کہ کچھ افراد کو وہ اچھوتے کام دیکھ کر سانپ سونگھ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہزاروں فٹ کی بلندی سے پیراشوٹ جمپنگ کرنا، خطرناک قسم کے جانوروں مثلاً شیر، چیتے، مگرمچھ یا سانپوں کے شکار کا شوق، موٹر سائیکل یا کار کو موت کے کنویں میں باسہولت چلانا۔
موٹر سائیکل یا کار کی مدد سے بیس بیس فٹ اونچی جمپ لگانا۔ کوہ پیمائی کا شوق، رسے

پر چلنا، بیس بیس فٹ اونچی سمندری لہروں پر Surfing کرنا۔ اس ضمن میں ہم ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جس سے پتا چلتا ہے کہ اس طبیعت کے مالک افراد اپنے شوق کی خاطر بڑے سے بڑا رسک قبول کر لیتے ہیں جو ان کے لئے بالآخر ذہنی اطمینان اور خوشی کا باعث بنتا ہے۔

امریکہ کے شہر موجاوی (کیلیفورنیا) میں قومی فضائی دوڑ جون ۱۹۷۶ء کے مظاہرہ کے دوران ایک گمنام شخص نے جو خود کو ''انسانی مکھی'' کہتا تھا، ڈی سی نمبر ۸ جیٹ طیارہ پر دوران پرواز کھڑے ہونے کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا۔ طیارہ اس کو لے کر دو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ۱۵ منٹ تک پرواز کرتا رہا۔ اس پر آپ کو شاید یقین نہ آئے، لیکن یہ سو فیصد سچ ہے۔ ۲۹ جون ۱۹۷۶ء کے روزنامہ جنگ کراچی میں یہ تفصیلات مع تصویر کے شائع ہوئی تھیں۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو کام کی زیادتی یا ذہنی دباؤ سے نجات کے لئے مختلف قسم کے شوق اختیار کر لیتا ہے۔ جو ان کے لئے بالآخر خوشی کا باعث بنتے ہیں۔ مثلاً لینن (۱۸۷۰۔۱۹۲۴ء) کو شطرنج کا بے حد شوق تھا اور اپنی جلاوطنی کے زمانے میں بھی لینن بذریعہ ڈاک بازیاں کھیلا کرتا تھا۔ دوسری مثال فرانس کے شہنشاہ نپولن کی ہے۔ نپولن کو خوشبوؤں کا بڑا شوق تھا اور خاص طور پر وہ یوڈی کولون بے تحاشا استعمال کرتا تھا۔ اور ایک ماہ میں وہ یوڈی کولون کی پچاس بوتلیں استعمال کرتا تھا۔

اور تیسرا گروہ وہ ہے جو لطیف حسیات کا مالک ہوتا ہے۔ یہ لوگ شاعری، موسیقی اور مصوری سے بہت خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ملک مین کہتے ہیں کہ آپ کی شخصیت اور طبیعت کی ان تینوں میں سے کوئی بھی قسم کیوں نہ ہو، خوشی کے موقع پر آپ کے ذہن میں آنے والی کیمیائی تبدیلیاں تقریباً ایک ہی جیسی ہوتی ہیں، جنہیں ہم آگے بیان کریں گے۔

خوشی کی فزیالوجی:

ڈاکٹر ہاروی ملک مین اپنی نئی کتاب ''خوشی کے راستے'' میں لکھتے ہیں کہ جب ہمارے دماغ میں کچھ خاص قسم کے کیمیکلز حرکت میں آتے ہیں تو ہم صرف اسی وقت خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ملک مین جو سینٹر فار انٹرڈسپلنری اسٹیڈیز کے ڈائریکٹر بھی ہیں،

کہتے ہیں، دماغ کا وہ حصہ جو خوشی کی کیفیات کو پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ وہ Limbic System ہے۔ یہی وہ حصہ ہے جو خوشی کی موقع پر متحرک ہوتا ہے اور خوشی کی کیفیات کو سمجھ کر ہمیں لطیف بنا دیتا ہے۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر رابرٹ ہیتھ جن کا تعلق ٹیولین یونیورسٹی میڈیکل اسکول، نیواورلین سے ہے، نے ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء تک ذہنی طور پر انتہائی پریشان مریضوں پر تحقیق کی ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ جب دماغ کے Septal حصے کو جو Hypo thalamus کے برابر میں ہوتا ہے۔ خفیف کرنٹ کی بدولت جب متحرک کیا گیا تو ذہنی طور پر انتہائی پریشان مریض نا صرف اپنے آپ کو بہت بہتر اور پر اعتماد محسوس کرنے لگے۔ بلکہ انہیں کیف اور سرور کی کیفیات بھی محسوس ہونے لگیں اور بہت خوشی محسوس ہوئی۔

ایک مریض جو کئی برسوں سے ذہنی انتشار اور مایوسی کا شکار تھا جب اس کے دماغ کو اس طرح تحریک دی گئی تو وہ مسکرانے لگا اور اسے بھولے بسرے وہ دن یاد آنے لگے جو اس نے خوشی کے عالم میں گزارے تھے۔

دوسرے تجربے میں ایک عورت کو جو مرگی کے مرض کا شکار تھی اور دن میں کئی بار اس پر مرگی کے دورے پڑتے تھے کو Acetyl Choline کیمیکل اس کے دماغ کے Septal Region میں براہ راست دیا گیا، اس کے نتیجے میں وہ عورت ۳۰ منٹ تک کیف اور سرور کی کیفیات محسوس کرتی رہی۔ ایک اور کیس میں ایک آدمی کے دماغ کے Septa Region الیکٹروڈ نصب کر دیئے گئے تو وہ خود اپنے آپ کو ایک گھنٹہ میں کم از کم ایک دفعہ خفیف کرنٹ کے ذریعے تحریک ضرور دیتا تھا۔ اس لئے اس عمل سے اسے سرور محسوس ہوتا تھا۔

خوشی کی کیمسٹری:

خوشی کے اوپر تحقیق میں پہلی اہم کامیابی ۱۹۵۲ء میں ہوئی، جب مک گل یونیورسٹی، مونٹریال کے جیمس اولڈ اور پیٹر ملز نے ایک چوہے کے دماغ کے Limbic Region میں الیکٹروڈ نصب کر دیئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جب وہ خفیف الیکٹرک کرنٹ دیتے ہیں تو چوہے میں تیزی سی آجاتی ہے۔ وہ اچھلنا کودنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ

دماغ کے اس حصے میں الیکٹرک کرنٹ دینے سے چوہا بہت خوش معلوم ہوتا ہے اور اس خوشی کو برقرار رکھنے کے لئے وہ سب کچھ کر گزرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ وہ بار بار اس کو خفیف الیکٹرک کرنٹ دیتے رہے، حتیٰ کہ چوہا مر گیا۔ انہوں نے کہا کہ پھر ہمیں پتا چلا کہ آخر انسان کسی مقصد، کاز یا محبت کے لئے آخر اپنی جان کیوں نچھاور کر دیتا ہے۔

دوسری بڑی اور اہم کامیابی ۱۹۷۴ء میں اسکاٹش سائنسدان جان ہگز اور ہینز کو حاصل ہوئی۔ انہوں نے دماغ میں موجود **Chemical Massenger** دریافت کیا جو قدرتی افیون کی طرح کام کرتا ہے۔ اس کو آج کل **Enkephalins** کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ جب دماغ میں محو سفر ہوتے ہیں تو درد کی کیفیات ختم ہو جاتی ہیں اور انسان سرور اور کیف محسوس کرتا ہے۔

اور اب ٹیکساس یونیورسٹی کے پروفیسر کینتھ بلم نے وہ تمام کیمیائی تبدیلیاں دریافت کرنے کا دعویٰ کیا ہے جو خوشی کے نتیجے میں یکے بعد دیگرے ذہن میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

سب سے پہلے دماغی کیمیکل جسے **Serotonin** کہا جاتا ہے، **Endorphins** کو تحریک دیتا ہے اور اینڈورفنز دماغ کے حصے **Hypothalamus** سے سفر کا آغاز کرتا ہے۔ **Endorphins** بھی متذکرہ بالا کیمیکل **Enkephalins** کی طرح ہی ہوتا ہے۔ **Endorphins** کے جاری ہونے سے **Amino Acid Gaba** ہو جاتا ہے اور **Dopamine** ہی ہوتا ہے جو خوشی اور آسودگی کی کیفیات کا آب رواں لے کر آتا ہے اور **Copamine Limbic System** میں موجود **Cucleus Accumbens** حصے کو بھی تحریک دیتا ہے۔

نشہ آور ادویات جیسے ہیروئن اور مارفین بھی دماغی کیمیکل **Endorphins** کو ہی تحریک دیتی ہے۔ مگر چونکہ یہ ایک مصنوعی طریقہ ہے تو کچھ عرصے بعد ہمارا اس مقدار کی مارفین لینے کے بعد بھی یہ کیمیکل خارج نہیں کرتا۔ اس لئے پھر نشے کی مقدار بڑھانی پڑتی ہے۔ جو افراد نشہ چھوڑ دیتے ہیں یا چھوڑ رہے ہوتے ہیں، دماغ چونکہ نشے کا عادی ہو چکا ہوتا ہے یعنی نشے کا سگنل ملنے کے بعد ہی وہ **Endorphins** خارج کرتا ہے۔ نشہ چھوڑنے پر وہ یہ کیمیکل اور **Dopamine** خارج نہیں کرتا۔ اس لئے نشے کے عادی افراد جب اسے

ترک کرتے ہیں تو انہیں زندگی بیکار معلوم ہوتی ہے اور بیزاری سے محسوس ہوتی ہے۔

جو افراد پیراشوٹ جمپنگ کرتے ہیں ان میں ان کیمیکلز کے ساتھ ایک اور کیمیکل Noradrenal-Ine اینڈرینل گلینڈ سے خارج ہوتا ہے۔ ایڈرینل گلینڈ گردوں سے تھوڑا اوپر واقع ہوتے ہیں۔ یہ کیمیکل جسم کو ایمرجنسی سے نمٹنے کے لئے تیار کرتا ہے اور دماغ میں موجود ایک اور مرکز Locus Ceruleus کو تحریک دیتا ہے۔ جس سے انسان خوشی محسوس کرتا ہے۔ کوکین اور Amphetamine (نشہ آور اشیاء) بھی یہی اثرات پیدا کرتی ہیں۔

موضوع نمبر ۵۴

سادہ پانی اور جدید سائنسی تحقیقات

پانی کے بہترین مشروب ہونے کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ:

ہم ان اشیاء کی قدر نہیں کرتے جو خالق کائنات نے ہمارے لئے مفت اور وافر مقدار میں فراہم کی ہیں۔ مثلاً پانی کو ہی لیجئے۔ سورۃ الانبیاء میں فرمان الٰہی ہے:

''اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے۔'' (آیۃ ۳۰)

کیا ہم واقعی اس قدر پانی پیتے ہیں جو ہماری صحت اور جسمانی نظام کی بہترین کارکردگی کے لئے اشد ضروری ہے؟ اور ہمارا جسم پیاس کے ذریعے سے ہمیں آگاہ کرتا بھی ہے تو ہم کوئی فیشن ایبل مشروب پی کر اپنے کو مطمئن کر لیتے ہیں۔ ہماری پیاس بظاہر تو آسودہ ہو جاتی ہے لیکن درحقیقت ہم پیاسے کے پیاسے رہتے ہیں۔

حضور پاک ﷺ نے پانی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ مجھے مشروبات میں سے ٹھنڈا پانی پسند ہے۔ پھر فرمایا کہ پانی کو ٹوٹے ہوئے برتن سے نہ پیو، بخار کے عالم میں پانی پینے کا حکم ہے۔

پانی زیادہ بہتر مشروب ہے یا دور جدید کے مشروبات۔ اس بارے میں چند تازہ سائنسی تحقیقات ملاحظہ فرمائیں۔

پانی زیادہ سے زیادہ پیجئے:

ہر انسان بخوبی واقف ہے کہ پانی کسی بھی کیمیائی تعامل کے لئے ایک میڈیم کے طور پر کام کرتا ہے۔ خلیہ میں کوئی بھی مادہ اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ مائع کی

شکل میں تبدیل نہ ہو جائے۔ انسانی جسم میں تقریباً ۷۵ سے ۸۰ فیصد پانی کا ہونا نہایت اہم ہے۔ دن میں آٹھ گلاس پانی لازمی پینا چاہیے۔ آپ کے جسم مین جس قدر پانی کی مقدار زیادہ ہوگی آپ اتنے ہی زیادہ بہتر نظر آئیں گے۔

ہم کم پانی کیوں پیتے ہیں؟:

اصل وجہ یہ ہے کہ اس ''بٹن دباؤ'' دور میں ہم اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے اپنے وسائل، آسائشوں اور املاک میں اضافہ کرنے کی جدوجہد میں ضرورت سے زیادہ مصروف ہیں۔ آج جدید سہولتوں کی وجہ سے جسمانی محنت نہ کرنے کی وجہ سے ہماری بھوک فطری ہے نہ پیاس۔ ایئر کنڈیشنڈ کاروں، دفتروں اور کمروں میں اپنے وقت کا بیشتر حصہ گزارنے کی وجہ سے ہمیں پیاس محسوس ہی نہیں ہوتی۔ اگر کبھی پیاس لگتی بھی ہے تو ہم پانی کے بجائے کسی مشروب کی بوتل طلب کرتے ہیں یا چائے کی پیالی۔ کبھی کبھی ہم اس اندیشے سی بھی سادہ پانی استعمال نہیں کرتے کہ کہیں پانی سے پیدا ہوانے والی بیماریون کا شکار نہ ہو جائیں۔

ماہرین امراض گروہ کا کہنا ہے کہ صحت مند گردے ضرورت سے کم پانی فراہم ہونے پر بھی کام چلا لیتے ہیں۔ لیکن اس طرح یہ غیر ضروری طور پر زیر بار ہوتے ہیں۔ جب آپ کم پانی پیتے ہیں تو وہ اشد ضروری افعال میں خرچ ہو جاتا ہے اور دیگر کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔

اگر ہمارے جسم کے لئے دس بڑے گلاس پانی یومیہ مطلوب ہے تو اس میں سے چھ گلاس صرف گردوں کے ذریعے سے استعمال ہو جاتا ہے تاکہ خون کی سمیت (Toxaemia) پانی کے زور سے فلش ہو جائے۔ بصورت دیگر مختلف امراض مثلاً درد کمر، پیشاب میں جلن وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ ضرورت سے کم پانی پینے سے ہماری جلد خشک اور بے جان ہو جاتی ہے۔

تحقیقات کی رو سے صحت مند جلد کا انحصار مناسب نمی پر ہے۔ جسم میں پانی کی مستقل کمی سے قبض میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ روزمرہ استعمال ہونیوالی عام ایلو پیتھک دوائیں مثلاً

دافع درد، دافع سوزش اپنا کچھ اثر گردوں پر بھی چھوٹ جاتی ہے۔ پانی کم پینے سے ان دواؤں کی تلچھٹ گردوں میں رہ جاتی ہے۔ جو صحت کے لئے نقصان دہ ہوسکتی ہے۔ آپ جی بھر کر پانی پیجئے، اس میں چکنائی ہے نہ حرارے۔

کم پانی پینے سے پتھری کے امکانات میں اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہماری کارکردگی بھی گھٹ جاتی ہے اور ہم بغیر محنت کئے تھکان محسوس کرنے لگتے ہیں۔

ورزش اور کھیل کے وقت پانی کی ضرورت پر تجربہ:

ماہرین طب کہتے ہیں ''ورزش اور کھیل کود سے پہلے یا بعد میں پانی ہی بہترین مشروب ہے۔ بہت میٹھے مشروب جنہیں توانائی بخش سمجھا جاتا ہے وہ ہمارے عضلات سے پانی کھینچ کر آنتوں میں پہنچا سکتے ہیں۔ (جبکہ اس کے برعکس ہونا چاہئے) جس کی وجہ سے اندرونی ڈی ہائیڈریشن ہوجاتا ہے۔ جو کھیل یا ورزش کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔

ہم سپر سونک جیٹ دور میں زندگی گزار رہے ہیں، لیکن آج بھی ہماری زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ ہم غذا کے بغیر پانچ ہفتے تک زندہ رہ سکتے ہیں، لیکن پانی کے بغیر زندہ رہنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ ایک عام انسان کے جسم میں ۳۵ سے ۵۰ لیٹر تک پانی ہوتا ہے۔ مرد جو صنف نازک کے مقابلے میں زیادہ ٹھوس سمجھے جاتے ہیں ان کا وزن بھی ۶۵ سے ۷۵ فیصد تک پانی پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ خواتین میں ۶۵ فیصد پانی ہوتا ہے۔

انفیکشن سے لڑنے والے خلئے خون میں سفر کرتے ہیں اور خون بذات خود ۸۳ء۰ فیصد پانی ہی ہے۔ کھانا ہضم کرنے کے لئے ہمارے جسم میں پیدا ہونے والی رطوبتوں کے علاوہ پانی کی بھی اشد ضرورت ہے، کیونکہ ہاضم رطوبتیں نیم رقیق ماحول میں بہترین کام کرتی ہیں۔

زمانہ جدید میں سادہ پانی کیوں نہیں؟:

مختلف ناموں سے بکنے والے مشروبات کی بوتلیں پی کر ہم بظاہر بلند معیار زندگی سے

پیدا ہوئے والی تسکین تو حاصل کر سکتے ہیں، لیکن یہ مشروبات سادہ پانی کا نعم البدل نہیں بن سکتے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ان مشروبات میں مصنوعی رنگ، مصنوعی ذائقہ، مصنوعی خوشبو اور تحفظی کیمیائی اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں۔ چائے اور کافی میں شکر، کیفین اور دودھ وغیرہ کی آمیزش ہوتی ہے۔

قدرتی پانی ان سب اضافوں سے محفوظ ہونے کی وجہ سے ہماری صحت کے لئے زیادہ مفید ہے۔ جب سادہ پانی ہی ہماری پیاس بخوبی بجھا سکتا ہے تو آخر ان مشروبات سے اپنے آپ کو غیر ضروری طور پر زیر بار کیوں کیا جائے۔ مضر صحت ہونے کے علاوہ ان مشروبات سے آمدنی کا وافر حصہ بیرونی کمپنیوں کو تجارتی معاہدوں کے تحت زرمبادلہ کی ضرورت میں ہمیں ادا کرنا ہوتا ہے، جو ملک کی معیشت پر بے جا بوجھ ہے۔

جسمانی فضلات کے لئے بھی پانی ناگزیر ہے۔ کچھ فضلات صرف اسی وقت جسم سے خارج ہو سکتے ہیں جب وہ پانی میں تحلیل ہو چکے ہوں۔ مثلاً پسینہ، پیشاب۔ اگر جسم میں پانی کم ہے تو کچھ زہریلے مادے جسم کے اندر رہ کر ہماری صحت کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ موسم گرما کی شدت میں پسینے کا اخراج ہمارے جسم کو نارمل رکھتا ہے۔

ہماری جسمانی نظام کی بنیاد بہت نازک اور لطیف کیمسٹری پر قائم ہے اور پانی اس توازن کو قائم رکھنے کے لئے ناگزیر ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کی تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ضرورت سے کم پانی پینے کی وجہ سے ہماری کارکردگی کم ہو جاتی ہے اور بہترین کارکردگی کے لئے کم از کم دس بڑے گلاس پانی اشد ضروری ہے۔ وہ کھلاڑی جو پانی کم پیتے ہیں وہ بہترین کھیل کھیلنے سے قاصر رہتے ہیں اور جلد تھک جاتے ہیں۔

کھلاڑیوں کے ایک گروپ کو ٹریڈمل پر ساڑھے تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑا گیا، لیکن اس گروپ کو پانی سے محروم رکھا گیا۔ یہ گروپ ساڑھے تین گھنٹے میں تھک کر چور چور ہو گیا۔ دوسرے گروپ کو بھی اسی انداز میں دوڑایا گیا، فرق صرف یہ تھا کہ اسے پانی پلایا جاتا رہا۔ یہ گروپ چھ گھنٹے تک دوڑتا رہا۔

تیسرے گروپ کے ساتھ بھی یہی حالات تھے، لیکن اس گروپ کو زبردستی اتنا پانی پلایا گیا جتنا کہ جسم نے ضائع کیا تھا۔ یہ گروپ سات گھنٹے تک دوڑنے کے بعد بھی تازہ دم تھا۔

صرف پیاس پانی کے لئے اصل جسمانی ضرورت کا پیمانہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے

کہ ہمارا جسم جتنا پانی خرچ کر رہا ہے، کم از کم اتنا پانی ہر حال میں پینا چاہئے۔ طبی تحقیقات کے مطابق عام حالات میں ہمارا جسم دس بڑے گلاس پانی یومیہ خرچ کرتا ہے۔

پانی بہترین دوا:

قدرتی طریق علاج اور یوگا میں کئی بیماریوں کا علاج صرف پانی ہے۔ یہ علاج زمانہ قدیم سے کیا جارہا ہے۔ جدید سائنس بھی پانی کی اہمیت تسلیم کرتی ہے۔ مثلاً آگ سے جلنے میں یا ڈی ہائیڈریشن میں۔

آسان زبان میں ڈی ہائڈریشن کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے جسم میں مطلوبہ پانی کی مقدار کم ہونے سے خطرے کے امکانات پیدا ہوگئے ہیں اور اگر اس کا فوری اور موثر علاج نہ کیا گیا تو موت بھی ہوسکتی ہے۔

ڈی ہائیڈریشن خود کوئی مرض نہیں ہے بلکہ کسی اور مرض کا ردعمل ہے۔ اس کا علاج نسبتاً آسان ہے۔ عموماً اسہال، قے، بخاری کی شدت، پسینے کا غیر معمولی اخراج یا کثرت بول وغیرہ کی وجہ سے ڈی ہائیڈریشن ہوتا ہے۔ بچے اور بوڑھے اس سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ ڈی ہائیڈریشن کا آغاز ہوتے ہی مریض کو فوراً پانی پلانا چاہئے۔ تھوڑا تھوڑا اور بار بار پانی پلانا زیادہ مفید ہے۔ اس بات کا انتظار نہ کیا جائے کہ مریض جب پانی طلب کرے گا تب ہی پلائیں گے بلکہ مریض کی خواہش نہ ہو تو بھی پانی پلاتے رہنا چاہئے۔

ڈی ہائیڈریشن زیادہ ہو تو پانی ابال کر ٹھنڈا کرنا چاہئے اور ہر پانچ دس منٹ پر دو تین چمچے ایک دفعہ میں دینا چاہئیں۔ ہلکے مشروب بھی دیئے جاسکتے ہیں، لیکن دودھ کی سفارش نہیں کی جاسکتی۔ پانی کو اور زیادہ موثر بنانے کے لئے ایک لیٹر پانی ابال کر ٹھنڈا کر کے، اس میں چھ چمچے شکر اور نصف چمچہ پسا ہوا نمک ملانا چاہئے۔ اس سلسلے میں تازہ ناریل کا پانی بھی مفید ہے۔

موذی بیماریوں کا علاج:

پانی بڑا شافی علاج ہے۔ خاص طور پر معدے کی بیماریوں کے لئے۔ سیانے کہتے ہیں

کہ نوے فیصد بیماریوں کا کارخانہ پیٹ ہے۔ اگر پیٹ ٹھیک ہو تو بس بیماری ختم۔ کھانے سے پہلے پانی پینا "سونا" ہے۔ درمیان میں پینا "سکہ" اور کھانے کے بعد پانی پینا "سکہ" ہے۔

جاپانی ماہرین (Japaness Sicknes Association) کی تازہ ترین سائنسی تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ سادہ پانی سے بہت سی "موذی بیماریاں" مثلاً سر درد، بلڈ پریشر، خون کی کمی، بے خوابی، جوڑوں کے درد، موٹاپا، دل کی دھڑکن کی بے ترتیبی، بے ہوشی کے دورے، کھانسی، بلغم، دمہ، ٹی، بی، سینے کی جلن، صفرا کے امراض، گیس، پیچش، قبض، بواسیر، ذیابیطس، امراض چشم، زنانہ امراض مثلاً نقائص حیض، لیکوریا، رحم کا کینسر اور ناک، کان اور گلے کے امراض پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

پانی کے استعمال کا طریقہ کار یوں ہونا چاہئے کہ صبح سویرے اٹھ کر نہار منہ ۳۱۰ گرام (چار بڑے گلاس) پانی پیا جائے اور پانی پینے کے ۴۵ منٹ بعد تک کچھ کھانا پینا نہیں ہے۔ صرف برش کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ناشتہ کریں۔ ناشتے کے بعد یا دوپہر اور رات کے کھانے کے بعد دو گھنٹے تک پانی بالکل نہ پئیں۔ رات سونے سے دو گھنٹے قبل کھانا کھائیں اور سونے سے قبل جتنا پانی چاہیں پی سکتے ہیں۔

ایسے افراد جو ناتوانی، بیماری یا صحت کی عمومی کمزور حالت میں ہوں اور بیک وقت سوا کلو یا چار بڑے گلاس پانی نہ پی سکتے ہوں، انہیں ابتداء میں ایک یا دو گلاس سے علاج کا آغاز کرنا چاہئے اور رفتہ رفتہ چار گلاس تک پہنچنا چاہئے۔

اس طریقہ علاج سے بلڈ پریشر پر ایک مہینے میں، گیس پر دو ماہ میں، قبض پر دس دن، ٹی بی پر تین ماہ، کینسر پر چھ ماہ اور ذیابیطس پر ایک ماہ میں قابو پایا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں کو مذکورہ بالا بیماریاں یا جوڑوں کے درد کی شکایت ہو وہ پہلے ہفتے میں روزانہ تین بار صبح چھ بجے، دوپہر بارہ بجے اور شام ۶ بجے اور ایک ہفتے بعد صرف صبح نہار منہ چار بڑے گلاس پانی استعمال کریں۔

علاج شروع کرنے کے ابتدائی تین دنوں میں دو یا تین بار معمول سے زیادہ پیشاب کی حاجت ہوگی، پھر سب کچھ معمول پر آ جائے گا۔

موضوع نمبر ۵۵

گوشت کو کچا کھانا اور جدید سائنسی تحقیقات

اسلام میں کچا گوشت کھانا ممنوع ہے:

اسلامی تعلیمات کی رو سے کچا گوشت یا کچی سبزی کھانا منع ہے۔ جو اچھی طرح نہ پکا ہو یا گلا ہوا اور ایسے گوشت کھانے میں نہ ہی ذائقہ محسوس ہوتا ہے نہ ہی وہ غذایت سے بھرپور ہوتا ہے۔ بلکہ کئی بیماریوں کی ابتداء کا سبب بنتا ہے اور جدید طبی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایسے گوشت میں خصوصاً گائے کے کچھ ایسے جراثیم پائے جاتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ یہ کیڑے انسانی جسم میں جگر اور دماغ تک پہنچ جائیں تو انتہائی مضر بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ (طب اسلامی اور جدید میڈیکل سائنس)

زہر خورانی سے کیسے بچا جائے؟:

طبی سہولیات کے اس جدید دور میں بھی زیر خورانی **(Food Poiooning)** ایک عام صحی مسئلہ ہے۔ اس کے دو اسباب ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی غذائی کھائی جائے۔ جسے بیکٹیریا زہر آلود کر چکے ہوں اور دوسری یہ کہ کھائی جانے والی غذا میں ایسے جرثومے موجود ہوں جو جسم میں پہنچ کر نشو ونما پانے لگ جائیں۔ زہر خورانی کی علامات بالعموم درد شکم، متلی، قے، اسہال اور بخار کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

زہر خورانی کا سبب عام طور پر سالمونیا **(Salmonoelly)** نامی بیکٹیریا بنتے ہیں اور ان کی پیدا کردہ زہر خورانی کو **(Salmonellosis)** کہا جاتا ہے۔ یہ بیکٹیریا چونکہ خوردبینی جسامت کے ہوتے ہیں۔ لہذا آپ کے لئے غذا میں ان کی موجودگی کا پتا چلانا ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانا پینا چھوڑ ہی دیا جائے۔ ماہرین صحت کے مطابق خورد ونوش

سے متعلق پانچ غلطیاں ایسی ہیں جن کی اصلاح کر کے ہم اپنی غذا کو محفوظ بنا سکتے ہیں۔

غذا کو نامناسب درجہ حرارت پر رکھنا:

بہت سے بیکٹیریا ۱۶۵ درجے فارن ہائیٹ پر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ۱۵۰ درجے سے اوپر اور ۴۰ درجے سے نیچے کے درجہ حرارت پر ان کی افزائش نہیں ہوتی، لیکن ان کے درمیان یہ تیزی سے بڑھتے ہیں۔ حرارت کے ان درمیانی درجوں پر رکھی گئی غذا زہر خورانی کا سبب بن سکتی ہے۔ ایسا عام طور پر پکنک وغیرہ پر ہوتا ہے کہ جب کھانا کافی پہلے تیار کر لیا جاتا ہے اور کئی گھنٹے یونہی بندھا حالت مں ساتھ رکھا جاتا ہے۔
اس مسئلے کا آسان حل یہ ہے کہ غذا کو گرم رکھا جائے یا بہت ٹھنڈا۔ گرم کھانے کو فریج میں رکھنے سے پہلے باہر ہی ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دینا بھی درست نہیں ہوتا۔ گرم چیز آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوتی ہے اور اس دوران بیکٹیریا کو پرورش پا جانے کا کافی وقت مل جاتا ہے۔ جبکہ فریج میں گرم غذا جلد ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔

غذا کا صحیح طرح پکا ہوا نہ ہونا:

کچا گوشت بیکٹیریا سے بہت زیادہ آلودہ ہوتا ہے۔ ایک جائزے کے مطابق پیکٹوں میں بند ۷۰ء۴۰ فیصد مرغی کے کٹے گوشت میں سالمونیلا بیکٹیریا پایا جاتا ہے۔ ۱۶۵ درجے کے درجہ حرارت پر غذا کو اچھی طرح پکانے سے تمام بیکٹیریا ہلاک ہو جاتے ہیں۔ کھانے کو دوبارہ استعمال کرنے سے پہلے اسے پھر اسی درجہ حرارت تک گرم کیا جانا چاہئے۔
پکانے کے دوران کھانے کو چکھتے رہنا بھی مضر ہو سکتا ہے۔ عموماً خواتین گوشت تیار کرتے وقت اسے اس مرحلے پر کھا کر دیکھتی ہیں۔ جو ابھی پوری طرح پکا ہوا نہیں ہوتا۔

موضوع نمبر ۵۶

حسین وجمیل عورت سے شادی اور جدید تحقیق

چار وجوہ کی بناء پر عورت سے نکاح کرنے کا حکم:

سرور عالم ﷺ نے دیندار عورت سے نکاح کرنے کی اس لئے صراحت فرمائی ہے کہ دیندار عورت زندگی کی بہترین ساتھی اور مددگار ہوتی ہے اور تھوڑی روزی پر قناعت کر لیتی ہے۔ باقی عورتیں گناہ اور مصیبت میں ڈالتی ہیں۔ سو اللہ ان سے بچائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ عورت سے نکاح چار وجوہ کے زیر اثر ہوتا ہے۔ مال، جمال، شرافت اور دینداری، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو دیندار عورت پر کامیاب ہو جا۔ نیک بیوی نہ صرف دنیا میں بہترین ساتھی ہوتی ہے۔ بلکہ اخروی زندگی میں بھی مرد کی بیوی بنتی ہے۔ بشرطیکہ مرد مومن اور متقی و پرہیز گار ہو۔ دنیاوی زندگی میں دیندار عورت اپنے نفس اور شوہر کے مال کی امین، قناعت پسند، شکر گزار، شوہر کی اولاد کی بہترین معلم، تابعدار فرمانبردار، عقلمند، سلیقہ شعار، شیطانیت کی دشمن اور احکامات الٰہی کی پابند ہوتی ہے۔ یہی وہ اعلیٰ صفات ہیں جو انسانیت اور حیوانیت میں تفریق کرتی ہیں۔

آیئے اس بارے میں یورپی ماہر نفسیات کی نئی تحقیق دیکھیں۔

حسین وجمیل عورت سے شادی اور جدید تحقیق:

شکاگو کے چوٹی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر مارون زیورین کا کہنا ہے کہ اگر آپ شادی کرنے کے خواہشمند ہیں تو کبھی کسی پرکشش اور غیر معمولی حسین وجمیل لڑکی کا انتخاب نہ کریں۔ کیونکہ خوبصورت جوڑوں اور طلاق کے درمیان تقریباً ایک طرح کا براہ راست تعلق ہے۔ ہالی ووڈ حسین لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔ مگر اس کے ریکارڈ کو دیکھیں تو بدترین

شادیاں آپ کو یہیں ملیں گی۔ یہاں آپ کو ایسے آدمی ملیں گے جن کی پانچ پانچ چھ چھ شادیاں ناکام ہو چکی ہیں۔ سیدھے سادے جوڑے محاذ آرائی سے بچنے کے لئے بہت دور دور تک چلے جاتے ہیں۔ مگر پرکشش صنف کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص اس کو پسند نہیں کرتا تو دوسرا کرے گا۔ پرکشش لوگ فالتو وقت اپنے حسن کو دیرپا بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور جسمانی حسن پر انحصار انہیں بہت ساری دوسری چیزوں سے اندھا کر دیتا ہے۔

موضوع نمبر ۵۷

نومولود بچے کے منہ میں کھجور چبا کر دینا

اور جدید سائنسی تحقیقات

نومولود بچے کے منہ میں کھجور چبا کر دینا سنت نبوی ﷺ :

بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالکؓ کی ایک روایت میں ایک صحابیہؓ کا واقعہ مذکور ہے کہ:

''جب میں نے بچہ جنا تو ابو طلحہؓ نے مجھ سے کہا کہ تم اس کو لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس جاؤ اور انہوں نے ساتھ میں کھجور بھی بھیج دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کھجوروں کو چبا کر نرم کیا اور اسے بچے کے منہ میں ڈالا اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔''

بخاری اور مسلم کی ایک اور روایت میں جو کہ حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے، مذکور ہے کہ میرا ایک لڑکا ہوا تو میں اس کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور ایک کھجور چبا کر اس کے منہ میں ڈالا۔

یہ معلم انسانیت حضور ﷺ کا معمول اور سنت تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ طبی تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ کھجور میں مٹھاس کی ایک اعلیٰ مقدار موجود ہوتی ہے۔ جس کا تناسب ۷۰ تا ۸۰ فیصد کے درمیان ہوتا ہے اور اس میں فرکٹوز اور گلوکوز کی مٹھاس بھی ہوتی ہے جو کہ انسانی جسم و دماغ کو بنیادی غذا و طاقت عطا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھجوریں پروٹین کا تناسب ۲۲ فیصد، وٹامن اے، وٹامن بی ۱، وٹامن بی ۲، نیکوٹین ایسڈ نیز دیگر معدنی نمکیات مثلاً پوٹاشیم، سوڈیم، کیلشیم اور لوہا وغیرہ بھی موجود ہوتے ہیں۔ جن میں پوٹاشیم کی مقدار سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

کھجور میں غذائیت کی موجودگی اور ان تمام خوبیوں ہی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے رمضان شریف میں روزہ داروں کو کھجور سے افطار کرنے کی تاکید کی ہے تاکہ اس میں موجود غذائی فوائد روزہ داری کی کمزوری اور بھوک کے اثر کو فوراً زائل کرسکیں۔ کھجور کی اس غذائیت کے پیش نظر حضور ﷺ نے فرمایا ''اس گھر والے کبھی بھوکے نہیں رہ سکتے۔ جس میں کھجور موجود ہو۔'' (مسلم)

ولادت کے وقت بھی کھجور بہت موثر اور مفید ثابت ہوتی ہے۔ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''پھر اسے دردزہ ایک کھجور کی جڑ میں لے آیا، اس نے کہا اے افسوس میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور میں بھولی بسری ہو جاتی، پھر اس نے نیچے سے پکارا کہ تو غم نہ کر تیرے رب نے نیچے سے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے اور تو کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا، تجھ پر پکی تازہ کھجوریں گریں گی، سو تو کھا اور آنکھ ٹھنڈی کر۔ (۲۲۔۲۶)

ولادت کا عمل چونکہ نہایت سخت اور درد انگیز ہوتا ہے اور اس میں غذائی طاقت و حرارت اور ایک ایسے مواد کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ خون کے بہاؤ میں تخفیف کر سکے۔ ہذا یہ تمام خوبیاں اور خصوصیات کھجور کے اندر ملتی ہیں۔ جس کا اشارہ مذکورہ بالا آیت سے بخوبی ہو رہا ہے۔ نومولود بچے کے منہ میں کھجور ڈالنے کے بعد حضور ﷺ نے جس عمل کی طرف ترغیب دلائی ہے وہ ہے ولادت کے اولین دنوں میں (ساتویں دن) بچے کی ختنہ کرنا ہے، ختنہ بھی درد اور تکلیف سے خالی نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ چبائے ہوئے کھجور کے ذریعے اس درد اور تکلیف میں بھی تخفیف ہوتی ہے۔

طب نبوی کا اعجاز یہی نہیں رک جاتا بلکہ حضور ﷺ نے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلانے کی جو تاکید کی ہے وہ بھی طبی فوائد سے خالی نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان طب نبوی کا ایک معجزہ ہے۔ کیونکہ رضاعت سے جس قدر بچہ مستفید ہوتا ہے اور غذائی طاقت حاصل کرتا ہے۔ اسی قدر ماں کے لئے بھی رضاعت مفید اور سودمند ثابت ہوتی ہے۔ جدید طبی تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ دودھ نومولود بچوں کی بے چینی اور بے قراری میں تخفیف کرتا ہے اور بچے کو راحت و سکون دیتا ہے۔

بہر حال نومولود بچوں کے منہ میں کھجور چبا کر ڈالنا اور ولادت کے ابتدائی ایام ہی میں ختنہ کرنا یہ وہ امور ہیں جو احادیث نبوی ﷺ سے ثابت ہیں اور جدید طبی تحقیقات نے ان

کی تصدیق کردی ہے۔ عصری علوم وحقائق اور جدید طبی انکشافات آئے دن ثابت کر رہے ہیں کہ اسلام ایک حیرت انگیز طبی معجزہ ہے، جو لوگوں کی تمام نفسیاتی، جسمانی، معاشرتی اور اجتماعی امراض سے حفاظت کرتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ قرآنی آیات میں اس کے ہر پیروکار کے لئے شفا اور رحمت ہے خدائے تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمانداروں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں۔'' (بنی اسرائیل: ۸۲)

اب اس بارے میں برطانیہ کے مشہور ڈاکٹروں کی تازہ تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

نومولود بچے کے منہ میں میٹھا مادہ ڈالنے سے بچے کی تکلیف میں حیرت انگیز کمی:

برطانیہ کے شہر لیڈز کے یونیورسٹی اسپتال میں ماہر برطانوی اطباء کی ایک ٹیم نے نومولود بچوں پر چند تجربے کئے۔ یہ جاننے کے لئے کہ بچوں کا خون ٹیسٹ کرنے کے لئے انجکشن لگانے سے جو تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے بچہ روتا ہے۔ اس وقت اگر نومولود بچوں کو شکر کے محلول شوگر کے چند گھونٹ پلائے جائیں تو اس کا ان پر کیا اثر ہوگا۔ برطانیہ کے ہفت روزہ طبی مجلہ میڈیکل جنرل برٹش نے اس تجربے اور اس کے نتائج کی مکمل رپورٹ اپنے ۱۰ جون ۱۹۹۵ء کے شمارے میں ''نومولود بچوں کے درد کا ازالہ مٹھاس کے ذریعے'' کے عنوان کے تحت شائع کی ہے۔ یہ تجربہ ساٹھ نومولود بچوں اور بچیوں پر آزمایا گیا جن کی مدت حمل ۳۷ تا ۴۲ ہفتوں کے درمیان تھی اور ان کی عمریں ایک سے چھ دن تک کی تھیں۔

ان ساٹھ نومولود بچوں میں سے نصف ۳۰ بچوں کے منہ میں صرف صاف پانی ڈالا گیا جبکہ بقیہ نصف بچوں کو تین قسموں میں تقسیم کردیا گیا۔ ان میں سے پہلی قسم کے بچوں کو دوملی لیٹر پانی پلایا گیا جس میں مٹھاس شوگر کا تناسب ساڑھے بارہ فیصد تھا۔ دوسری قسم کے بچوں میں یہ تناسب ۲۵ فیصد اور تیسری قسم کے بچوں میں ۵۰ فیصد تھا۔ یہ عمل انجکشن کے ذریعہ ان

بچوں سے نمونے کا خون نکالنے سے دو منٹ قبل مکمل ہو چکا تھا تاکہ ان بچوں کے خون میں بلیروبین کی نسبت کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے جس کے ذریعہ بچوں میں یرقان کے وجود کا صحیح اندازہ کیا جاتا ہے۔ جب بچے کو انجکشن لگایا جاتا ہے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ کچھ وقفہ تک روتا ہے۔ اس تجربے سے جو نتائج برآمد ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ نومولود بچوں کے منہ میں شکر کا محلول شوگر ڈالنے سے بچے کے اندر درد کا احساس کم ہو جاتا ہے اور بچے کے دل کی دھڑکنوں میں کمی واقع ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا چار اقسام کے بچوں میں سب سے اچھا نتیجہ ان بچوں کا برآمد ہوا جن کے پانی میں سکروز کا تناسب پچاس فیصد تھا۔ یعنی جس کے اندر سکروز کی نسبت سب سے زیادہ تھی۔ اس تناسب میں جتنا اضافہ ہوگا اتنی ہی تکلیف اور دل کی دھڑکنوں میں کمی ہوگی۔ بچے کی پیدائش کے بعد اس کے منہ میں میٹھا مادہ ڈالنے سے اس کی تکلیف میں حیرت انگیز کمی واقع ہوگی۔ جیسے مسکن ادویہ کے استعمال میں ہوتا ہے۔

۱۹۹۱ء میں دو اطباء پلاس اور ہوفائیر نے بھی یہ انکشاف کیا تھا کہ ۱۲ فیصد سکروز ملایا ہوا، ۲ ملی لیٹر پانی نومود بچے کو پلانے سے بچے کے اس درد میں کمی واقع ہوتی ہے جو کہ وہ اس کے خون ٹیسٹ کرتے وقت محسوس کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۹۸۹ء میں بھی بعض اطباء نے یہ انکشاف کیا تھا کہ ایسے موقعوں پر دودھ بھی بچے کی تکلیف کا احساس کم کرتا ہے۔

موضوع نمبر ۵۸

مسواک اور جدید سائنسی تحقیقات

مسواک کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ:

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اگر میں اپنی امت پر دشواری محسوس نہ کرتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔''

اگرچہ امت کی سہولت کے لئے مسواک کو ہر نماز کے وقت فرض قرار دینے سے نرمی برتی گئی ہے۔ تاہم آنحضرت ﷺ کا منشاء یہی ہے کہ ہر مسلمان دن میں پانچ بار جس طرح نماز پڑھنا ضروری سمجھتا ہے۔ اسی طرح ہر نماز سے پہلے مسواک کا اہتمام بھی اپنے اوپر لازم کر لے۔

ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئے جن کے دانت صاف نہ ہونے کی وجہ سے پیلے ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا:

''تمہارے دانت پیلے پیلے کیوں نظر آ رہے ہیں۔ مسواک کیا کرو۔''

(مسند احمد)

آپ ﷺ اکثر فرماتے:

''مسواک کیا کرو، کیونکہ مسواک منہ کی پاکیزگی اور رب تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے۔ جب کبھی حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے، مجھے مسواک کی تاکید کی۔ حتیٰ کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں مجھ پر اور میری امت پر مسواک فرض نہ ہو جائے۔'' (ابن ماجہ)

اسلام کا حکم ہے کہ روزانہ ہر شخص صبح سویرے اٹھ کر کسی کھانے پینے کی چیز کو ہاتھ نہ لگائے۔ بلکہ پہلے کم سے کم تین مرتبہ ہاتھ دھوئے اور پھر منہ صاف کرنے کے لئے مسواک

کرے اور صرف یہی نہیں بلکہ رات کو سونے سے پہلے بھی دانتوں کو صاف کرے۔

مسواک کے بے شمار فائدے ہیں۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

حدیث میں وارد ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز سے جو بغیر مسواک کے پڑھی جائے ستر گنا افضل ہے۔ مسواک کے استعمال کے کثیر فائدے ہیں:

- ...... منہ صاف کرتی ہے۔
- ...... مسوڑھوں کو قوت دیتی ہے۔
- ...... بلغم کو خارج کرتی ہے۔
- ...... منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔
- ...... صفراء کو دور کرتی ہے۔
- ...... نگاہ کو تیز کرتی ہے۔
- ...... منہ کی بدبو کو زائل کرتی ہے۔

مسواک سنت نبوی ﷺ ہے۔ علماء نے مسواک کے ستر فائدے لکھے ہیں۔
مسواک کے ضمن میں جدید سائنسی تحقیقات کیا کہتی ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

مسواک اور جدید سائنسی تحقیقات:

منہ جسم کے اندر جانے والی چیزوں کا دروازہ ہے اور دہانے کے اندر دانت، منہ کی خلعی تہہ، دانت، مسوڑھے، ٹانسلز اور Oraicavity ہوتی ہے۔ یہ سب عضوات خوراک کو یا اندر جانے والی کسی بھی چیز کو تیار کر کے، چیک کر کے اور آسان شکل میں ڈھال کر اندر بھیجتے ہیں تاکہ ہاضمے میں آسانی ہو۔ حضور پاک ﷺ نے جسم کے اس انتہائی اہم حصہ کی حفاظت کے لئے کئی ایک ہدایات بیان فرمائیں۔ جن میں کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا اور کلی کرنا بھی شامل ہے۔ اس عمل سے پہلے سے موجود یا بعد میں بننے والی غذائی Deposits دور ہو جاتے ہیں اور دانت، مسوڑھے اور منہ بہت سی بیماریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

آپ ﷺ نے مسواک کرنے کی تاکید فرمائی تھی۔ وضو کرتے ہوئے مسواک کی

جائے تو دانتوں کے درمیان موجود غذائی ذرات (پانچ مرتبہ) نکل جاتے ہیں۔ یوں یہ ذرات دانتوں اور مسوڑھوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ان ذرات کے جمع ہونے سے Dental Carries Gingivitis اور اسی قسم کی بیماریاں ہوتی ہیں۔ ڈینٹل سرجن ہر چھ ماہ بعد Scaling (دانتوں کی صفائی) کروانے کو کہتے ہیں۔ مگر حضور پاک ﷺ کے اس عمل سے دانت ہمیشہ صاف رہتے ہیں اور Scaling کی ضرورت نہیں پڑتی۔

حضور پاک ﷺ نے بہت زیادہ گرم اور چٹ پٹی چیزوں کے استعمال سے منع فرمایا۔ اسی ایک حکم پر اگر عمل کیا جائے تو منہ کے السر Pharyngito اور Stomatitis سے بچا جا سکتا ہے۔

مسواک ٹوتھ پیسٹ سے زیادہ مفید کیوں؟:

دانتوں کی صفائی اور حفاظت کے لئے مسواک کا استعمال نہ صرف مذہبی نقطہ نظر سے بڑا اہم ہے بلکہ طبی لحاظ سے بھی اس کی اشد ضرورت ہے۔ دانتوں کی خرابی بہت سی مہلک بیماریوں کا سبب ہے، جس کا تدارک صرف مسواک سے ہو سکتا ہے۔ آج کل دانتوں کی صفائی کے لئے اگرچہ برش اور ٹوتھ پیسٹ کا رواج عام ہو رہا ہے۔ لیکن مسواک کی افادیت اپنی جگہ ہے۔

مسواک نہ صرف حضور ﷺ کی سنت مبارکہ ہے بلکہ طبی تحقیقات کی رو سے بھی برش کے مقابلے میں کئی اعتبار سے فوقیت رکھتی ہے۔ مسواک سو فیصد قدرتی برش ہے جو ٹوتھ پیسٹ کا کام بھی دیتا ہے۔ نیز اسے نرم اور حساس مسوڑھوں پر بھی پھیرا جا سکتا ہے۔ اس کے ریشے دانتوں کے درمیان ہر اس جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں برش کے ریشے نہیں پہنچ سکتے۔ تازہ مسواک کے اندر جراثیم کش کیمیائی اجزاء موجود ہوتے ہیں۔ جبکہ برش کے اندر یہ خاصیت موجود نہیں ہوتی۔ مسواک ایک قدرتی دافع عفونیت ہے۔ یہ جراثیم کو ختم کرنے میں پنسلین کی طرح صلاحیت اور خاصیت رکھتی ہے۔ مسواک ساتھ رکھنا اور استعمال کرنا بہت آسان ہے جبکہ ٹوتھ پیسٹ کو ہر وقت ساتھ لئے پھرنا ممکن نہیں۔ جب بھی منہ کا ذائقہ خراب محسوس ہو مسواک کا استعمال منہ کو صاف کرتا ہے اور دانتوں کو نئی آب و تاب بخشتا ہے۔

خلال کیجئے اور منہ کی بدبو کو رفع کیجئے:

منہ کی بدبو یا گندگی دہن کا سب سے عام سبب دانتوں میں پھنسے غذائی ریشے ہوتے ہیں۔ جو صرف دانت اچھی طرح صاف کرنے سے ہی خارج ہو سکتے ہیں۔ ان کی وجہ سے جو بیکٹیریا بنتے ہیں وہی بدبو کا اصل سبب ہوتے ہیں۔

صبح کے وقت منہ سے آنے والی بدبو کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نیند کے دوران چونکہ لعاب دہن (تھوک) کی تیاری بند ہو جاتی ہے اس لئے دانت اور مسوڑھے دھل کر صاف نہیں ہوتے ہیں۔ ہمارا تھوک جراثیم کشی کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ اس لئے کھانا ضرور کھایئے۔ لیکن اس کے بعد دانت کو صاف کر کے خلال کر لیا جائے تو اس سے دانت کے درمیان موجود ریشہ یا غذا نکل جائے گی اور منہ کی بدبو ختم ہو جائے گی۔

موضوع نمبر ۵۹

غیر عورت سے اختلاط اور جدید تحقیقات

غیر محرم عورتوں کے ساتھ اختلاط کے نتائج پر اسلامی تعلیمات:

کسی غیر محرم اجنبی عورت کے ساتھ مرد کی تنہائی، بلائے بے درماں ہے، بدبختی کا نشان اور شکوک وشبہات کا سامان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے ارشادات سے دوری نے ہم پر ایسے تہہ بہ تہہ فتنے مسلط کئے ہیں۔ جیسے اندھیری رات کی تاریکیاں یکے بعد دیگرے فضاء پر چھاتی چلی جاتی ہیں۔ کتنے ہی خاندان ٹوٹ گئے اور کتنے ہی خانگی مسائل ہیں جنہوں نے اہل خانہ کو ادھیڑ کر رکھ دیا۔

حتیٰ کہ اس انسانی جماعت کو اب لفظ گھرانہ کے کسی بھی مفہوم سے ''گھرانہ'' نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ اسلام جو ایک پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لئے اپنی پوری توجہ مبذول کئے ہوئے ہے۔ اس کی اعلیٰ تعلیمات میں ہمیں ایک زریں اصول اس سلسلے میں ملتا ہے جو زوجین کی زندگی کو زیادہ سے زیادہ اطمینان بخش اور پر اعتماد بناتا ہے اور وہ اصول اجنبی عورت سے تنہائی اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

لایخلون رجل بامرأة فان ثالثها الشیطان

ہرگز کوئی شخص اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے کیونکہ پھر تیسرا ان میں شیطان ہی ہے۔

ہمارے ہاں عام طور پر لوگ ایک عجیب وغریب بے حسی اور غفلت کا شکار ہیں۔ نہ تو وہ حلال کو حلال سمجھتے ہیں نہ حرام کو حرام، حتیٰ کہ جب کوئی ناگفتنی بات ہو جاتی ہے تب منہ پیٹتے اور گریبان چاک کرتے پھرتے ہیں۔

بعض لوگ اپنے بچوں کو ڈاکٹر یا انجینئر بنانے کی خواہش میں ان کی تعلیم کے سلسلے میں

ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی لڑکیوں کے لئے مرد ٹیوٹر مقرر کر لیتے ہیں۔ وہ ٹیوٹر لڑکی کو پڑھانے کے لئے ایسی جگہ میں بیٹھتا ہے جہاں سوائے اس لڑکی کے کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ اور پھر اس کے نتیجے میں ایسے ایسے عبرتناک واقعات جنم لیتے ہیں۔ جن کے بیان کرنے سے ہی انسان شرم سے پانی پانی ہو جائے۔ بخدا میں ایسے بہت سے شواہد پیش کر سکتا ہوں۔ جن سے میرا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ اللہ کی اس مخلوق میں سب خیر ہی والے نہیں ہیں۔ ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ ٹیچر اور ٹیوٹر جن کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنے دلی جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اپنی شاگرد سے ہی اس کا غیر شریفانہ تعلق پیدا ہو جاتا ہے بلکہ بہت سے ایسے نیک و شریف لوگ بھی ہیں جو اپنی پاکیزہ طبیعت میں فرشتوں کو بھی شرما دیں، لیکن اسلامی تعلیمات اس کی مکمل روک تھام کرتی ہیں اور کسی بھی صورت میں اس کو درست نہیں سمجھتا کہ کوئی اجنبی غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت گزیں ہو۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے کہ ہم کسی شرعی تقاضے کو نبھانے کے لئے دوسرے پر شک وشبہ کو بنیاد بنائیں۔ مثلاً ایک غیر محرم مرد سے لڑکی کو تعلیم نہ دلانے کی وجہ میں ہمیں یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ صاحب اس کے کیریکٹر سے خطرہ لاحق ہے۔ ہم سیدھے سادے طریقے سے یہ کیوں نہ کہہ دیتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہ خدا کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا، واتقوا الله، ان الله شديد العقاب

جو کچھ نبی کریم ﷺ تمہیں ہدایت دیں، اسے تھام لو اور جس بات سے روک دیں اس سے باز رہو اور خدا تعالیٰ سے بے خوف نہ ہو وہ یقیناً سخت پکڑنے والا ہے۔

ایسے موقع پر تو خود پڑھانے والے کو ہی چاہئے کہ وہ احتیاط و گریز کا طریقہ اختیار کرے۔ اس سے خود اس گھرانے میں اس کی وقعت و عظمت ظاہر ہوگی اور پھر کوئی خوش ہو یا نہ ہو اس کی جان تو ایک حرام کام میں پھنسنے سے بچ جائے گی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی نصیحت:

حضرت میمون بن مہران کو نصیحت کرتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا:

''اے میمون! کسی ایسی عورت کے ساتھ جو تمہاری محرم نہیں ہے، کبھی خلوت نہ اختیار کرو، اگرچہ اکیلے میں تم اسے قرآن کریم ہی پڑھانا چاہتے ہو اور ہرگز شاہوں اور امیروں کے ساتھ نہ لگو، خواہ تم یہ سمجھتے ہو کہ انہیں اچھے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے منع کرتے رہو گے۔ اس طرح حرص و ہوس کے مارے ہوؤں کے پاس کبھی مت بیٹھو ورنہ تمہاری دل میں بھی کوئی بات ایسی پیدا ہوگی جو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے۔''

ایک طرف تو صورت یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت و مرد کا تنہائی میں یکجا ہونا دین و شریعت اور اہل تجربہ کی رائے میں ممنوع ہے اور تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ایک نوجوان آزاد اور ایڈوانس گھرانے کی اخلاق سے بے نیاز لڑکی کو خود پیغام نکاح دیتا ہے اور موجودہ گھرانے اس بات کی کھلی چھٹی دے دیتے ہیں کہ دونوں منگیتر ایک دوسرے کے ساتھ اکیلے گھومیں پھریں۔ کبھی وہ اسے کسی ساحلی مقام پر لے جائے، کبھی کسی سینما میں لا بیٹھائے، کبھی یہ آزادی یہاں تک دے دی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے سب کے سامنے مچلتے رہتے ہیں۔

پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ بعض اوقات شادی ہونے سے پہلے ہی اس قسم کے آزادانہ اختلاط سے دونوں کی دلچسپی بھی ایک دوسرے سے ختم ہو جاتی ہے اور جس مقصد کے لئے یہ آزادی دے دی تھی، وہ بھی حاصل نہیں ہوتا اور ایک دوسرے سے بیزار ہو کر یہ دونوں کسی اور تجربہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

اور اگر نوبت شادی تک آ بھی جاتی ہے تو بھی اشتیاق و رغبت کا وہ انداز باقی نہیں رہتا جو میاں بیوی کے تعلقات میں حلاوت اور مضبوطی پیدا کر دے۔ بے رغبتی، بے تکلفی کے ساتھ ظاہرداری نبھا لیتے ہیں۔

اختلاط کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ بعض اوقات کوئی عزیز دوست اپنے دوست کے گھر آتا ہے جبکہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے تو اس کی بیوی اس کے سامنے آتی ہے، اس کا استقبال کرتی ہے۔

آیئے بیٹھئے!

وہ کہاں ہیں؟

تھوڑی دیر میں آتے ہوں گے، آپ بیٹھئے جب تک وہ آئیں۔

یہ صاحب گھر میں آجاتے ہیں اور دوست کی بیوی کے ساتھ اکیلے بیٹھ جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس طریقے کی ملاقاتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ بعض اوقات ایسی صورت حال میں یہ نشست بالکل تنہائی کی نہیں ہوتی بلکہ بچے بھی آس پاس کھیلتے کودتے پھرتے ہیں، مگر وہ ایسے ناسمجھ ہوتے ہیں کہ انہیں ان معاملات کی نزاکت کا کچھ احساس نہیں ہوتا کہ اجنبی دوست اور گھر کی خاتون کے درمیان کیا معاملات ہورہے ہیں، وہ اس سے یکسر بے خبر ہوتے ہیں۔

بلکہ آج کل تو کہا جاسکتا ہے کہ کسی حد تک خبردار ہوجاتے ہیں تو بھی اس عمر میں وہ اسے کچھ غلط اور برا نہیں سمجھتے بلکہ خود اس کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہرحال ایسی بے ضرر تنہائی میں آپ کا کیا خیال ہے؟ موضوع گفتگو کیا ہوتا ہوگا؟ اس کا جواب تجربہ کار مغربی دنیا سے سنئے۔

غیر محرموں سے اختلاط اور یورپین ڈاکٹر کی ریسرچ:

یورپ کی ایک لیڈی ڈاکٹر کہتی ہے:

''میں بحیثیت ایک ڈاکٹر کے اس بات کا یقین رکھتی ہوں کہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت جو طویل اوقات ایک دوسرے کے ساتھ تنہا رہتے ہوں، ان کے درمیان کوئی ایسا تعلق پیدا ہوجائے جو شہوانیت سے محفوظ و پاک ہو اور ایسے واقعات کی کوئی انتہاء نہیں جس میں ایسی صورت میں ناگفتہ بہ واقعات پیش نہ آتے ہوں۔ میں

نے ان غیر شادی شدہ لڑکیوں میں جو عنقریب ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہوتی ہیں، اس بات کو آزمایا۔ میں نے ان میں سے بعض سمجھدار اور حساس لڑکیوں سے اس بارے میں پوچھا کہ اس حد تک نوبت کیسے آ گئی؟ تو ہر لڑکی نے میرے جواب میں یہی بتایا کہ تنہائیوں میں ضبط نہ ہو سکا۔ اسی طرح وہ تمام شادی شدہ عورتیں بھی جو اس قسم کی غلطیوں کا شکار ہوئیں یہی کہتی ہیں کہ ہم اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں۔"

اے میرے آقا ﷺ! اے میرے رہبر و رہنما! اے اللہ کے سچے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے کیا خوب فرمادیا تھا کہ:

"خبردار! کبھی کوئی مرد کسی اجنبی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا نہ ہو ورنہ اسے یا عورت کو برائی کا خیال ضرور آئے گا۔"

موضوع نمبر ۶۰

رونا اور جدید سائنسی تحقیق

سیرت نبوی ﷺ کی کتابوں میں محفوظ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

اب ہم اس موضوع کے زیادہ اہم پہلو کی جانب آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے۔ جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور کون اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے اور کون تم کو زمین میں جانشین بناتا ہے۔ یہ سب اللہ کرتا ہے۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ ہرگز نہیں، مگر تم بہت کم غور کرتے ہو۔" (سورۂ نحل۔ آیت ۶۲)

"اور جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو) میں تو تمہارے پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہئے کہ مجھ کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک راستہ پائیں۔" (سورۂ البقرہ، آیت ۱۸۶)

بے قرار اور بے چین دل کو سکون اللہ تعالیٰ کے قرب سے ہی میسر آ سکتا ہے۔ قرآنی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے کہ دعا میں عبادت ہے۔ دعا میں انسان فی الواقع اپنے مسائل، پریشانیاں اور سارے دکھڑے اللہ کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہی کارساز اور چارہ گر ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گڑگڑاتے ہوئے دعا کی جائے تو آنکھوں کے راستے دل کا غبار باہر نکل جاتا ہے اور طبیعت میں ہلکا پن آ جاتا ہے۔

بزرگان دین نے دعا مانگنے کا جو طریقہ بتایا ہے اس سے اللہ کے ساتھ قلبی تعلق بھی گہرا ہو سکتا ہے اور گداز دل اور نم آنکھوں سے طبی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ وہ مجرب طریقہ

یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے پرسکون نشست میں بیٹھ جائیں۔ ذہن کو تمام خیالات سے آزاد کر کے چند منٹ تک یہ تصور کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے ہے اور آپ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تصور قائم ہونے کے بعد دعا کریں۔ دعا کے دوران اگر اللہ کی موجودگی کا تصور غالب رہے تو ذہنی یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور خشوع وخضوع حاصل ہوتا ہے۔ جو دعا اور عبادت کا جوہر ہے۔ روحانی بزرگوں کے مطابق جب اللہ کی موجودگی کا تصور قائم ہو جائے تو دعا دہرانا شروع کریں۔ ایک ہی دعا کو بار بار دہرائیں۔ اس سے طبیعت میں گداز پیدا ہوتا ہے۔ یکسوئی بڑھے گی تو آنکھیں نمناک ہو جائیں گی اور مزید یکسوئی قائم ہونے سے آنسو کے سوتے پھوٹ پڑیں گے۔

اللہ کے برگزیدہ بندے اور اولیاء کرامؒ حب الٰہی کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہوئے اللہ کی محبت کے غلبے سے ان کے دل نرم اور آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ آیئے ہم بھی اسی نہج پر اپنی عبادات اور دعاؤں کو سجا کر دیکھیں۔ اس کے روحانی اور جسمانی بے شمار فائدے ہیں جو آپ پر آشکار ہونے کے لئے بے قرار ہیں۔

رویئے اور دماغ کا بوجھ اتار پھینکئے:

کچھ عرصہ پہلے یہ تحقیق سامنے آئی تھی کہ خوب ہنسنے، لطیفے سننے اور سنانے، مزاح پڑھنے اور مزاحیہ پروگرام دیکھنے سے پستی دور بھاگتی ہے اور عمر بڑھتی ہے۔ اب امریکہ میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا تعلق رونے سے ہے۔ آنسوؤں کی اس داستان نے امریکہ میں تہلکہ مچا دیا ہے اور مصنف نے اپنی تصنیف میں دعویٰ کیا ہے کہ آنسو پستی (ڈپریشن) کے لئے بہترین دوا کا کام کرتے ہیں۔ آپ اپنے چہرے کو اشکوں سے جس قدر تر کریں گے اسی قدر آپ پستی سے چھٹکارا پاتے جائیں گے۔ ان دونوں تحقیقی کاوشوں کو پیش نظر رکھئے تو اس شعر کا لطف آ جائے گا:

ہنسے تو خوب ہنسے روئے بھی تو جی بھر کے
یہی سبیل تھی دل کی لگی بجھانے کی

اشکوں کی داستان کے مصنف کہتے ہیں کہ بچے کا اپنی ماں اور دوسرے لوگوں سے پہلا رابطہ رونے کے ذریعے سے ہی ہوتا ہے۔ بڑے ہوکر انسان کی فطرت تو نہیں بدل جاتی۔ بڑا ہونے کے بعد بھی جب ہم بچوں کی طرح روتے ہیں تو ہمیں وہی سکون ملتا ہے جو بچپن میں ملتا تھا۔

سائنس دانوں نے تحقیق کے بعد آنسوؤں کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ ان تینوں قسم کے آنسوؤں میں مختلف ہارمون اور کیمیائی اجزاء ہوتے ہیں۔ پہلی قسم ان آنسوؤں کی ہے جو آنکھ کو نمی دیتے ہیں اور ڈھیلوں کو تر رکھتے ہیں۔ دوسری قسم ان آنسوؤں کی ہے جو پیاز کاٹتے وقت یا مرچیں لگنے سے بہہ نکلتے ہیں اور تیسری لیکن اہم ترین قسم وہ آنسو ہیں جن کے محرک ہمارے جذبات ہوتے ہیں۔ خوشی کے آنسو، غم کے آنسو یا تشویش کے باعث نکلنے والے آنسو۔ آنسوؤں کی یہی قسم ہے جو سائنس دانوں اور تحقیق کاروں کی توجہ کا مرکز ہے۔ اپنی کیمیائی ترکیب کے لحاظ سے یہ آنسو اس نمی یا رقیق مادے سے مختلف ہوتے ہیں جو عام طور پر آنکھوں میں پایا جاتا ہے۔

ایک مغربی سائنس دان کا دلچسپ تجربہ:

ایک مغربی سائنس دان نے یہ دلچسپ تجربہ کیا کہ کچھ لوگوں کو ایک بڑی دردناک فلم دکھائی۔ ان میں سے جن لوگوں پر رقت طاری ہوئی ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے آنسوؤں کو ٹیسٹ ٹیوب میں محفوظ کرلیں۔ پھر ان سے پیاز کٹوائی گئی اور کہا گیا کہ آنکھ میں مرچیں لگنے سے جو آنسو نکلیں انہیں بھی ایک الگ ٹیسٹ ٹیوب میں محفوظ کرلیں۔

دونوں آنسوؤں کو موازنہ کیا گیا تو ان کی کیمیائی ترکیب میں بڑا فرق پایا گیا۔ جو آنسو دردناک فلم دیکھ کر بہے تھے ان میں پیاز والے آنسوؤں کی بہ نسبت ایسی پروٹین کی مقدار پچیس فیصد زیادہ تھی جس کا تعلق دباؤ سے بتایا جاتا ہے۔ ان میں مینگانیز کی مقدار بھی بہت پائی گئی۔ مینگانیز دماغ میں زیادہ بڑھ جائے تو پستی کا سبب بنتی ہے۔ ان آنسوؤں میں ایک ایسے ہارمون کی سطح بھی زیادہ تھی جو دباؤ کی واضح نشان دہی کرتا ہے۔ رونے سے یہ مضر صحت پروٹین، مینگانیز اور ہارمون بہہ نکلے اور بظاہر اس وجہ دماغ کا بوجھ کم ہوگیا۔ یہ تو

تھی ایک سائنس دان کے تجربے کی بات اور اب پھر اشکوں کی داستان کی مصنف کے مشاہدات کی طرف آیئے۔

مصنف کے مطابق بعض دیگر تحقیقی مطالعوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحت مند لوگ زیادہ روتے ہیں، لیکن انہیں معدے اور آنتوں کی بیماریاں بہ شمول ورم قولون اور زخم معدہ سے کم واسطہ پڑتا ہے۔

رونے پر ماہر نفسیات کی تحقیق:

ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ رونے سے تناؤ میں کمی آتی ہے۔ جبکہ جذبات کو دبانے سے متعدد مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ مثلاً پستی اور مرض قلب۔ جو لوگ اپنی مصیبت، تکلیف اور غم کی حالت میں دل کھول کر رو لیتے ہیں انہیں اپنی ذہنی کیفیت کو معمول پر لانے میں مدد ملتی ہے، لیکن بقول مصنف مگرمچھ کے آنسو بہانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، ان سے نہ دماغ کا بوجھ ہٹتا ہے اور نہ دل ہلکا ہوتا ہے۔ جو لوگ محض دوسروں کو دکھانے کے لئے آنسو بہاتے ہیں ان پر الٹا اثر ہوتا ہے۔ یعنی دباؤ کم ہوجانے کے بجائے بڑھ جاتا ہے۔

آنسوؤں پر امریکی ڈاکٹر کی تحقیق:

آنسو بنیادی طور پر دو قسم کے ہوتے ہیں یا دو کیفیات کے تحت آنکھوں سے جھڑی لگتی ہے۔ ایک آنسو اس وقت نکلتا ہے جب آپ کو چوٹ لگ جائے یا زخم وغیرہ آجائے' ر دوسرا آنسو اس وقت آنکھوں سے بہہ نکلتا ہے جب آپ کو جذباتی طور پر ٹھیس پہنچتی ہے۔ ایک امریکی ماہر نے جذباتی آنسو میں کم از کم دو ایسے ہارمون دریافت کی ہیں جو اگر آ سو کے ذریعے بہہ نکلیں تو آدمی کی طبیعت ہلکی ہوجاتی ہے اور اس کے دل سے بوجھ اتر جاتا ہے۔ اگر ان آنسوؤں اور غم کو ہلکا کرنے کے سبب کو روکنے کی کوشش کی جائے تو اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے جسم میں موجود قدرتی میکانکی نظام پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ آنسو کے ذریعے ہم اپنی اداسی اور مایوسی کو بھی جسم سے باہر خارج کردیتے ہیں۔

ہمارے آنسو، ملبومین گلینڈز میں بنتے ہیں۔ جب آپ کسی تکلیف میں مبتلا ہوں یا کسی جذباتی صدمے سے دوچار ہوں تو ملبومین گلینڈز آنسو سے بھر کر پھول جاتے ہیں۔ اس طرح پھولنے سے آنکھ میں معمولی اور غیر مضر سوزش سی پیدا ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے آنکھ کے عضلات میں سکڑاؤ پیدا ہوتا ہے اور پپوٹے جھپکنے کی رفتار کچھ بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح آنسو تھیلیوں سے باہر آ کر جمع ہونے لگتے ہیں اور آنکھوں کے کنارے بھیگ جاتے ہیں۔ آنکھ کا تیزی سے جھپکنا کئی دوسرے فوائد بھی پہنچاتا ہے۔

بالائی پپوٹا کار کے ونڈ اسکرین وائپر کی مانند ہوتا ہے جو قرنیہ سے آنسو کی نمی کو صاف کرتا رہتا ہے تاکہ آپ کی بصارتی صلاحیت میں کمی نہ آئے۔ نمی کی جو معمولی تہہ اس کے باوجود بھی رہ جاتی ہے وہ فضا میں بھاپ بن کر اڑ جاتی ہے۔ یوں قرنیہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ اگر آپ اب بھی تکلیف یا جذباتی صدمہ میں مبتلا رہتے ہیں تو آنسو بننے کا عمل جاری رہتا ہے۔ چنانچہ پھر آنکھوں کے کنارے آنسوؤں کے سیلاب پر بند باندھنے میں ناکام ٹھہرتے ہیں۔

اس سیلاب کو ٹھکانے لگانے کا کام بھی آنکھوں کے جھپکنے سے انجام پاتا ہے۔ نمی کے بوجھ سے پپوٹے سکڑ کر جھپکتے ہیں تو اس کے احاطے میں موجود آنسو آنکھ کے کنارے سے قطروں کی شکل میں گالوں پر بہہ جاتے ہیں۔ آپ جتنی شدید تکلیف سے ہمکنار ہوتے ہیں اسی مناسبت سے یہ سیلاب طول پکڑتا ہے اور بالآخر دل کو سکون پہنچتا ہے اور پھر آپ ''نیر'' بہانے کا سلسلہ موقوف کر دیتے ہیں۔

بیشتر اوقات میں یہ سارا کام ایک خودکار نظام کے تحت ہوتا ہے کہ آپ کسی تکلیف میں مبتلا ہیں اور اس کو دبانے پر ناکام ہو جاتے ہیں تو آنکھوں کے سوتے پھوٹ پڑتے ہیں۔ یہ ایک صحت مندانہ عمل ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر جان ٹفی کہتے ہیں کہ:

> ''رو لینے کے بعد انسان خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔ مطالعہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ۸۵ فیصد خواتین اور ۷۳ فیصد مرد حضرات غم و غصہ سے نجات کے لئے رو لیتے ہیں اور خود کو تناؤ سے آزاد محسوس کرتے ہیں۔''

جبراً آنسوؤں کوروکنا نقصان دہ ہے:

سائنس بتاتی ہے کہ آنسو بہانے اور رونے سے غم کم ہوتا ہے۔ آنسو بھی قدرت کا عظیم تحفہ ہے۔ جدید تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ رونا بھی ہنسی کی طرح علاج غم ہے۔ اس سے نا صرف انسان کے دل کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے بلکہ آنکھوں میں نمی کی کمی بھی پوری ہوجاتی ہے اوران کی صفائی بھی ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ مایوسی اور محرومی کے احساس کوختم یا کم کرنے کا ایک بہترین اورآسان ذریعہ بھی ہے۔

بعض لوگ دل کے بہت نرم یا چھوٹے ہوتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں خصوصاً اکثر خواتین رونے دھونے میں نمایاں شہرت رکھتی ہیں اور یہ بہتر بھی ہے۔ بعض لوگ کسی ناگہانی غم میں ایسے مبہوت ہوجاتے ہیں کہ آنکھوں میں ایک آنسو اور منہ سے ایک آہ تک نہیں نکلتی، لیکن کھانا پینا، سونا، اٹھنا، بیٹھنا سب مفلوج ہوجاتا ہے۔ ایسے میں ڈاکٹرز مشورہ دیتے ہیں ان کو کسی طرح رونے پر مجبور کردیں تا کہ دل کا بوجھ اتر سکے۔

پریشان لوگوں کے لئے مشورہ رونے کا:

بعض لوگ رونے کو کسر نفسی خیال کرتے ہیں اور حالات وواقعات کتنے ہی تکلیف دہ ہوجائیں، جسم کے اندر کتنے ہی تغیرات رونما ہوجائیں اور ذہن و دماغ پر کتنا ہی بوجھ پڑجائے وہ خودکو جبراً رونے سے روکتے ہیں۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ ایسا جبراً کرنا درست نہیں۔ معمولی حدتک خود پر قابو پالینا درست ہے مگر بلڈ پریشر کم یا زیادہ ہونے لگے۔ جسم کا ٹمپریچر اور نبض کی رفتار بڑھ جائے، دل کی دھڑکن تیز ہونے لگے تو اس غم کو آنکھوں کے رستے نکال دینا ہی دانشمندی کا تقاضا ہے۔

موضوع نمبر ۶۱

علم حاصل کرنا گود سے گور تک اور جدید تحقیق

علم کے حصول کی نبوی اہمیت اور ایک پروفیسر کی تحقیق:

معزز قارئین! علم کے بارے میں جتنی اہمیت رسول اللہ ﷺ نے بتلائی ہے، یقین جانئے اتنی اہمیت کسی اور نے نہیں بتائی۔ ہم ایک دفعہ کورس کر رہے تھے اس کا موضوع تھا Effective Manager اور انگلینڈ کے Mr. Borrodi اس کورس کے ٹیچر تھے جو ایک ہی وقت میں کئی یونیورسٹیز میں Visiting پروفیسر تھے۔ کیلیفورنیا کی یونیورسٹی، انگلینڈ یونیورسٹی، جرمنی کی یونیورسٹی اور ہالینڈ کی یونیورسٹی، اتنا قابل اور ماہر بندہ ہمیں لیکچر دے رہا تھا۔ لیکچر کے دوران انہوں نے علم کے بارے میں بات کی اور بات کرتے کرتے کہنے لگے کہ ہمارے سائنس دانوں نے آج یہ بات محسوس کی ہے کہ آدمی کو صرف طالب علمی میں ہی پڑھنا پڑتا ہے بلکہ اپنے Profession (پیشہ) میں بھی آ کر پڑھنا پڑتا ہے۔ گویا ساری زندگی پڑھنا پڑتا ہے۔ اس نے یہ بات بڑے نخرے سے کی جیسے کوئی بڑی ریسرچ والی بات کی ہو۔ جب اس نے یہ بات کی تو میں کھڑا ہوا۔ میں نے کہا کہ میں تمہیں اپنے آقا ﷺ کی ایک حدیث سنا دوں۔ اس نے کہا ضرور سناؤ۔ میں نے یہ حدیث سنائی کہ علم حاصل کرو پنگھوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک۔

جب میں نے یہ حدیث سنائی تو یقین کیجئے کہ اس نے لیکچر موقوف کیا، اپنا بریف کیس کھولا، اپنی ڈائری نکالی اور مجھے کہتا ہے کہ آپ یہ حدیث مجھے لکھوا دیں۔ میں آئندہ اپنے لیکچر میں یہ حدیث پڑھ کر لوگوں کو سنایا کروں گا کہ چودہ سو سال پہلے مسلمانوں کے نبی اکرم ﷺ نے علم کی اتنی اہمیت بتلائی ہے۔ سبحان اللہ۔ (از مولانا ذوالفقار دامت برکاتہم)

موضوع نمبر ۶۲

صحت پر فکر و خیالات کے اثرات

اور جدید سائنسی تحقیقات

ہشاش بشاش اور خوش رہنے کے بارے میں نبوی ﷺ ارشادات:

❁...... نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''سیدھے سادھے رہو، میانہ روی اختیار کرو اور ہشاش بشاش رہو۔ (مشکوٰۃ)

❁...... حضرت عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ:

''میں نے نبی ﷺ سے زیادہ کسی کو مسکرانے والا نہیں دیکھا۔''

❁...... نیز آپ ﷺ نے مصائب پر صبر کرتے ہوئے غم میں مبتلا نہ ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔ غزوۂ احد میں شہید ہونے والوں کے گھر سے نوحہ و بین کی آوازیں آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نوحہ کرنے والیوں کے منہ میں خاک بھر دو۔

احادیث سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ ہماری صحت پر دنیاوی فکر اور ذہنی دباؤ کے مضر اثرات پڑتے ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ نے دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب دی اور زندگی کے آنے والے مسائل کو اللہ پر چھوڑنے کا کہا اور مغربی ماہر نفسیات نے بھی لمبی عمر کا راز ہشاش بشاش رہنے اور فکر و غم سے دور رہنے میں بتایا ہے۔ یہ آپ ﷺ کے فرمان کی حقانیت کی علامت ہے۔

ذہنی دباؤ سے دور رہیں:

جن بچوں کے والدین ذہنی دباؤ کا شکار رہتے ہیں وہ بڑے ہو کر دل کی بیماریوں کا

شکار ہو جاتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق اگر والدین کو بلڈ پریشر ہو تو صورتحال اور بھی زیادہ خطرناک ہو سکتی ہے۔ ایسے والدین کے بچے تناؤ کی کیفیت کا بہتر طور پر مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا والدین ذہنی دباؤ سے دور رہیں۔

جسمانی صحت پر فکر و خیالات کے مضر اثرات:

انسانی جسم اپنی بنائی ہوئی پیچیدہ سے پیچیدہ اور حساس مشینوں سے بھی کئی گنا زیادہ پیچیدہ اور حساس ہے۔ اس پر گرمی، سردی کا اثر ہی نہیں پڑتا کہ گرمی لگے تو پسینہ آ جاتا ہے یا سردی ہو تو دانت بجتے اور چھینکیں آنے لگتی ہیں بلکہ انسان کے خیالات، اعتقادات اور رجحانات اور اس کے خاندانی اور سماجی حالات، اپنوں کی محبت، نفرت، تائید و حمایت، مخالفت و مخاصمت سے اس کا جسم اور اس میں واقع کئی نظام اپنے ردعمل کا پوری شدت کے ساتھ اظہار بھی کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے انسانی جسم میں واقع مختلف غدود اپنی مخصوص رطوبات (ہارمون) تیار کرنے لگتے ہیں۔

دماغ میں واقع عصبی ٹرانسمیٹر ز جاگ جاتے ہیں اور ان سے نکلنے والے کیمیائی پیام رساں ہماری خیالات کے درمیان پیغامات کا تبادلہ کرنے لگتے ہیں۔ یوں ہمارے کئی جسمانی اعمال و افعال کی کارکردگی و سرگرمی پر ان کی حکمرانی اور گرفت ہو جاتی ہے۔

ذہن اور صحت کا تعلق:

تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ذہن اور صحت کا بڑا گہرا باہمی تعلق ہوتا ہے۔ دباؤ کی حالت میں اس پر قابو رکھنے کی کوشش اور احساس کے ذریعے سے دباؤ کے باعث پیدا ہونے والے نقصان دہ کیمیکلز کو جسم کو نقصان پہنچانے سے روکا جا سکتا ہے۔ اپنی فکر میں وسعت پیدا کرنے اور ذہنی کیفیت کو تبدیل کر دینے سے ہم میں مرض کا مقابلہ کرنے کی طاقت توانا اور مستحکم ہو سکتی ہے۔ اسی لئے زمانہ قدیم سے تبدیلی آب و ہوا اور خوشگوار ماحول میں رہنے کا مشورہ اور اس پر عمل درآمد کو مریض کے لئے مفید سمجھا جاتا ہے۔ ماحول کی

خوشگوار تبدیلی سے مریض کے لئے مرض کا مقابلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کے برخلاف بے بسی اور بے چارگی سے ہمارے جسم کا نظام مدافعت کمزور ہو جاتا ہے اور مرض سے مقابلہ کرنے کی ہماری صلاحیت گھٹ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر یہ خیال غالب رہے کہ ہم میں مرض اور دباؤ کا مقابلہ کرنے کی طاقت ہو بلکہ یہ یقین بھی ہو کہ ہم ضرور اس مرض پر قابو پالیں گے تو اس سے قوت مدافعت کو بڑی توانائی ملے گی۔ مسلمانوں کا یہ ایمان کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ یعنی اللہ تعالیٰ مجھے شفا عطا کرتا ہے، اسے سخت سے سخت مرض سے جاں بر کر دیتا ہے۔ آج بھی اپنا پختہ یقین رکھنے والے سرطان تک کے سخت سے سخت مریض شفایاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف مایوسی، خوف اور ناامیدی کے شکار افراد کی شریانیں سخت ہو کر مرض قلب کا سامان کرتی ہیں۔

ذہنی دباؤ پر ایک ماہر نفسیات کی تحقیق:

ماہر نفسیات مارگریٹ اور اس کی جماعت کی تحقیق کے مطابق تناسلی نملہ (Genital Herpes) کے جو لوگ ذہنی دباؤ اور کرب کے مریض بھی ہوتے ہیں، ان میں اس مرض کے علامات زیادہ شدید پائے گئے۔ اس تحقیقی جماعت نے یہ نتائج اس مرض کے ۳۶ افراد کے گہرے مطالعے کے بعد حاصل کئے ہیں۔ تحقیق کے دوران یہ بھی دیکھا گیا کہ پستی (ڈپریشن) کے مریض افراد کے جسم میں خلیات کو زہریلے اثرات سے محفوظ رکھنے والے ٹی خلیات کی سطح بھی کم رہتی ہے۔ یہ کیفیت فکر و پریشانی، عداوت اور دائمی تھکن کے شکار افراد میں بھی ہوتی ہے۔

پریشانی سے بیکٹیریا اور دیگر وائرس بھی بڑھ جاتے ہیں:

تازہ تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ منفی انداز فکر اور پستی و مایوسی کی وجہ سے جسم میں خوابیدہ بیکٹیریا اور وائرس بھی جاگ کر سرگرم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ان کیفیات کے پیدا ہونے کے بعد منہ میں موجود رہنے والی بیکٹیریا فعال ہو جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے منہ میں سیاہ رنگ کے آبلے بننے لگتے ہیں۔ اس تکلیف میں منہ کے ریشے اور بافتیں ختم ہونے لگتے

ہیں۔ اسی طرح امتحان کی وجہ سے پریشان دماغ افراد پستی کے شکار ہوتے ہیں تو ان کے منہ سے بدبو زیادہ آنے لگتی ہے اور جب ان کا نظام مدافعت مزید کمزور ہوجاتا ہے تو ان کے منہ میں بھی آبلے بن جاتے ہیں۔

یہ بھی ثابت ہے کہ دانتوں میں کھوڑ یا سوراخ کرنے والی بیکٹیریا دباؤ اور پریشانی میں زیادہ ہوجاتے ہیں اور جب پریشانی دور ہوجاتی ہے تو ان کی تعداد گھٹ جاتی ہے۔

۱۹۷۷ء میں روجر کلے من اور اینڈریو شیلے کو یہ ثابت کرنے پر نوبل انعام دیا گیا کہ دماغ کس طرح کیمیائی پیام رسانوں کے ذریعے سے جسم کو احکام دیتا اور کنٹرول کرتا ہے۔ ان دونوں سائنس دانوں نے اپنے اپنے طور پر ان نہایت مختصر سالموں کو الگ کیا جو دماغ کے زیر عرشہ (ہائپو تھیلےمس) میں بن کر غدۂ نخامیہ (پیچوٹری گلینڈ) میں پہنچ کر غدۂ درقیہ (تھائرائیڈ گلینڈ) غدۂ برگردہ (ایڈرے نے لن گلینڈ) جنسی غدود (گوناڈز) اور ہماری بڑھوتری کو متاثر کرتے ہیں۔

ذہنی دباؤ کو ذہانت سے قابو میں رکھیئے:

ہم ابتداء میں دباؤ کا سبب بننے والی ہارمون، کارٹیسول اور کیٹے کولا مین کا ذکر کرآئے ہیں۔ آرام اور انبساط کی حالت میں ان کی سطح بھی کم ہوجاتی ہے، کیونکہ جب اس کیفیت میں تفریح اور لطف انگیز ورزشیں کی جاتی ہیں تو جسم کا دماغی نظام اس کی سطح کو کم کردیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا کہ ہر وہ کام جو ذہنی راحت وسکون کا باعث بنے، دباؤ اور فکر وتشویش کو کم کرکے جسم کو مستحکم اور صحت مند رکھتا ہے۔ ان میں توجہ اور لگن کے ساتھ ادا کی جانے والی عبادات، ذکر اور کھلی ہوا میں کی جانے والی ورزشیں بھی شامل ہیں۔

دواؤں سے زیادہ یہ تدابیر مفید اور دیرپا اثرات کی حامل ثابت ہوتی ہیں۔ دباؤ سے کوئی بچ نہیں سکتا، لیکن اس کا مقابلہ ہر انسان کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ ذہانت سے اسے قابو میں رکھنے کا گر جانتا ہو۔

موضوع نمبر ۶۳

عشق ومحبت کی شادیوں کے نقصانات

اور جدید تحقیق

اسلامی تعلیمات کی رو سے نکاح سے پہلے لڑکے اور لڑکی کا اختلاط کرنا ایک دوسرے سے محبت کے دعوے کرنا یہ فعل سخت گناہ سمجھا جاتا ہے۔اور محبت کی شادی کئی گناہوں کے پیدا ہونے کا سبب بھی بنی ہے۔اکثر لڑکا لڑکی اس میں ایک دوسرے کی محبت کا دعویٰ اور ساتھ جینے مرنے کے دعوے بھی کرتے ہیں۔لیکن آپس میں ایک دوسرے کی خامیاں دیکھ کر، مطلب پورا کر کے ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔

حضور ﷺ کے دور میں بڑے بوڑھے بچوں کا رشتہ طے کرتے اور فوراً شادی کرادیتے اور وہ شادیاں کامیاب بھی ہوتی تھیں۔موجودہ دور کی تحقیق کی مطابق محبت اور خود پسندی کی کی ہوئی اکثر شادیاں ناکام ہوتی ہیں۔محبت سے کی گئی شادیوں میں بدنظری اور نامحرم سے اختلاط اور باہم میل جول اور قربت جو کہ اسلام میں منع ہے ان کا کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔

ذیل میں ہم محبت کی شادیوں کے نقصانات پر واقعات اور حقائق بیان کرنے کے بعد چند سائنسی تحقیقات پیش کریں گے۔ملاحظہ فرمائیں۔

محبت کی شادی کا ایک دردناک انجام:

کچھ عرصہ پہلے اخبارات میں خبر چھپی تھی کہ کراچی میں ایک نوبیاہی دلہن نے زہریلی دوا پی کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا۔تفصیلات کے مطابق دلہن اور اس کا شوہر دونوں ایک ساتھ دفتر میں کام کرتے تھے جس کے دوران ان کے خفیہ تعلقات پروان چڑھے اور محبت

کی دیوی نے ان دونوں کو اپنی گرفت میں لے کر انہیں ایک کر دیا۔ یعنی ان کی شادی کر دی۔ خاندان والوں نے انہیں اس حرکت پر گھر سے نکال دیا اور وہ سب سے الگ ہو کر علیحدہ رہنے لگے۔

کچھ عرصے بعد جب خاندانی رنجشیں ختم ہوئیں تو یہ دونوں میاں بیوی ایک بار پھر لڑکے کے والدین کے گھر منتقل ہو گئے۔ لیکن بعد میں لڑکی کے سسرال والوں (نندوں، دیوروں اور ساس) نے لڑکی پر دو الزامات لگانے شروع کئے۔ یعنی یہ کہ اولاً وہ گھر سے بھاگ کر آئی ہے اور دوئم وہ اپنے ساتھ جہیز لے کر نہیں آئی۔

طعنوں اور تشنوں کا یہ دباؤ لڑکی پر بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ وہ اس دن کو کوسنے لگی جب اس نے کسی اجنبی مرد سے آشنائی کی تھی۔ بالآخر محبت کے اس بظاہر ''خوشگوار'' سفر کا انجام لڑکی کی اس افسوسناک خودکشی پر ہوا۔ لڑکی جو زمانے بھر کی مخالفت مول کر گویا ''بہادری'' کا مظاہرہ کر چکی تھی، سسرال کے طعنوں اور طنزیہ جملوں کا یہ دباؤ برداشت نہ کر سکی اور معاشرے کے آگے اپنی جان ہار دی۔ ایک ''خوشگوار'' آغاز کا یہ ایک بہت ہی ''دردناک'' انجام تھا۔

اسلامی معاشرے میں محبت کی شادیاں کبھی پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھی گئیں۔ دوسری جانب اخلاقی لحاظ سے بھی یہ امر ہرگز سراہے جانے کے لائق نہیں ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں تنہائیوں میں، پارکوں، سڑکوں اور گاڑیوں میں ایک دوسرے کی بہت قربت حاصل کریں۔ ذومعنی جملے ادا کریں، ایک دوسرے کے جسموں کو ہاتھ لگائیں اور ہوٹلوں اور سمندروں پر دنیا جہاں سے بے نیاز اپنے مستقبل کے بارے میں عہد و پیمان کریں۔

جب جذبات طاری ہوں اور محبت اپنے گل کھلا رہی ہو تو نوجوانوں کا اندھا ہونا اور عقل وخرد کو حقارت سے دیکھنا ایک فطری سی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان جذباتی و تاریک راہوں میں نوجوان جوڑے گناہ کبیرہ کا بھی ارتکاب کر جاتے ہیں۔ جس کے بعد ان کے لئے بس پچھتاوا ہی پچھتاوا باقی رہ جاتا ہے۔ پھر اگر ان کا دل چاہتا ہے تو شادی کر لیتے ہیں ورنہ کم از کم لڑکی تو زندگی بھر اپنی قسمت کو کوستی رہتی ہے۔

کتنے دکھ کی بات ہے کہ اجنبی لڑکے اور لڑکیاں ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی گھر

سے فرار ہو جاتے ہیں اور پھر بھاگ کر کسی تیسرے دوست کے گھر میں پناہ لیتے ہیں، جبکہ اس دوران لڑکی کے والدین اپنی بیٹی کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تھک چکے ہوتے ہیں۔ تھانے میں ان کی گمشدگی یا اغواء کی رپورٹ درج کراتے ہیں اور پولیس کے زیبا و نازیبا سوالات کا سامنا کرتے ہیں۔ محلے والوں اور رشتے داروں کے سامنے ان کی ناک کٹ چکی ہوتی ہے۔ زندگی بھر کی عزت بیٹی کی ناروا حرکت کے باعث آناً فاناً خاک میں مل جاتی ہے اور وہ بے اختیار ہو کر کہہ اٹھتے ہیں کہ کاش ہم اس لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ زمین میں گاڑ دیتے۔

پھر یکا یک لڑکی اور لڑکا عدالت میں پہنچتے ہیں اور اعلانیہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ لہذا ہمیں رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے۔ لڑکی کی اس جرأت مندانہ گفتگو پر عدالت کے جج اور عملہ بھی ششدر رہ جاتے ہیں اور باہمی طور پر تبصرے کرتے ہیں۔

آخر ملیر میں ہونے والا اسماء نواب کا واقعہ جس میں اس نابکار لڑکی نے اپنے آشنا کی خاطر ماں، باپ اور بھائی تینوں کو ایک ساتھ قتل کروادیا تھا، کون بھول سکے گا؟ گزشتہ تین سالوں سے یہ لڑکی جیل کی سختیاں جھیل رہی ہے جبکہ ماتحت عدالت نے اسے پہلے ہی موت کی سزا سنادی ہے۔ اسماء نواب نامی وہ لڑکی نہ تو شوہر حاصل کر سکی اور نہ ہی اس کے ماں باپ زندہ رہ سکے!

گزشتہ دنوں اسلام آباد کے علاقے میں اپنے ہی گھرانے کے پانچ افراد کا اجتماعی قتل بھی محبت کے اسی کھیل کا اندوہناک انجام تھا۔ باپ نے اپنے بیٹے، بیوی اور بچوں کو اس لئے قتل کیا کہ بیٹا کسی عیسائی لڑکی سے آشنائی کرتا پھر رہا تھا اور گھر والے اس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ محبت کی شادی کے یہ انجام کتنے اندوہناک ہوتے ہیں!

محبت کی شادی اسلامی دنیا کیا سیکولر دنیا میں بھی کبھی کامیاب نہیں رہی۔ وہ لڑکی جو چھپ چھپ کر آشنائیاں کرتی پھرے، دنیا کی نظروں میں کب وہ قابل عزت رہتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ محبت کی سو فیصد شادیوں کے باوجود سیکولر دنیا میں ۴۰ فیصد سے بھی زیادہ طلاق کا رجحان پایا جاتا ہے۔

مذکورہ مضمون کی ابتداء میں ہم نے جس خبر کا ذکر کیا تھا اور جو اس مضمون کی تحریر کا سبب بنا اس میں بتایا گیا تھا کہ مرنے والی لڑکی کو سسرال کی جانب سے دو باتوں کا طعنہ دیا جاتا رہا

ہے(۱) گھر سے بھاگ کر آنے کا (۲) جہیز نہ لانے کا۔

ظاہر ہے کہ لڑکیاں تو گھر سے بھاگ کر آتی ہی ہیں، لہذا یہ طعنہ تو ان کی موت کے وقت تک انہیں ملتا رہے گا۔ اس سے انہیں مفر نہیں ہے، دوئم جہیز نہ لانے کا۔ ظاہر ہے کہ ایسی لڑکیوں کو جہیز کہاں سے ملے گا؟ بدنامی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو والدین کی مال و دولت میں حصہ کیسے مل سکتا ہے؟

کتنی خوبصورت ہوتی ہے وہ شادیاں جن میں بھائی، بہن، بزرگ، احباب اور رشتے دار خوشی خوشی شریک ہیں اور کتنی اداس ہوتی ہیں وہ شادیاں جن میں بھائی، بہن، بزرگ احباب اور تمام رشتے دار کوئی بھی شریک نہیں ہوتا۔ پھر شادی ہو جائے تب بھی معاشرے بھر کے نکو تو وہ ہمیشہ کے لئے بھی بنے رہتے ہیں۔

حد یہ ہے کہ جب بچے بڑے ہوتے ہیں تو انہیں بھی اپنے ماں باپ کا یہ طرز عمل بہت برا لگتا ہے۔ کیونکہ ان بچوں کو بھی معاشرے سے محبت کی شادی کی پیدائش کا طعنہ ملتا ہے۔ گویا محبت کی یہ شادی ان کے اپنے بچوں کو بھی نفسیاتی الجھن کا شکار بنائے رکھتی ہے۔ کیا فائدہ اس محبت کا جسے بچے خود بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھیں؟

محبت کی شادی خاندانوں میں اتنی ناپسند کی جاتی ہے کہ لڑکی کو اپنے خاندان میں واپس لینے کی بجائے کبھی کبھی وہ اس فائر کر کے قتل کر دیتے ہیں۔

شادی تو وہی خوبصورت ہوتی ہے جو والدین کے باہمی مشورے سے کی جائے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مغربی معاشرے کا خمیر ہی بالکل جدا ہے۔ اس سے جو بھی فصل کٹے گی کڑوی اور زہریلی ہی ہوگی۔ کاش ہماری بہنیں اور بیٹیاں اس حقیقت کو سمجھ سکتیں۔ محبت کی شادی کے فیصلہ کو کبھی اچھا فیصلہ نہیں کہا جا سکتا۔ (از رضی الدین سید)

محبت کی شادیاں، ناکام شادیاں:

آج کل لو میرجز "Love Marriages" کا رجحان ہماری نئی نسل میں بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ہمارا الیکٹرانک میڈیا، رومانوی ناول، میگزین، بچوں کا مخلوط تعلیمی ماحول اور مغربی وغیر اسلامی تہذیبوں کی اندھا دھند پیروی ہے۔

اسلامی تعلیمات میں "Love Marriage" کا بالکل بھی تصور نہیں۔ بلکہ اسلامی تعلیمات اس کو سختی سے منع کرتی ہیں۔ ایک عورت کا غیر محرم کے ساتھ بیٹھنا منع ہے اور جہاں دو نامحرم بیٹھتے ہوں تنہائی میں، وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ اگر ''محبت'' کو شادی کی بنیاد بنائیں گے تو بہت کمزور بنیاد ہوگی۔ شادی سے پہلے تو محبت بہت عروج پر چلی جاتی ہے لیکن جو توقعات وہ ایک دوسرے سے لگاتے ہیں وہ پوری نہیں ہوتی ہیں۔ صرف شادی کے لئے ایک دوسرے کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے مگر جب شادی کے بعد جذبات کا بہاؤ کم ہوتا ہے اور کندھوں پر ذمہ داریوں کا بوجھ آن پڑتا ہے تو ایک دوسرے کی وہی غلطیاں اور کوتاہیاں جن کو پہلے نظر انداز کر دیا جاتا ہے وہ بعد میں ناقابل برداشت ہو جاتی ہیں۔ پھر بات بڑھتے بڑھتے نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔

اس کے برعکس بڑوں کی طرف سے طے کردہ شادی کے معاملات میں چونکہ مذکورہ باتیں نہیں ہوتیں، اس لئے وہ شادی بہت کم ناکام ہوتی ہے۔ جب والدین وکیل بن کر لڑکے کے لئے بہتر لڑکی اور لڑکی کے لئے بہتر لڑکا تلاش کر لیں تو اب میاں بیوی بن کر محبت و پیار سے زندگی گزارنے کے لئے راہ بالکل ہموار ہو جاتی ہے۔ چونکہ ان کے پہلے سے کوئی وعدے اور توقعات نہیں ہوتیں اور پھر جب کوئی مسئلہ درپیش ہو بھی تو دونوں فریق حالات کو خوشگوار بنانے اور سمجھوتہ کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ ہے کہ:

> ''جب کوئی بیوی اپنے خاوند کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہے اور خاوند بیوی کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں۔''

محبت کی شادیوں کی ناکامی کی بڑی وجہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کی توقعات پر پورا نہ اترنا ہے۔ یہ بات سوشل ایڈ آرگنائزیشن (SAO) شعبہ خواتین کی جانب سے کئے گئے ایک سروے میں سامنے آئی ہے۔ (SAO) کی طرف سے ''ارینج میرج'' اور ''لو میرج'' کی کامیابی کے تناسب پر کرائے گئے سروے میں پتہ چلا ہے کہ ارینج میرج کی صورت میں ناکامی کا تناسب صرف اٹھائیس فیصد ہے اور طلاق کا تناسب نہ ہونے کے برابر یعنی صرف ۰٫۷ فیصد ہے۔ جبکہ محبت کی ۸۰ فیصد شادیاں ناکام اور طلاق کا تناسب ۶ فیصد ہے۔ وجہ یہ

ہے کہ لومیرج کرنے والی جوڑوں کے خاندان بھی اختلافات کی صورت میں جوڑوں کے مابین صلح کروانے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ میاں کو اپنی مرضی کرنے کی سزا ملے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو۔ اور اگر اس جوڑے کو خدانخواستہ کوئی مسئلہ درپیش ہو تو بھی خاندان والے سردمہری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

محبت کی شادیوں میں فریقین کو ایک دوسرے سے توقعات بہت زیادہ ہوتی ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ مخالف فریق اس کے ساتھ وہی رویہ رکھے جس کا وہ شادی سے پہلے مظاہرہ کرتا تھا اور ان دعووں پر پورا اترے جس کی وہ شادی سے پہلے قسمیں کھاتا تھا۔

لومیرج کے بعد مرد روزگار کی تلاش میں اور عورتیں گھریلو کاموں میں مصروف ہوکر پہلے والا رویہ رکھنے میں ناکام ہوجاتے ہیں۔ ناقدری کا احساس بھی جھگڑے کا باعث بنتا ہے۔ لومیرج کی صورت میں میاں بیوی ایک دوسرے سے ''فرینک'' (بے تکلف) ہوتے ہیں اور وہ برابری کی بنیاد پر زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ برابری کا عدم توازن بھی اختلافات کا سبب بنتا ہے۔

ارینج میرج کی صورت میں اگر خاندانوں کے تعلقات آپس میں اچھے ہوں تو اس کا اثر جوڑوں کی ازدواجی زندگی پر بھی خوشگوار ہی ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ لومیرج کرنے والے جوڑے مشترکہ خاندانی نظام میں ایڈجسٹ نہیں ہوپاتے۔ شادی سے پہلے کی انڈراسٹینڈنگ عملی زندگی میں ناکام ہوجاتی ہے۔ کیونکہ شادی کے بعد کے مسائل دوسرے ہوتے ہیں۔

ارینج میرج کی شکل میں بھی والدین کو لڑکے اور لڑکی کی پسند کا خیال رکھنا چاہیے۔ ذہنی ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ لڑکی اور لڑکے کی حیثیت اور تعلیم میں زیادہ فرق نہیں ہونا چاہیے اور گھر والوں کو اپنی اولاد کے ذہنوں کو سمجھتے ہوئے رشتے طے کرنے چاہئیں۔'' (از ارینج میرج لومیرج گائیڈ۔ لوری میری)

ہمارے معاشرے میں بے جوڑ شادی، ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے اور زبردستی کی شادی کی وجہ سے شرح ناکامی اور طلاق روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ جو یقیناً ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ (واللہ علم بالغیب)

محبت کی شادی اور یورپی نفسیاتی ڈاکٹر کی ریسرچ:

ایک انگریز مفکر کا قول ہے کہ شادی سے پہلے محبت، محبت نہیں ہوتی۔ یہ قول ہم نے بالخصوص ان نوبیاہتا جوڑوں کے لئے درج کیا ہے جو محبت کے واسطے سے قید شریعت میں آتے ہیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ایسے رومانی جوڑے کم ہی دیرپا ہوتے ہیں۔ اس کی نفسیاتی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں بڑی چیز ہوں اور مجھ میں کوئی خاص کشش یا خوبی ہے جس نے میرے رفیق یا میری رفیقہ کو میرا بنادیا ہے۔ یہ نقطہ نظر ایک لحاظ سے بڑا قاتل ہوتا ہے۔ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ دوسرا ساتھی مجھ پر زیادہ توجہ دے۔ میری بات مانے اور میری ناز برداری کرے۔

کچھ دنوں تو یہ سلسلہ چلتا ہے، کیونکہ دونوں طرف آگ برابر لگی ہوتی ہے۔ لیکن اس آگ کے شعلے مدہم ہوتے ہی دونوں میں سے کوئی ایک ساتھی ذرا تغافل یا بے نیازی کا شعوری یا غیر شعوری اظہار کرتا ہے تو دوسرے ساتھی کا ردعمل شدید تر ہوتا ہے۔ پھر عمل اور ردعمل کا یہ ایک شیطانی چکر بن جاتا ہے۔ جس کی شدت اثر برابر اضافہ پذیر ہوتی رہتی ہے۔ خاوند بالعموم یہ بھول جاتا ہے کہ ''بیوی محبت کو امر واقعہ'' ہی نہیں سمجھتی۔ وہ برابر اس کا اظہار اور یاددہانی بھی چاہتی ہے اور بیوی خاوند کے بارے میں یہ سمجھ بیٹھتی ہے کہ ''اب یہ میرا اسیدِ زبون ہے اور میری زلف گرہ گیر سے بندھ چکا ہے۔'' یہ خیال اسے کچھ لاپرواہ اور بے نیاز کردیتا ہے۔

ہم نے اوپر نقل کیا ہے کہ شادی سے پہلے محبت، محبت نہیں ہوتی۔ محبت اور پہلی نظر کی محبت کے زیر اثر طے پائی ہوئی شادیاں بیشتر علیحدگی اور طلاق پر ختم ہوجاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کرنے والے ایک دوسرے سے جذباتی طور پر وابستہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے پسندیدہ پہلوؤں مثلاً خوبصورت چہرہ، خوش پوشاکی، جنسی کشش، خوش مذاقی وغیرہ ہی کو پیش نظر رکھتے ہیں اور ناپسندیدہ پہلوؤں مثلاً کسی جسمانی نقص، اختلاف مزاج وغیرہ سے یا تو بے خبر ہوتے ہیں یا جانتے ہوئے بھی ان کی سنگینی اور سنجیدگی سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔

آخر رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جانے کے بعد جب ہمہ وقتی قربت کا موقع ملتا ہے تو نظریں جزئیات تک جانے لگتی ہیں اور یہ جزئیات کچھ ایسی خوشگوار نہیں ہوتیں۔ شدید اور فوری محبت ذرا کم ہی دیرپا ہوتی ہے۔ پائیدار اور ثقہ محبت دراصل شادی کے بعد شروع ہوتی ہے۔ جب کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کو پانے اور ایک دوسرے میں سما جانے کے مصمم ارادے سے ازداجی زندگی کی ابتداء کرتے ہیں۔ اس طرح میاں بیوی رفتہ رفتہ ایک دوسرے کے مزاج شناس ہو جاتے ہیں۔ بلکہ وہ ایک جسم بن جاتے ہیں۔ شادی سے پہلے کی محبت دراصل صرف جنسی محبت اور جذباتی محبت ہوتی ہے جو ظاہر ہے کہ ہوس سے زنگ آلود ہوتی ہے۔ (بحوالہ احقر کی کتاب ''مثالی دولہا'')

عشق ایک بیماری ہے:

دنیا کی ہر زبان کا لٹریچر حسن وعشق کی واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن شکاگو یونیورسٹی کے نامور پروفیسر رابرٹ ہریسن کا کہنا ہے کہ ''عشق دراصل ایک اعصابی بیماری ہے۔'' یہ مفکر سالہا سال تک عشق ومحبت کے واقعات کا جائزہ لیتا رہا ہے۔ اس نے حال ہی میں ایک مقالہ کے ذریعے بتایا ہے کہ ''عشق صرف ان لوگوں پر اپنا اثر کرتا ہے جن کا دل ودماغ اور اعصاب کمزور ہوتے ہیں۔ ورنہ جو لوگ کہ صحیح الدماغ ہیں اور مضبوط اعصاب کے مالک ہیں ان پر عشق کا دورہ بہت کم پڑتا ہے۔ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ عشق کا شکار ہوتی ہیں۔ کیونکہ پیدائشی طور پر ان کے اعصاب کمزور ہوتے ہیں۔'' یہ ہے عشق کے بارے میں اس محقق کی جدید دریافت۔

عشق ومحبت کا دل سے کوئی تعلق نہیں:

امریکہ کے ایک محقق نے حال ہی میں اپنے ایک مضمون کے ذریعہ ان لوگوں کا خوب مذاق اڑایا ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ عشق ومحبت کے جذبات دل میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس محقق کا کہنا ہے کہ دل کا عشق سے کیا تعلق۔ یہ تو گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جس کا کام یہ ہے

کہ خون کو پمپ کرتا رہے اور نظام جسمانی کو درست رکھے۔اب رہیں انسانی خواہشات، اس کا دل سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ انسان کی تمام خواہشات معمولی جذبے سے لے کر عشق تک محض دماغ میں پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ دماغ ہی کے ذریعے انسان محبت یا نفرت کرتا ہے۔ان چیزوں کا دل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لومیرج کا انجام:

چند روز قبل خاتون فیملی سول جج (لاہور) کی عدالت میں سماعت کے بعد تین سگی بہنوں کو خلع کی بنیاد پر طلاق کے دعوؤں پر ڈگری جاری کر دی گئی۔شاہدہ ٹاؤن کی رہنے والی تین بہنیں رخسانہ، شبانہ اور ببلی نے علاقے کے تین لڑکوں کے ساتھ جوان کے دوست تھے، محبت کی شادی کر لی، لیکن سسرال جا کر معلوم ہوا کہ والدین کی رضامندی کے خلاف انہوں نے جو قدم اٹھایا ہے وہ درست نہیں۔ بعد میں تینوں بہنوں کا موقف یہ تھا کہ ”لڑکوں نے سازش کے تحت ہم سے شادی کی، وہ کرائے کے موٹر سائیکل اور کلف والے کپڑے پہن کر انہیں متاثر کرتے رہے جبکہ تینوں لڑکے سلیم، اختر اور سلیمان جواری اور نشئی ہیں۔ انہوں نے ہماری زندگی برباد کر دی۔“

عدالت میں وکیل نے کہا ان لڑکیوں کے طلاق کے دعوے معاشرے کی ان لڑکیوں کے لئے عبرت ہیں جو صرف فلمیں دیکھ کر عشق میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور پھر بغیر سوچے سمجھے لوگوں کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ لیتی ہیں۔ ماں باپ منع کرتے ہیں تو گھر چھوڑنے کی دھمکی دے دیتی ہیں۔عدالت نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ لڑکیوں کو شادی جیسے بندھن کا فیصلہ خود کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے کہ اس کے بعد کیا اثرات مرتب ہوں گے۔والدین جو فیصلہ کرتے ہیں وہ بہتر ہوتا ہے، بعد میں پچھتانے اور گھر برباد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

محبت کی شادی کی سزا:

کلثوم سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب میں گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے لاہور

اپنے میکے جارہی تھی۔ ٹرین کا سفر چونکہ ایسا روکھا ہوتا ہے کہ آدمی زیادہ دیر خاموش نہیں بیٹھ سکتا، وہ بھی اپنی خالہ زاد بہن کے ساتھ لاہور جارہی تھی۔ کلثوم کی ذہنی حالت کچھ ٹھیک نہیں تھی، وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگتی، اس کی خالہ زاد بہن کی ہی زبانی مجھے اس کے حالات معلوم ہوئے کہ کلثوم کوئی بچپن سے ایسی نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ پیش آنے والے حالات اور واقعات نے اسے ایسا بنادیا تھا۔ ذہنی توازن خراب اور بیمار ہونے کے باوجود بھی وہ کافی دلکش لگ رہی تھی۔

کلثوم پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ نازونعم میں پلی ہوئی، دولت کی بھی کچھ کمی نہ تھی۔ ان سب باتوں نے اسے خودسر اور ضدی بنادیا تھا۔ ہر وقت اپنی ضد منوانا اس کی عادت میں شامل تھا۔ ماں باپ اور بھائی لاڈ میں اس کی ہر جائز اور ناجائز ضد پوری کرتے۔

فاخر سے کلثوم کی ملاقات اس کی سہیلی کے گھر ہوئی تھی۔ وہ اس کی سہیلی کا کزن تھا۔ فاخر نہایت چالباز اور شاطر آدمی تھا۔ وہ ان آدمیوں میں سے تھا جو دولت مند لڑکیوں کو زینہ بنا کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ اس نے اپنی چکنی چپڑی باتوں کے ذریعے کلثوم کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ کلثوم کی منگنی اس کے خالہ زاد بھائی سے طے تھی جو بہت شریف لڑکا تھا لیکن کلثوم نے فاخر سے شادی کے لئے گھر میں رٹ لگادی۔

فاخر کے گھر والے رشتہ لے کر آئے تو اس کے امی ابو نے انکار کردیا۔ کیونکہ فاخر ایک نان میٹرک لڑکا تھا اور نہ تو اس کا خاندان اچھا تھا اور نہ ہی اس کی سوسائٹی اچھی تھی۔ لیکن کلثوم نے ضد جاری رکھی۔ ماں باپ نے بھی سختی سے منع کردیا۔ پھر فاخر نے اس کو یہ رستہ دکھایا کہ وہ چھپ کر نکاح کرلیتے ہیں۔ اس طرح ماں باپ راضی ہوجائیں گے۔ اس طرح ان دونوں نے چھپ کر نکاح کرلیا۔ جب بعد میں کلثوم نے اپنے ماں باپ کو بتایا تو انہوں نے جو اپنی بیٹی کو نازوں سے پالا تھا، اس سے یہ امید قطعی نہیں تھی کہ وہ اس طرح خاندان میں ان کا منہ کالا کردے گی۔ انہوں نے غصے میں اسے گھر سے نکال دیا۔

کلثوم بڑے مان کے ساتھ فاخر کے گھر آگئی۔ فاخر کو یہ امید قطعی نہیں تھی کہ اس کی چال اس طرح ناکام ہوجائے گی۔ وہ جس دولت کی بناء پر اس سے شادی کرنا چاہ رہا تھا اس میں سے اسے ایک روپیہ بھی نہیں ملے گا۔ چارو ناچار اسے کلثوم کو اپنے ساتھ رکھنا پڑا۔

لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد اس نے پر پرزے نکالنا شروع کر دیئے۔ بات بے بات گالیاں دینا اور ذرا ذرا سی بات پر مارنا اس نے اپنا معمول بنالیا۔ فاخر کے گھر والے بھی بات بات پر بھاگی ہوئی لڑکی کا طعنہ دیتے۔ دن بھر اس سے کام لیتے اور گالی گلوچ الگ کرتے۔

اس عرصے میں اس کے ہاں ایک لڑکا بھی ہوگیا۔ ناز ونعم میں پلی ہوئی لڑکی کا یک سال میں گھل گئی۔ حد تو اس دن ہوگئی جب ایک ذرا سی بات پر فاخر اس پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگانے جارہا تھا۔ کلثوم جان بچا کر بھاگی۔ جب وہ گھر پہنچی تو اس کی بری حالت تھی۔ اس کے ماں باپ اسے پہچان نہیں رہے تھے۔ دو چار دن بعد اس کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو وہ کچھ بتانے کے لائق ہوئی کہ اس پر کیا بیتی۔

کلثوم کے ماں باپ فاخر کے گھر گئے کہ ان سے پوچھ گچھ کریں اور اپنے نواسے کو لے کر آئیں تو پتہ چلا کہ وہ لوگ وہاں سے گھر چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور کسی کو کچھ بتا کر نہیں گئے ہیں۔ کلثوم جب سے ہی اسی طرح بیمار ہے۔ بیٹے کی جدائی میں نیم پاگل ہوگئی ہے۔ علاج سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ کچھ عرصے کے لئے میں اسے کراچی لے کر گئی تھی کہ شاید دوسرے شہر میں اس کا دل لگ جائے اور حالت کچھ بہتر ہو، اب میں اسے واپس اس کے گھر لے کر جارہی ہوں۔

ہمارے یہاں کلثوم جیسی ہزاروں لڑکیاں ہیں، جن کو عقل تب آتی ہے جب پانی سر سے اونچا ہوجاتا ہے۔ یہ ماں باپ کے فیصلے کو ہمیشہ غلط ہی تصور کرتی ہیں۔ اس میں کچھ کم قصور ماں باپ کا بھی نہیں ہوتا، جو بچپن سے بچوں کی ہر جائز و ناجائز ضد کو پورا کر کے انہیں خودسر بنادیتے ہیں اور جب وہ کبھی اپنی بات منوانا چاہتے ہیں تو انہیں ایسے ہی حالت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ (ازام حبیب)

کالج میں عشق لڑانے والی لڑکیوں کی ازدواجی زندگی خطرناک ثابت ہوتی ہے:

ہندوستان کے ایک نوجوان نے ایک محقق کو خط لکھا کہ وہ ایک اعلیٰ یافتہ نوجوان ہیں۔

مگر ابھی تک وہ شادی نہیں کر سکے ہیں۔ کیونکہ جاہل لڑکیاں ان کو پسند نہیں اور تعلیم یافتہ لڑکیوں کی اندھی آزادی اور بے راہ روی سے وہ بیزار ہیں۔ اپنے خط میں یہ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''کالج کی زندگی میں ساتھ پڑھنے والی لڑکیوں کے کیریکٹر کا مجھے کافی تجربہ ہے۔ ان کے نزدیک نوجوانوں سے عشق لڑانا کوئی عیب نہیں۔ اکثر لڑکیوں نے عشق بازی کے بعد میرے دوست نوجوانوں سے شادیاں بھی کی ہیں، مگر یہ شادیاں یا تو ناکام ہوگئی ہیں یا ان کے نتائج اتنے خطرناک ثابت ہوئے ہیں کہ ایسی شادی کرنے سے سے نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ غور فرمایئے کہ جب زمانہ حاضرہ کی لڑکی نے شادی کو بھی ایک ''تجارت'' بنالیا ہو اور وہ محض اپنے آرام وعیش کے لئے شادی کرتی ہو تو اس سے مرد کو کیا سکھ مل سکتا ہے۔ مجھ کو مشورہ دیجئے کہ میں کیا کروں۔ جاہل لڑکی سے شادی کر نہیں سکتا۔ تعلیم یافتہ لڑکیاں شوہروں کے لئے وبال جان بنی ہوئی ہیں۔''

موضوع نمبر ۶۴

عورت کی خواہش پوری کرنا اور جدید تحقیق

مرد ہوں یا عورت، خواہشات ہر انسان میں ہوتی ہیں۔ خواہشات کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر پورا کرنا حضور ﷺ کی تعلیمات میں سے ہے۔ اسلام نے عورت کو پیدا ہونے سے موت تک پردے میں رہنے کا حکم دیا اور عورت کے بلوغت کے وقت فوراً شادی کا حکم دیا اور عورت کی جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ صرف شادی ہے اور اسلام نے مرد پر ذمہ داری ڈالی ہے کہ عورت کی جائز خواہشات کو پورا کرے۔ اور عورت کے ذمے بھی ہے کہ وہ مرد کی جائز خواہشات پوری کرے۔

اگر میاں بیوی ایک دوسرے کی خواہشات کو مدنظر رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی گزاریں گے تو زندگی کی خوشیاں دوبالا ہونے کے ساتھ ساتھ عورت اور مرد کئی گناہوں سے بچیں گے۔ آیئے اس بارے میں یورپی ماہرین نفسیاتی کی تحقیقات ملاحظہ فرمائیں۔

عورت کی خواہش پوری نہ کرنے کا نقصان اور ڈاکٹری تحقیق:

ایک جوڑے کی ازدواجی زندگی اوائل دور میں بڑی خوشگوار رہی۔ شادی سے قبل عورت کے کسی سے ناجائز تعلقات نہیں تھے۔ اس لئے ۲۶ سال کی عمر تک عورت نت نئی مصروفیوں میں کھوئی رہی۔ لیکن آخری بچہ کی پیدائش کے بعد جب کہ بچہ کی عمر ۲ سال کی تھی اتفاقیہ طور پر اس عورت نے محسوس کیا کہ اس کی جنسی بیداری حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور باوجودیکہ اس نے ایسے جذبوں کو کچل دینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکی اور اکثر بے چینی محسوس کرتی۔

جب اس کے بچے ادھر ادھر چلے جاتے تو وہ اکیلی ہوجاتی اور تنہائی میں اس کے جذبات باغی ہوجاتے۔ اس کی بے چینی بتدریج بڑھتی گئی۔ اس نے بہت جلد اسکاوٹ

ماسٹر سے دوستی کرلی جو اس کے بچوں کو اسکاؤٹ کی تربیت دیا کرتا تھا۔ دن کے وقت وہ اس کی ساری دلچسپیوں میں شریک ہوتا۔ اس عورت کو اپنا یہ فعل خود نا گوار گزرتا تھا۔ اس لئے اس نے شوہر سے زیادہ سے زیادہ تقاضے کئے اور شوہر بے چارہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ کل تک جس عورت کے جنسی جذباتی قطعی متوازن تھے، آج کیوں کر اس قدر غیر معتدل ہو سکتے ہیں۔

اس نے فوراً ایک ڈاکٹر سے رجوع کیا اور ڈاکٹر نے اسے مشورہ دیا کہ اس عورت کی زندگی میں مزید ایک بچہ کا اضافہ ہونا چاہئے۔ لیکن اس کی مالی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ مزید ایک بچے کا اضافہ کیا جاسکے اور نتیجے کے طور پر یہ عورت اس اسکاؤٹ ماسٹر سے ہمیشہ منسلک رہی۔

ڈاکٹر ہیلن کچن کی تحقیق:

ڈاکٹر ہیلن کچن برانس لکھتے ہیں:

مرد اپنے چالیس تا پچاس سال کی عمر میں حد سے زیادہ جنسی خواہشات کی بیداری محسوس کرتا ہے اور جب اس کی شریک حیات اپنی ہمہ گیر مصروفیتوں کی وجہ سے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتی تو وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے کہیں اور سہارا ڈھونڈتا ہے۔

موضوع نمبر ۶۵

حشرت الارض اور جانوروں کو مارنا اور جدید تحقیق

جانوروں کو مارنا منع:

حدیث شریف میں چیونٹیوں، شہد کی مکھیوں، ھدھد اور صرد کو مارنے سے منع کیا گیا ہے۔ (مسند احمد ۱:۳۹۶۱)

اس وقت یورپ میں جانوروں کے حقوق اور ان کی دیکھ بھال کے لئے کئی لوگوں نے ادارے کھول رکھے ہیں۔ جانوروں کے حقوق کی نگہداشت نہ کرنے اور ان کو مارنے پر کئی ممالک نے سخت قوانین بنا رکھے ہیں۔ ذیل میں جرمنی کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں۔

جرمنی میں مارنے پر پابندی:

جرمنی میں ان کو مارنے کی سزا ۱۴۱ دن قید اور ۱۵۰ مارک جرمانہ مقرر کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ صرد چھوٹے پرندوں کا شکار کرنے والا جانور ہے جس کو اردو میں ھُد ھُد کہتے ہیں۔

موضوع نمبر ٦٦

دوعورتوں کی گواہی دومردوں کے برابر

اور جدید تحقیق

اسلام میں ایک مرد کے مقابل دوعورتوں کی گواہی:

اسلام میں گواہی کے باب میں عورت کی حیثیت کو ایسے ہی تسلیم کیا گیا ہے جیسے مرد کی، لیکن ایک مرد کے بالمقابل دوعورتوں کی گواہی مانی گئی ہے، جس کا تعلق عورت کی خلقت و طبیعت سے ہے۔

آیئے اس بارے میں مغربی ڈاکٹر کی تازہ تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

مغربی ڈاکٹر ہارڈنگ کی تحقیق:

یہ بات اب ایک مسلمہ حقیقت تسلیم کی گئی ہے کہ عورتیں ایک واقعہ کی جزئیات کو اسی صحت ودرستگی کے ساتھ بیان نہیں کر پاتی ہیں جیسے کہ مرد۔

ایک مغربی محقق ڈاکٹر ہارڈنگ اپنی کتاب The way of woman میں لکھتا ہے:

''اگر مردوں کو انسان کے باہمی تعلقات کے مسائل سے متعلق کام پر لگایا جائے تو یہ کام ان کے لئے کچھ خوش آئند نہیں ہوتا، لیکن عورتیں ایسے کام بہت پسند کرتی ہیں۔ عورتوں کے لئے مشکل مقام وہ ہوتا ہے جہاں ان سے کہا جائے کہ کسی مسئلہ کے جزئیات کو پوری صحت کے ساتھ بیان کریں۔ (حوالہ قرآن وعورت، ص ۲۰۸ بحوالہ طاہرہ کے نام)

موضوع نمبر ۶۷

خون کی گردش کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ

اور جدید تحقیق

گردش خون پر ارشاد نبوی ﷺ:

خون کی گردش کے بارے میں حضور ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

ان الشیطان یجری من بنی آدم مجری الدم (مسند احمد ۳:۱۵۶)

یعنی شیطان انسان کے جسم میں ایسے ہی گردش کرتا ہے جیسے بدن میں خون گردش کرتا ہے۔

اس ضمن میں جدید تحقیق جس کو ظاہر ہوئے بمشکل ۱۰۰ سال ہوئے ہوں گے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ایک مشہور حدیث کا سائنسی اعجاز اور دوران خون:

لاہور کے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج اور دیگر میڈیکل کالجز کے نصاب میں یہی پڑھایا جاتا ہے کہ دوران خون کی دریافت ہاروے (Harvey) نے کی۔ ہمارے نبی ﷺ نے ۱۴۰۰ سال پہلے اپنی امت کو ایک مشہور حدیث میں بتا دیا تھا۔

موضوع نمبر ۶۸

زمین و پودوں کا زندہ ہونا اور جدید تحقیق

قرآن و احادیث نبوی ﷺ کی رو سے یہ تمام کائنات اور اس کے اندر موجود تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور ذکر کرتی رہتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کی آیت کا ترجمہ ہے کہ:

کائنات میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ بیان کرتی ہو۔
البتہ تم ان چیزوں کی تسبیحات کو نہیں سمجھ سکتے ہو۔

اسی طرح احادیث کے اندر بھی متعدد جگہوں پر ہمارے نبی پاک ﷺ نے اس کائنات اور اس کے اندر موجود چرند پرند اور دوسری موجودات کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں۔

غرض ہر چیز اپنے انداز سے ذکر الٰہی میں مشغول ہے اور ہر وقت اللہ کی تسبیح بیان کی جا رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری ناقص ذہنیت کی وجہ سے ان چیزوں کا ذکر کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم تو یا ان جانوروں چرند پرند کی زبان سمجھنے سے قاصر ہیں یا ان کے انداز ذکر کے الگ ہونے کی وجہ سے سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ ہر چیز کی زندگی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کا ذکر کرے ورنہ اس کا زندہ رہنا یا اس کائنات کے اندر موجود رہنا اس کے لئے محال ہے۔ یہ باتیں تو ہمیں اسلام نے بہت پہلے سمجھائی تھیں۔ اب چودہ سو سال کے بعد سائنس بھی تصدیق کر رہی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کریں:

زمین بھی سانس لیتی ہے:

پہلے خیال تھا کہ آکسیجن صرف زمین کی سطح پر پائی جاتی ہے، لیکن اب سائنسدانوں نے ثابت کیا ہے کہ زمین کے اندر ایک کلومیٹر کی گہرائی تک آکسیجن موجود ہے۔
ان سائنسدانوں کا خیال ہے کہ زمین بھی سانس لیتی ہے اور آکسیجن جذب کرتی

ہے۔ یہ آکسیجن زیرزمین بسنے والے کیڑے مکوڑوں کی زندگی برقرار رکھتی ہے اور زمین میں مٹی کے مسام کے علاوہ بارش کے پانی کے ذریعے بھی زمین کی اندرونی تہوں تک پہنچ جاتی ہے۔ زیرزمین پانی بھی اسے ذخیرہ کرنے میں مدد دیتا ہے۔

پیاسے پودے بھی پانی کے لئے فریاد کرتے ہیں:

پانی جانداروں کی ہی ضرورت نہیں پودوں کی زندگی کا بھی باعث ہے۔ پودوں کو جب مقررہ وقت اور مطلوبہ مقدار میں پانی نہ ملے تو وہ بھی جانداروں کی طرح چیختے اور چلاتے ہیں۔ اس بات کا انکشاف امریکی محکمہ زراعت کے محققین نے حال ہی میں کیا اور بتایا کہ ایک چھوٹا سا مائیکروفون تیار کیا گیا ہے جس کے ذریعے سے ان کی آوازوں کو سنا جا سکتا ہے۔

کیا پودے سانس لیتے ہیں؟

جی ہاں! پودے سانس لیتے ہیں۔ مگر وہ سانس خاص طریقے سے لیتے ہیں۔ انسان یا جانور سانس لیتے وقت آکسیجن اندر لے جاتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ جو ایک زہریلی گیس ہے، باہر خارج کرتے ہیں۔ یہی عمل درختوں کے پتے مختلف انداز سے کرتے ہیں جسے ہم دم لینا اور فوٹو سنتھیسس کہتے ہیں۔

پہلے طریقے کے مطابق پودے بھی، جن کے پتوں میں باریک باریک سینکڑوں مسام یا سوراخ ہوتے ہیں، فضاء سے آکسیجن جذب کرتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں۔ فوٹو سنتھیسس کے طریقے میں پودے اپنی خوراک خود پیدا کرتے ہیں۔ اس عمل کے لئے سورج کی روشنی اور دیگر خام مال درکار ہوتا ہے۔ اس میں سے اہم ترین چیز کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO_2) ہے۔

کاربن، درخت اپنے پتوں کے ذیعے ہوا سے حاصل کرتے ہیں۔ سورج کی دھوپ کو توانائی کے ذریعے بناتے ہوئے پتے کاربن ڈائی آکسائیڈ کو پانی سے ملاتے ہیں۔ درخت عموماً یہ پانی اپنی جڑوں سے حاصل کرتے ہیں۔ اس عمل کے ذریعے چینی یعنی شوگر

اور آکسیجن پیدا کرتے ہیں۔ یہ آکسیجن گیس، جو تمام جانداروں کو زندہ رکھتی ہے، پودے کی ضرورت سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جب رات کے وقت سورج کی روشنی نہ ہونے کے باعث یہ عمل رک جاتا ہے تو پودے زائد آکسیجن چھوڑنا شروع کر دیتے ہیں، اس طریقے سے پودے انسانی زندگی کی بقاء کے لئے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

موضوع نمبر ۶۹

زمین کے نیچے جہنم اور جدید سائنسی تحقیق

اسلام نے بہت ساری چیزوں کے بارے میں جو ہمیں بہت پہلے خبر دی ہے، آج اس کے بارے میں جدید سائنسی تحقیقات بھی تصدیق کرتی ہیں۔ مثلاً اسلامی تعلیمات میں یہ بات موجود ہے کہ جنت آسمانوں کے اوپر ہے اور جہنم زمین کے نیچے ہے۔ یہ مفہوم قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے۔ وہ یہ کہ قرآن نے جہنم کو سجین سے تعبیر کیا، اس کی تشریح حدیث میں کی گئی کہ وہ زمین کی نیچے ہے۔

اب آپ ملاحظہ کریں کہ قرآن وحدیث کی چودہ سو سال پہلے کی باتیں جدید سائنسی تحقیقات سے کس طرح ثابت ہوتی ہیں۔

زمین کا اندرونی حصہ زیادہ گرم ہے، سائنس دانوں کی تحقیق:

قشر ارض کا دو تہائی رقبہ سمندر سے ڈھکا ہوا ہے، باقی ایک تہائی رقبہ خشکی پر مشتمل ہے۔ خشکی ہو یا سمندر کی تہہ، دونوں پر مٹی کا ایک پتلا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ مٹی کے اس غلاف میں زیادہ تر چٹانوں کی ٹوٹ پھوٹ سے حاصل ہونے والے ذرات شامل ہوتے ہیں۔

قشر ارض کے نیچے بھاری بھرکم چٹانوں کی ایک ضخیم پرت ہے۔ ان چٹانوں کو بھاری چٹانیں (Heavy Rocks) کہا جاتا ہے اور اس پرت کی موٹائی تقریباً دو ہزار آٹھ سو اسی کلومیٹر ہے۔ اس پرت کو زمین کا مینٹل (Mantle) کہتے ہیں۔

مینٹل کے بعد زمین کا قلب (Core) شروع ہو جاتا ہے۔ یہ زمین کا مرکزی حصہ ہے۔ سائنسدانوں کے خیال میں یہ زیادہ تر گرم لوہے پر مشتمل ہے۔ زمین کے مرکزی حصے میں اس کا درجہ حرارت انتہائی زیادہ ہو جاتا ہے۔ قلب ارض کا نصف قطر تین ہزار دو سو کلومیٹر ہے۔

موضوع نمبر ۰۷

اللہ کے نافرمانوں پر عذابات

اور جدید تحقیقات

نافرمان قوموں پر عذابات کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

جب قومیں اللہ کے نبی کی بتائی ہوئی تعلیمات کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات میں مبتلا ہوجاتی ہیں تو اس قوم کو اللہ ایک وقت تک ڈھیل دیتا ہے، جب پانی سر سے گزر جاتا ہے، بے حیائی وفحاشی اور رب کی نافرمانیاں عام ہوجاتی ہیں تو اللہ اس قوم کو زلزلوں، طوفانوں اور مختلف نئی سے نئی بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: اے مہاجرین وانصار پانچ چیزوں میں مبتلا ہونے سے بچو:

۱۔ جب کسی قوم میں بے حیائی عام اور اعلانیہ ہونے لگے تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جو پہلے کبھی نہ تھیں۔

۲۔ اور جب لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگتے ہیں تو قحط میں اور بادشاہ کے ظلم وستم اور کئی طرح کی سختیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۳۔ جب لوگ زکوٰۃ روک لیتے ہیں تو آسمان سے بارش روک لی جاتی ہے۔ اگر چوپائے وغیرہ دیگر مخلوق نہ ہوتی تو کبھی بارش نہ ہوتی۔

۴۔ جب لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو توڑتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ غیر اقوام کے دشمن مسلط کر دیتے ہیں۔

۵۔ اور جب حکام کتاب اللہ کے احکام چھوڑ بیٹھتے ہیں تو ان میں باہم اختلاف اور

لڑائی ڈال دی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا حدیث کی حقانیت کو سمجھنے کے لئے موجودہ دور کے چند عذابات کے واقعات ملاحظہ فرمائیں:

امریکہ میں خوفناک زلزلے کا عذاب:

ریاست کیلیفورنیا کے شہر لاس اینجلس میں تاریخ کا عبرتناک زلزلہ ۱۷ جنوری ۱۹۹۴ء کو رات ۴ بجے آیا۔ یہ ۱۷ جنوری وہی رات ہے جب سپر پاور نے بغداد کے مقدس مقامات پر بمباری کی تھی۔ زلزلے کی تفصیلات بھی بہت عجیب ہیں۔

وقت سے پہلے زلزلے کی اطلاع دینے والے آلات خاموش رہے، کیونکہ زلزلے کا EPI-CENTER سطح زمین سے ۹ کلومیٹر نیچے تھا۔ انجینئرنگ کے نقطہ نظر سے اس زلزلے کی FAULT PROBABILITY ONE IN TEN THOUSAND تھی۔ انجینئرز مطمئن تھے کہ یہ زلزلہ کبھی نہیں آئے گا اور جب آیا تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور سپر پاور کی ساری ٹیکنالوجی دھری کی دھری رہ گئی۔ اللہ اکبر۔ زلزلے کا AMPLITUDE سات سے زیادہ تھا۔ ۴۵ سیکنڈ کا وقت یوں لگتا تھا کہ کبھی ختم ہی نہیں ہوگا۔ سوئے ہوئے لوگ اپنے بستروں سے گیند کی طرح اچھل کر نیچے آگرے۔

عجیب بات یہ ہے کہ پرائیویٹ پراپرٹی کا نقصان کم ہوا اور سرکاری املاک کا زیادہ نقصان ہوا اور خاص طور پر وہ عمارتیں جنہیں امریکی قانون کے تحت LIFE LONG ڈیزائن کے طور پر تیار کیا گیا تھا تاکہ برے سے برے حالات میں محفوظ رہے۔ جیسے ہسپتال، پولیس اسٹیشن، فائر بریگیڈ، ریلوے اسٹیشن، ہائی وے کے پل وغیرہ، انہی عمارتوں کو زیادہ نقصان پہنچا۔

فقیر نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ دو دو گز چوڑے ستون تنکوں کی طرح ٹوٹے پڑے تھے۔ ہائی وے کے پل سوفٹ کی بلندی سے یوں نیچے جا گرے جیسے بچہ CANDY کو دور پھینک دیتا ہے۔ سرکاری نقصان کا اندازہ تیس بلین ڈالر ہوا۔ یہ اتنی ہی رقم ہے جو کویت کی جنگ میں امریکہ نے اس سے کمائی۔ ایک ہی جھٹکے میں حساب برابر ہو گیا۔ اللہ اکبر۔

ریاست کیلیفورنیا میں اب بھی ۸ سے ۱۰ LAEFAL موجود ہیں۔ ان میں سے ایک BIG ONE کے نام سے مشہور ہے۔ یہ زلزلہ کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔ اس کا سینٹر سطح سے چند میٹر نیچے ہے۔ لہذا بے حدو بے حساب نقصان کا اندازہ ہے۔ ماہرین کا تخمینہ بتاتا ہے کہ اگر BIG ONE زلزلہ آ گیا تو ہالی ووڈ کے اداکاروں اور ہم جنس پرستوں کی آبادی کا یہ ٹکڑا زمین سے کٹ کر سمندر میں ڈوب جائے گا۔ قرآن شاہد ہے کہ پچھلی نافرمان قوموں پر بھی اسی طرح کے اچانک عذاب آئے ہیں:

عاد و ثمود واصحاب الرس واقرونا بین ذلک کثیرا
وکلا ضربنا له الامثال وکلا تبرنا تتبیرا

فقیر نے لاس اینجلس کے چوراہوں پر کئی کئی میٹر لمبے METALLIC BOARD دیکھے، جن پر (OH GOD) ''اے خدا'' لکھا ہوا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ امریکی انتظامیہ نے یہ بینر لگائے ہیں تاکہ لوگ دعا کریں کہ BIG ONE نہ آئے۔ اللہ اللہ۔

محترم قارئین، یہ ایک اللہ والے کے آنکھوں دیکھے واقعات تھے، جن میں ہمارے لئے کافی عبرت کے خزانے اور رجوع الی اللہ کے محرکات چھپے ہوئے ہیں۔ **فاعتبروا یااولی الابصار** اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کسی بڑی سے بڑی سلطنت اور قوت کو برباد کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے لاتعداد لشکروں میں سے کوئی ایک بھی بہت کافی ہے۔ چیونٹی اور مچھر کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لیکن ان کو بھی اگر حق تعالیٰ اپنے لشکر کی حیثیت سے کسی جگہ بھیج دیں تو یہی کم حیثیت چیونٹی، مکھی اور مچھر اس جگہ کو برباد اور تہس نہس کرنے کے لئے کافی ہیں۔ **لایعلم جنود ربک الاھو۔**

طوفانوں کے عذاب کی مختصر تاریخ:

کیا ایسا طوفانی سیلاب صرف قرآن میں مذکور ہے یا تاریخ بھی اس معاملے میں کچھ بولتی ہے۔ آیئے تاریخ کے اوراق الٹتے ہیں:

۱۔ دنیا کی ہر قوم میں تباہ کن سیلاب کی تاریخ ملتی ہے اور ایسے سیلاب کشش چاند یا کسی

دمدار ستارے کے زمین کے زیادہ قریب آنے پر اٹھ پڑتے رہے ہیں۔

۲۔ امریکہ کی ایک ریاست اوکلوھاما کے لوگ بتاتے ہیں کہ قدیم زمانے میں ایک مرتبہ زمین پر گہری تاریکی چھاگئی، جو انتہائی اونچی سمندری موجوں کی وجہ سے تھی۔ موجیں قریب تر ہوتی گئیں اور بالآخر تباہی کا موجب بنیں۔

۳۔ جدید حکمائے زمین (Geologists) کہتے ہیں کہ بعض مقامات پر ایسے بڑے اور گول پتھر ملتے ہیں، جن کے ہم جنس پتھر قرب و جوار میں نہیں پائے جاتے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی عظیم سیلاب سے بہہ کر آئے۔

اب دنیا میں امریکہ ایک واحد سپر پاور نظر آرہا ہے۔ جس کے فوجی نظام اور قوت و استبداد سے پوری دنیا مرعوب نظر آتی ہے۔ لیکن اللہ پاک کے نزدیک اس کی ساری قوم ایک چیونٹی کی قوت سے بھی کم ہے جو آہستہ آہستہ اپنے زوال اور منطقی انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔

• سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حاجی ذوالفقار احمد صاحب جو اکثر تبلیغی دوروں پر یورپ وغیرہ جاتے رہتے ہیں، ان کے واشنگٹن (امریکی ریاست) سے بھیجے ہوئے چند خطوط جو انہوں نے اپنی جماعت کو بھیجے تھے میری نظر سے گزرے ہیں۔ اس میں اس موضوع کے متعلق بھی بڑا عبرت انگیز مواد تھا، جس کو میں یہاں ان ہی کے الفاظ میں نقل کر رہا ہوں۔

ہر کمال را زوال...... چند عبرتناک واقعات:

بتاریخ ۱۷ مئی ۱۹۹۴ء کیلیفورنیا امریکہ سے شیخ محمد یعقوب صاحب کے نام لکھتے ہیں۔

امریکہ میں اس سال چند ایسے حوادث پیش آئے ہیں جو ہم سب کے لئے باعث عبرت ہیں۔ دل میں یہ بات آئی ہے کہ ان کی کچھ تفصیلات آپ کو خط میں لکھی جائیں۔ آپ چاہیں تو حلقہ ذکر میں احباب کے سامنے یا نماز جمعہ میں جماعت کے سامنے پڑھ کر سنا دیں۔

!۔ Misissisipi River (دریائے مسی سپی) میں ہر سال سیلاب آتا ہے۔ پانی

کا زیادہ سے زیادہ اخراج ڈیڑھ لاکھ کیوسک تک پہنچتا ہے۔ اس سال جو سیلاب آیا تو پانی کا اخراج ساڑھے سات لاکھ کیوسک تک پہنچ گیا۔ جتنے پل اور ڈیم بنے ہوئے تھے پانی ان کے نیچے کے بجائے اوپر سے گذرنے لگا۔ سات ریاستیں زیر آب آ گئیں۔ تیس بلین ڈالر کا نقصان ہوا۔ حتیٰ کہ امریکی صدر نے ٹی وی پر اپنی تقریر میں کہا کہ چرچ والوں کو دعا کرنی چاہئے کہ یہ مصیبت دور ہو جائے۔ تقدیر کے سامنے تدبیر نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ (گویا دعا یاد آ گئی) اللہ اکبر۔

۲۔ ریاست ٹیکساس میں ٹارینڈو (ہوا کا طوفان) آیا۔ جس کی طاقت دس نائٹروجن بموں سے زیادہ تھی۔ (یہ ایٹم بم سے بھی زیادہ مہلک ہوتا ہے) اس نے مکان کی چھتوں کو اڑا کر رکھ دیا۔ کاروں کو اٹھا کر پٹخ دیا۔ چند لمحوں میں خوبصورت آبادیاں کھنڈرات میں تبدیل ہو گئیں اور سپر پاور قدرت الٰہی کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

دور جدید کے طوفانوں کے واقعات پر تحقیقات:

جاوا کے مغربی ساحل پر ایک سابق سمندری کپتان نے یکا یک کیا دیکھا کہ سمندر کے پانی سے ایک نیا جزیرہ ابھر رہا ہے۔ لیکن چند لمحوں میں اسے اپنی جان بچانے کی غرض سے پوری رفتار سے بھاگنا پڑا، جیسے وہ جزیرہ سمجھا تھا وہ پانی کی موج تھی۔ یہ تقریباً پچاس فٹ اونچی تھی اور ساحل کی طرف انتہائی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ پھر یہ ساحل کی بلندیوں کو توڑتی اور ہر شے کو چکنا چور کرتی جو اس کی راہ میں حائل ہوئی پہاڑی علاقوں کی بلندی پر چڑھتی گئی۔

موج کے ساتھ تنکے کی طرح رقص کرتا ہوا ایک شہتیر کپتان مذکور پر آ پڑا اور وہ بے ہوش گیا اور جب ہوش آیا تو دیکھا کہ ساحل سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک درخت کی چوٹی پر اٹکا ہوا ہے۔ وہ ان چند آدمیوں میں سے تھا جنہوں نے اس موج کو دیکھا اور اس کی تباہ کاریوں کی داستان دہرانے کے لئے زندہ بچ گئے تھے۔ بعض مقامات پر موج ۱۰۰ فٹ بلند تھی۔ اس سے بیسیوں گاؤں اور قصبے معدوم ہو گئے اور ہزاروں جانیں جاتی رہیں۔

سماٹرا کے ساحل پر اس موج نے جنگی جہاز ''بیرون'' کو مع لنگر سمندر سے اٹھا کر خشکی پر دو میل کے فاصلے پر سمندر کی سطح سے تیس فٹ بلند ایک جنگل میں لا پھینکا۔ موج بحر ہند کی پوری وسعت میں دوڑی اور پانچ ہزار میل کا سفر کر کے کیپ ٹاؤن پہنچی۔ وہاں بھی ایک فٹ بلند تھی۔ جزیرہ کراکٹو میں چودہ مکعب میل کا پہاڑ ایک دھماکے کے ساتھ فضا میں تین میل کی بلندی تک اچھل گیا۔ بعد میں پورے سال تمام دنیا کے گرد طوفان برق و باد کی لہریں چلتی رہتیں۔

بہت ممکن ہے کہ آج سے پانچ ہزار سال قبل اسی قسم کی کوئی موج خلیج فارس سے اٹھی ہو اور دجلہ وفرات کے نواحی علاقوں کو ڈبوتی چلی گئی ہو اور پھر کوہ ارادت کی نا قابل عبور چوٹیوں سے ٹکرا کر پیچھے ہٹی ہو اور کشتی نوح ''جودی'' پر رک گئی۔

(Encyclopedia of riligions and Ethics) کا مصنف بھی اسی قسم کا ایک حل پیش کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''عالمگیر طوفان نوح کا نظریہ سائنس دانوں کے نزدیک بالکل بے بنیاد ہے۔ البتہ ان کے نزدیک یہ عین ممکن ہے کہ کبھی خلیج فارس کا ساحل کسی عظیم الشان آتش فشاں سے ٹکرایا ہو اور اس کے ساتھ طوفان باد بھی ہو۔ جس سے اس خطے کے لوگ ہلاک ہو گئے ہوں۔''

ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ کیا طوفان نوح علیہ السلام سے قبل جانوروں کے جوڑے اتنے ہی تھے جتنے کشتی نوح میں سما سکے؟ میرا خیال ہے آج بھی وہاں بڑے بڑے جانوروں کی مجموعی تعداد سو سے زیادہ ہوگی۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ حشرات الارض کا کیا بنا؟ اس کے جواب میں آر، ڈی دریک کے محولہ بالا مضمون کا ایک اقتباس پیش ہے:

''آہستہ آہستہ کراکٹو کا جزیرہ جس کے متعلق یہ توقع ہی باقی نہیں رہی تھی کہ یہ کبھی پھلے پھولے گا، سرسبز و شاداب نظر آنے لگا۔ چھوٹے چھوٹے درخت اور جھاڑیاں جنگل میں تبدیل ہونے لگے اور آخر کار ۱۹۲۴ء میں وہاں گھنا جنگل ہو گیا۔ جس میں ہزاروں اقسام کے پرند، سانپ اور دوسرے جانور موجود تھے۔''

اگر کراکٹو میں چالیس برس کے مختصر سے وقفے میں زندگی کی نئی اقسام بھی پروان چڑھ

سکتی ہیں تو پانچ ہزار سال کے طویل عرصے میں دجلہ وفرات کے علاقے میں مختلف جانور کیوں آباد نہیں ہو سکتے۔ پھر کراکٹو کو تو سمندر نے باقی دنیا سے جدا کر رکھا تھا اور یہ علاقہ خشکی کے راستے تین براعظموں سے ملا ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ ادھر ادھر سے وہاں مختلف جانور چلے گئے ہوں۔

ان طوفان کو اور زلزلوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حقانیت کا یقین اور پختہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید انہی موقعوں پر کہتا ہے:

سنريهم ايتنا فى الافاق وفى انفسهم حتى يتبين لهم انه الحق

''عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے عالم آفاق میں اور خود ان کے نفوس میں۔ حتیٰ کہ ان پر حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔''

ادارہ اشاعت اسلام
0333-2103655